تاریخ
دعوت وعزیمت

حصّہ پنجم

تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

احیاءِ دین، اشاعتِ کتاب وسنت، اسرار ومقاصدِ شریعت کی توضیح و تنقیح، تربیت وارشاد اور ہندوستان میں ملّتِ اسلامی کے تحفظ اور تشخص و بقا کی اُن عہد آفریں کوششوں کی روداد جن کا آغاز حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کے اخلاف وخلفاءؒ کے ذریعہ ہوا۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

مجلس نشریاتِ اسلام
۱۔کے۔۳، ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد ۱، کراچی ۱۸

www.ahlehaq.org

جملہ حقوق طباعت و اشاعت پاکستان میں
بحق فضل ربی ندوی محفوظ ہیں۔

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

اپنی حیات میں مندرجہ ذیل اداروں کے ذمہ دار رہے

- ناظم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ • رکن مجلس شوریٰ دار العلوم دیوبند
- صدر مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ • صدر مجلس انتظامی و مجلس عاملہ دار المصنفین اعظم گڑھ
- رکن عربی اکادمی دمشق • رکن مجلس شوریٰ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ
- رکن مجلس تاسیسی رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ • رکن مجلس عاملہ موتمر عالم اسلامی بیروت
- صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ • صدر رابطہ ادب الاسلامی العالمیہ
- رکن مجلس انتظامی اسلامک سینٹر جنیوا
- سابق وزٹنگ پروفیسر دمشق یونیورسٹی و مدینہ یونیورسٹی
- صدر آکسفورڈ سینٹر فار اسلامک اسٹڈیز آکسفورڈ یونیورسٹی آکسفورڈ۔

نام کتاب —— تاریخ دعوت و عزیمت (حصہ پنجم)
تصنیف —— مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
طباعت —— احمد برادرز پرنٹنگ پریس، کراچی
ضخامت —— ۴۴۸ صفحات

ٹیلیفون : ۶۶۲۱۸۱۴

اسٹاکسٹ: مکتبہ ندوہ قاسم سینٹر اردو بازار کراچی

ناشر

فضل ربی ندوی

مجلس نشریات اسلام ۱-کے-۳ ناظم آباد مینشن، ناظم آباد، کراچی (۷۴۶۰۰)

www.ahlehaq.org

تاریخ دعوت
و
عزیمت

حصۂ پنجم

اردو ـــ ــــــــــــــ لکھنؤ وکراچی

عربی نام "رجال الفکر والدعوۃ فی الاسلام" الجزء الرابع

انگریزی نام "SAVIOURS OF ISLAMIC SPIRIT VOL. IV"

www.ahlehaq.org

فہرست عناوین

"تاریخ دعوت و عزیمت حصہ پنجم"

پیش لفظ	۹ - ۱۴
باب اول عالم اسلام بارہویں صدی ہجری میں	۱۵ - ۴۱
بارہویں صدی کے اسلامی ممالک کے حالات اور انقلابات کے مطالعہ کی اہمیت	۱۵
ہندوستان پر ایران کے ثقافتی و تہذیبی اثرات	۱۸
سلطنت عثمانیہ کی عظمت و اہمیت	۱۹
عالم اسلام کی سیاسی حالت	۲۰
سلطنت عثمانیہ بارہویں صدی میں	۲۰
حجاز کی صورت حال	۲۲
یمن	۲۴
ایران	۲۵
نادر شاہ افشار	۲۶
ایران نادر شاہ کی وفات کے بعد	۲۸
افغانستان اور احمد شاہ ابدالی	۲۹
افغانستان احمد شاہ ابدالی کے بعد	۳۰
عالم اسلام کی علمی و دینی حالت	۳۰
بارہویں صدی کے اہل کمال	۳۱
عالم اسلام کے علمی، ادبی و روحانی زوال پر ایک نظر	۳۴
ایران میں علوم عقلیہ کا غلبہ اور اس کا ہمسایہ ممالک پر اثر	۳۵
عام اخلاقی، معاشرتی اور اعتقادی حالت	۳۸
باب دوم ہندوستان	۴۲ - ۶۴
سیاسی حالت	۴۲
اورنگ زیب عالمگیر	۴۳
اورنگ زیب کے کمزور جانشین	۴۵
شاہ عالم بہادر شاہ اول (۱۱۱۹ھ تا ۱۱۲۴ھ)	۴۷
فرخ سیر	۵۰
محمد شاہ بادشاہ (م ۱۱۶۱ھ)	۵۱
شاہ عالم ثانی	۵۷
علمی و روحانی حالت	۵۸
اخلاقی و معاشرتی پستی	۶۱
اعتقادی کمزوری اور شرک و بدعات کا زور	۶۲
باب سوم شاہ صاحب کے اجداد و والد بزرگوار	۶۵ - ۹۶
شاہ صاحب کے اجداد	۶۵
شجرۂ نسب	۶۶

www.ahlehaq.org

خاندان کی ہندوستان آمد ۶۷
رہتک کا قیام ۶۸
شیخ شمس الدین مفتی سے شیخ وجیہ الدین تک ۶۹
شاہ صاحب کے دادا شیخ وجیہ الدین شہید ۷۱
شاہ صاحب کے نانا شیخ محمد پھلتی ۷۵
شاہ صاحب کے عم محترم شیخ ابو الرضا محمد ۷۶
والد بزرگوار حضرت شاہ عبد الرحیم ۷۸
تعلیم ۸۱
اخلاق و شمائل و معمولات ۸۶
عقیدۂ اسلامی و دور اندیشی ۸۷
ازدواج و اولاد ۸۸
وفات ۸۸
حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب اور شاہ ولی اللہ صاحب کی تعریف ۸۹
ہندوستان کے عربی النسل خاندانوں کی خصوصیات و روایات ۹۰

باب چہارم مختصر حالات زندگی ۹۵ — ۱۲۹

ولادت ۹۷
تعلیم ۹۹
شاہ صاحب کا پڑھا ہوا نصاب ۹۹
والد ماجد کی شفقت و تربیت اور اجازت و خلافت ۱۰۲
شادی ۱۰۴
دوسرا عقد ۱۰۵
سفر حج ۱۰۷
شاہ صاحب کے مشائخ و اساتذۂ حرمین ۱۰۹
شاہ صاحب کا درس حدیث ۱۱۴
حضرت شاہ عبد العزیز صاحب کی زبانی حضرت شاہ صاحب کے بعض خصائص و معمولات ۱۱۶
وفات ۱۱۸
مدفن ۱۲۸

باب پنجم شاہ ولی اللہ صاحب کے تجدیدی کارنامے اصلاح عقائد و دعوت الی القرآن ۱۳۰ — ۱۶۸

شاہ صاحب کے دائرۂ تجدید کی وسعت اور تنوع ۱۳۰
عقائد کی اہمیت ۱۳۲
عقیدۂ توحید کی از سر نو تبلیغ و تشریح کی ضرورت ۱۳۵
مرض کا علاج اور اصلاح حال کا مؤثر طریقہ: اشاعت قرآن ۱۴۰
شاہ صاحب کے بعد کے اردو تراجم ۱۴۸
درس قرآن ۱۵۰
"الفوز الکبیر" ۱۵۰
مسئلۂ توحید کی علمی تنقیح و تحقیق ۱۵۲
عقائد کی تفہیم و تشریح کتاب و سنت کی روشنی میں اور صحابہ و سلف کے مسلک کے مطابق ۱۶۳

www.ahlehaq.org

باب ششم
حدیث و سنت کی اشاعت و ترویج اور فقہ و حدیث میں تطبیق کی دعوت و سعی ۱۶۹ — ۲۱۴

حدیث کی اہمیت اور ہر ملک اور ہر دور میں اس کی ضرورت	۱۶۹
حدیث امت کے لئے صحیح میزان و معیار	۱۷۰
تاریخ اسلام میں اصلاح و تجدید کی تحریکیں علم حدیث سے وابستہ ہیں	۱۷۳
علم حدیث اور عرب	۱۷۶
ہندوستان میں علم حدیث کا عروج و زوال	۱۷۷
شیخ عبد الحق محدث دہلوی کا کارنامہ	۱۸۰
ایک مجدد کی ضرورت	۱۸۱
حدیث کے بارے میں شاہ صاحب کے خیالات و جذبات	۱۸۳
ہندوستان میں علم حدیث سے بے اعتنائی کا شکوہ	۱۸۶
خدمت و اشاعت حدیث کی سرگرمی	۱۸۹
شاہ صاحب کی تصنیفی خدمات	۱۹۳
تطبیق بین الفقہ والحدیث	۱۹۶
اجتہاد و تقلید کے درمیان نقطۂ اعتدال	۲۰۴
قرون اولیٰ میں مسلمانوں کا طرز عمل	۲۰۵
تقلید کی جائز اور فطری شکل	۲۰۸
مذاہب اربعہ کی خصوصیت	۲۱۰
ہر زمانہ میں اجتہاد کی ضرورت	۲۱۳

باب ہفتم
شریعت اسلامی کی مربوط و مدلل ترجمانی اور اسرار و مقاصد حدیث کی نقاب کشائی "حجۃ اللہ البالغہ" کے آئینہ میں ۲۱۵ — ۲۳۸

"حجۃ اللہ البالغہ" کا امتیاز و انفرادیت	۲۱۵
موضوع کی نزاکت	۲۱۷
مستقل تالیف کی ضرورت اور علمائے متقدمین کی ابتدائی کوششیں	۲۱۹
تمہیدی و بنیادی مضامین تکلیف و مجازات	۲۲۱
اعمال کی اہمیت اور ان کے اثرات	۲۲۳
ارتفاقات	۲۲۴
ارتفاق کی اہمیت	۲۲۵
شہری و اجتماعی زندگی کی اہمیت اور ان کی تشکیل	۲۲۶
مکاسب اور وجوہ معاش کی محمود و مذموم شکلیں	۲۲۸
سعادت اور اس کے اصول چہارگانہ	۲۳۰
عقائد و عبادات	۲۳۱
سیاسیات ملی اور احیاء کی ضرورت	۲۳۳
بعثت مقرونہ	۲۳۴
ایرانی و رومی تمدن میں اخلاقی و ایمانی قدروں کی پامالی اور انسانیت کی زبوں حالی	۲۳۵
بعض دوسری مفید بحثیں	۲۳۷

www.ahlehaq.org

حدیث و سنت کا مقام اور ان کے بارہ میں امت کا طرزِ عمل	۲۳۸
فرائض و ارکان کے اسرار و حکم	۲۳۹
کتاب کی جامعیت	۲۴۴
احسان و تزکیۂ نفس	۲۴۴
جہاد	۲۴۶

بابِ ہشتم

نظامِ خلافت کی ضرورت و افادیت خلفائے راشدین کی خلافت کا ثبوت اور ان کے احسانات کتاب "ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" کے آئینہ میں ۲۴۹ — ۲۷۴

کتاب "ازالۃ الخفاء" کی اہمیت و انفرادیت	۲۴۹
"حجۃ اللہ" اور "ازالۃ الخفا" کا باہمی تعلق	۲۵۱
چند قدیم تصنیفات	۲۵۵
اسلام میں خلافت کی حیثیت و مقام	۲۵۸
خلافت کی جامع و مانع تعریف	۲۶۱
خلفائے راشدین کی خلافت پر قرآن سے استدلال	۲۶۳
کتاب کے دوسرے قیمتی مضامین	۲۶۹
وفاتِ نبوی کے بعد کے تغیرات و فتن کی نشاندہی	۲۷۲
کتاب کی طباعت و اشاعت	۲۷۳

بابِ نہم

سیاسی انتشار اور حکومتِ مغلیہ کے دورِ احتضار میں شاہ صاحب کا مجاہدانہ و قائدانہ کردار ۲۷۵ — ۳۲۲

تین نوخیز جنگجو طاقتیں	۲۷۵
مرہٹے	۲۷۵
سکھ	۲۸۱
جاٹ	۲۸۷
دہلی کی حالت	۲۸۹
حملۂ نادری	۲۹۱
ناسازگار و زلزلہ انگیز حالات میں تدریس و تصنیف کی یکسوئی	۲۹۱
سیاسی انتشار اور حکومتِ مغلیہ کے دورِ احتضار میں مجاہدانہ و قائدانہ کردار	۲۹۴
شاہ صاحب کا احساس و اضطراب	۲۹۵
مغل بادشاہوں اور ارکانِ سلطنت کو نصیحت و مشورہ	۲۹۸
نواب نجیب الدولہ	۳۰۵
احمد شاہ ابدالی	۳۱۱

بابِ دہم

امت کے مختلف طبقات کا احتساب اور ان کو دعوتِ اصلاح و انقلاب ۳۲۳ — ۳۴۲

www.ahlehaq.org

شاہ صاحب کا امتیاز ۳۲۳
مختلف طبقاتِ امت سے خصوصی خطاب ۳۲۵
سلاطین اسلام سے خطاب ۳۲۶
امراء و ارکانِ دولت سے خطاب ۳۲۸
فوجی سپاہیوں کو خطاب ۳۲۹
اہلِ صنعت و حرفت سے خطاب ۳۳۰
مشائخ کی اولاد یعنی پیرزادوں سے خطاب ۳۳۱
غلط کار علماء سے خطاب ۳۳۳
دین میں تنگی پیدا کرنے والے واعظوں اور کنج نشیں زاہدوں سے خطاب ۳۳۴
عام امتِ مسلمہ سے جامع خطاب، امراض کی تشخیص اور علاج کی تجویز ۳۳۶
اصلاحِ رسوم و تطہیرِ معاشرہ ۳۳۹

بابِ یازدہم ۱۱

فرزندانِ گرامی قدر، خلفائے عالی مرتبت، نامور معاصر ۳۴۳ - ۳۹۷

لائق فرزندان و جانشین ۳۴۳
عجیب مماثلت ۳۴۴
حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ ۳۴۶
شاہ صاحب کے خصوصی کاموں کی توسیع و تکمیل ۳۵۴
اشاعت و تبلیغ قرآن ۳۵۵
حدیث کی تدریس و ترویج ۳۵۸
نصرتِ سنت و ردِّ شیعہ ۳۶۱
انگریزی اقتدار کی مخالفت اور مسلمانوں کا ملی تحفظ ۳۶۵
مردانِ کار کی تربیت ۳۷۳
حضرت سید احمد شہیدؒ ۳۷۳
مولانا عبدالحی بڈھانویؒ اور مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ ۳۷۷
مولانا شاہ محمد اسحاق صاحبؒ و شاہ محمد یعقوب صاحبؒ ۳۷۹
اجلّۂ علماء و اساتذۂ کبار ۳۸۰
شاہ رفیع الدین دہلویؒ ۳۸۲
شاہ عبدالقادر دہلویؒ ۳۸۵
شاہ محمد عاشق پھلتی ۳۸۷
خواجہ محمد امین کشمیری ولی اللّٰہیؒ ۳۹۰
شاہ ابوسعید حسنی رائے بریلویؒ ۳۹۱
ایک نامور معاصر و مصلح شیخ محمد بن عبدالوہابؒ ۳۹۴

بابِ دوازدہم ۱۲

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی تصنیفات

۳۹۸ - ۴۱۵

کتب و رسائل ۳۹۸
انڈکس۔ مرتبہ از محمد غیاث الدین ندوی ۴۱۷

www.ahlehaq.org

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین

وخاتم النبیین محمد وآلہ وصحبہ اجمعین ومن تبعھم باحسان

ودعا بدعوتھم الی یوم الدین

مصنف کتاب کا قلب "تاریخ دعوت و عزیمت" کے پانچویں حصہ کی تسوید سے فارغ ہو کر پیش لفظ کی ان سطور کے لکھتے وقت جذبۂ حمد و شکر سے معمور اور اس کا قلم اپنے اور کاتب کے خالق کے حضور میں سربسجود ہے کہ اس نے اس سلسلہ کو اس حصہ تک جو حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کے اخلاف و خلفاء کی دینی و علمی خدمات اور ان کے مجددانہ و مجاہدانہ کارناموں کی تاریخ و روئیداد سے مخصوص ہے پہنچانے کی توفیق عطا فرمائی۔

محرم ۱۳۷۲ھ (ستمبر ۱۹۵۲ء) میں چند تقریروں کی ایک مختصر یادداشت کو سامنے رکھ کر جب "تاریخ دعوت و عزیمت" کے سلسلہ کا آغاز کیا گیا تھا، اور اس کو سیدنا امام حسن بصریؒ اور خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے شروع کیا گیا تھا تو اس وقت اس کا تصور کرنا بھی مشکل تھا کہ یہ سلسلہ پہلی دوسری صدی کے مصلحین و مجددین سے لے کر تمام درمیانی مراحل اور عالم اسلام کی زمانی و مکانی وسعت و رقبہ کو طے کرتا ہوا گیارہویں بارہویں صدی

www.ahlehaq.org

کی دو عظیم تجدیدی شخصیتوں حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ تک پہونچ سکے گا، عمر کی بے ثباتی، صحت کے نشیب و فراز، حوادث کی کثرت، مشاغل کے ہجوم، عزم و ہمت کی کوتاہی، اسفار کے تسلسل، نئی نئی ضرورتوں اور محرکات کے پیش آنے، پھر نگاہ کی اس کمزوری اور معذوری کے باوجود کہ مصنف مسلسل چودہ سال تک براہ راست مطالعہ اور خود لکھنے سے معذور رہا، یہ سلسلہ اس منزل تک پہونچے گا، یہ محض قدرت و توفیق الٰہی کا کرشمہ ہے، جس پر مصنف خدا کا جتنا بھی شکر ادا کرے کم ہے، مصنف اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کر سکتا کہ قرآن مجید کی اس آیت کے ذریعہ یہ فرض ادا کرنے کی کوشش کرے :-

رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ	اے پروردگار! مجھے توفیق عطا فرما کہ
الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ	جو احسان تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ
وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ	پر کئے ہیں ان کا شکر کروں اور ایسے
وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِکَ فِیْ عِبَادِکَ	نیک کام کروں کہ تو ان سے خوش
الصّٰلِحِیْنَ ٥	ہو جائے اور مجھے اپنی رحمت سے
(النمل - ۱۹)	اپنے نیک بندوں میں داخل فرما۔

نیز حدیث کے یہ الفاظ دہرائے :-

الحمد لله الذی بعزته وجلاله	اس خدا کا شکر ہے جس کی عزت و جلال
تتم الصالحات.	سے نیک کاموں کی توفیق و تکمیل ہوتی ہے۔

اس جلد پر حقیقتاً صالحین کے تذکرہ کے اس سلسلہ کا اور اس حیثیت سے اس عمل صالح کا اتمام ہوتا ہے کہ یہ حصہ بارہویں صدی ہجری کی ان اصلاحی و تجدیدی کوششوں اور کارناموں پر مشتمل ہے، جن کے مبارک اثرات ابھی تک باقی ہیں، اور کم سے کم برصغیر ہند کے

www.ahlehaq.org

دینی ادارے، علوم دینیہ کے مراکز، اسلام کی سربلندی کی کوششیں اور تحریکات، اور دینی، علمی و تصنیفی سرگرمیاں ان مساعی کے نتائج سے ابھی تک متمتع ہو رہی ہیں، اور ان کے سایہ میں اپنا سفر طے کر رہی ہیں، اور اس لئے بھی یہ بات خلاف واقعہ نہیں ہے کہ مصنف نے سیرت سید احمد شہیدؒ (۱-۲) کی تالیف کے ذریعہ جو ۱۹۳۹ء میں پہلی بار شائع ہوئی تھی، اس سلسلہ کو تیرہویں صدی کے آخر تک (اور جہاں تک اس تحقیق بر اعظم کا تعلق ہے) چودھویں صدی کی کئی دینی شخصیتوں اور داعیوں (جن میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں) کی سوانح مرتب کر کے اس سلسلہ کو اپنے زمانہ تک پہونچا چکا ہے، اس طرح درحقیقت "تاریخ دعوت و عزیمت" کا چھٹا حصہ بھی اور ساتویں حصہ کا بڑا حصہ بھی مرتب ہو چکا ہے، اب یہ اس کے بعد کے مصنفین اور تحقیقی کام کرنے والوں کا کام ہے کہ تیرہویں صدی ہجری کے عالم اسلام کے علمبرداران اصلاح و دعوت اور دینی قائدین کی خدمات اور کارناموں پر روشنی ڈالیں، جو عالم اسلام کے مختلف حصوں میں پیدا ہوئے اور انھوں نے دعوت و اصلاح اور جہاد فی سبیل اللہ کا کام انجام دیا، پھر چودھویں صدی ہجری کی (عالم اسلام کے پیمانہ اور سطح پر) اصلاحی علمی و فکری اور دعوتی کوششوں کا جائزہ لیں اور اس کی روئیداد مرتب کریں کہ "تاریخ دعوت و عزیمت" کا موضوع کسی خاص عہد اور ملک سے مخصوص نہیں، اس کا سلسلہ دعوتی و اصلاحی کوششوں، فکر اسلامی کی تجدید، علوم دینیہ کے احیاء و اشاعت، اپنے اپنے زمانہ کے مغالطوں اور تحریفات کا پردہ چاک کرنے اور دین کی حقیقت، روح اور جوہر کو بے نقاب کرنے، اپنے اپنے زمانہ کے فتنوں اور ضلالتوں کے مقابلہ اور ان کے ازالہ کی کوششوں کے ساتھ اس وقت تک چلتا رہے گا جب تک یہ دین

www.ahlehaq.org

باقی ہے اور یہ دنیا قائم ہے اس لئے کوئی شخص بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس نے اس موضوع کا حق ادا کر دیا، اور اس سلسلہ کو اختتام تک پہونچا دیا کہ حدیث کے الفاظ میں ہے:-

یحمل ھذا العلم من کل خلف	اس علم کے ہر نسل میں ایسے عادل
عدولہٗ ینفون عنہ تحریف	وثقہ حامل و وارث ہوں گے جو
الغالین وانتحال المبطلین	اس دین سے غلو پسند لوگوں کی تحریف
وتاویل الجاہلین[۱]	اہل باطل کے غلط انتساب و دعوے
	اور جاہلوں کی دور از کار تاویلات کو
	دور کرتے رہیں گے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی اصلاح و تجدید کا دائرہ چونکہ اپنے اندر بڑی وسعت اور تنوع رکھتا تھا، اور اس میں علمی و فکری رنگ غالب تھا، اس کے حدود میں تدریس و تصنیف، اشاعتِ کتاب و سنت، تطبیق بین العقل والنقل اور توفیق بین المذاہب الفقہیۃ، اسرار و مقاصدِ شریعت کی توضیح، آنے والے عقلی دور کی رعایت، تربیت و ارشاد، ہندوستان میں اسلامی اقتدار کی حفاظت، سیاسی تبدیلیوں اور ابھرتی ہوئی طاقتوں کا حقیقت پسندانہ جائزہ اور ان میں ملت کے تحفظ اور تشخص کے بقا کی ممکنہ تدبیریں، علوم اسلامیہ میں مجتہدانہ فکر و نظر، اور اس کی طبقۂ علماء کی طرف منتقلی کی کوششیں سب شامل تھیں، اس لئے مصنف کو اس میں اس مطالعہ و فکر و نظر کی ضرورت پیش آئی جو کم حصوں میں پیش آئی تھی، اسی کے ساتھ دوسری مصروفیتیں اور

---

[۱] مشکوٰۃ شریف۔

www.ahlehaq.org

ذمہ داریاں بھی عناں گیر رہیں، پھر بھی خدا کا شکر ہے کہ اس حصہ کی تکمیل میں وہ طویل وقفہ نہیں ہوا، جو اس سے پہلے دو حصوں کے درمیان عموماً پیش آتا تھا۔

مصنف اپنے اُن عزیز رفقائے کار و معاونین کا شکر گذار ہے، جنھوں نے مآخذ کی فراہمی، بعض طویل فارسی و عربی عبارتوں کے ترجمہ اور کتاب کی تسوید و تبییض اور نظر ثانی میں مدد کی، نیز مطبوعہ اور قلمی کتابوں اور ان کے اڈیشنوں کی تحقیق میں ان کی محنت اور کوشش شامل ہے، ان میں مولوی شمس تبریز خاں رفیق "مجلس تحقیقات و نشریات اسلام" مولانا محمد برہان الدین سنبھلی استاذ تفسیر و حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء، مولوی عتیق احمد صاحب مدرس دار العلوم ندوۃ العلماء، مولانا ابو العرفان صاحب ندوی استاد دار العلوم ندوۃ العلماء، مولوی سید محمد مرتضیٰ حسینی صاحب نقوی ناظر کتب خانہ ندوۃ العلماء اور مولوی محمد ہارون صاحب انچارج شعبۂ مخطوطات کتب خانہ ندوۃ العلماء، اور عزیزی مولوی نثار الحق ندوی خاص طور پر قابل ذکر و شکر ہیں، عزیز گرامی مولوی نور الحسن راشد صاحب کاندھلوی خاص طور پر شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے شاہ صاحبؒ کے خاندانی حالات و اخلاف کے سلسلہ میں بعض قیمتی معلومات فراہم کیں، اور بعض مآخذ کی نشاندہی کی، عزیزان مولوی غفران ندوی و مولوی غیاث الدین ندوی نے حسب سابق کتابت و طباعت کی تکمیل اور انڈکس کی تیاری میں پوری ذمہ داری اور انہماک کے ساتھ حصہ لیا، جزاھم اللّٰہ خیراً۔

آخر میں مصنف کی یہ دعا اور تمنا ہے کہ یہ حصہ کسی درجہ میں بھی (یہ تو کہنے کی جرأت نہیں کی جا سکتی کہ اس بلند و بالا شخصیت کے شایان شان ہو جس سے اس کا تعلق ہے) موضوع و مقصد کے لحاظ سے مفید، ہمت آفریں، فکر انگیز، مزید مطالعہ اور تحقیق کے لئے محرک اور سعی و جہد کے لئے شوق انگیز ہو کہ اس دورِ انقلاب اور اس عہد پُر فتن میں

www.ahlehaq.org

اس سے خاص طور پر رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔

وما ذلک علی اللہ بعزیز

ابوالحسن علی ندوی
[illegible]

۱۰ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ
۱۶ جنوری ۱۹۸۱ء
روز جمعہ

www.ahlehaq.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بابِ اوّل

عالمِ اسلام بارہویں صدی ہجری میں

بارہویں صدی کے اسلامی ممالک کے حالات اور انقلابات کے مطالعہ کی اہمیت

تاریخ دعوت و عزیمت کی جلد چہارم کے آغاز میں (جو مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی (۹۷۱ھ تا ۱۰۳۴ھ) کی سوانح حیات ان کے عہد اور ان کے عظیم تجدیدی و انقلابی کارنامہ کی تشریح و تفصیل کے ساتھ مخصوص ہے) دسویں صدی ہجری کے (جس میں حضرت کی ولادت ہوئی اور آپ کا ذہنی و علمی نشو و نما ہوا) تاریخی مطالعہ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے مصنف نے لکھا تھا:-

"ہم کو اس تاریخی حقیقت کو پیش نظر رکھنا ہوگا کہ ایک عہد اور اس عہد کی دنیا، اور انسانی معاشرہ ایک بہتے ہوئے دریا کی طرح ہوتا ہے جس کی ہر موج دوسری موج سے مربوط و متصل ہوتی ہے، اس لئے کوئی ملک خواہ وہ باقی دنیا سے کتنا ہی کٹا ہوا اور الگ تھلگ زندگی گذار رہا ہو، جس کی دنیا میں پیش آنے والے اہم واقعات، انقلابات، باہم نبرد آزما طاقتوں اور طاقتور تحریکوں سے کلیۃً غیر متاثر اور غیر متعلق نہیں رہ سکتا، خاص طور پر جب یہ واقعات و انقلابات اس کے ہم مذہب، ہم مسلک اور ہم عقیدہ پڑوسی ممالک میں پیش آئے ہوں، اس بنا پر اس تاریخی جائزہ کو ہندوستان کے دائرہ کے اندر محدود رکھنا درست نہیں ہوگا، ہم کو دسویں صدی ہجری کی پوری دنیائے اسلام اور خاص طور پر

www.ahlehaq.org

گرد و پیش کے مسلم ممالک پر بھی نظر ڈالنی ہوگی جن سے اگرچہ ہندوستان کے سیاسی
روابط نہ تھے لیکن دینی، تہذیبی اور علمی روابط تھے اور وہاں جو سرد و گرم ہوائیں
چلتی تھیں ان کے جھونکے بُعدِ مسافت کے باوجود ہندوستان تک بھی پہنچ جاتے تھے[1]

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ اور ان کے تجدیدی کارنامہ پر روشنی ڈالنے کے سلسلہ میں اس تاریخی حقیقت کو پیش نظر رکھنے اور اس اصول پر عمل کرنے کی اور بھی زیادہ ضرورت ہے کہ ان کی ذہنی و علمی تربیت میں حجاز مقدس کا بنیادی حصہ تھا، جہاں انھوں نے (۱۱۴۳ھ تا ۱۱۴۵ھ) ایک سال سے زیادہ[2] قیام فرمایا، اور اس وقت کے فن حدیث میں شیخ خلائق اور امام فن شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم کردی مدنی سے فن حدیث کی تکمیل کی جن کے حلقۂ درس میں بلاد و امصار کے طالبین حدیث مجتمع تھے اور علمائے حرمین سے (جو مختلف ممالک اسلامیہ اور عربیہ سے تعلق رکھتے تھے) ان کی طویل صحبتیں رہیں، اس وقت حجاز سلطنت عثمانیہ کی تولیت اور انتظام میں تھا، اور شرفائے مکہ سلاطین آل عثمان کے نائب کی حیثیت سے امارت کے منصب پر سرفراز تھے، حج کے علاوہ بھی (جو ہر سال عالم اسلام کے بہترین دل و دماغ اور شمع حرم کے پروانوں کو ایک جگہ جمع کر لیتا ہے) اس دور میں حرمین شریفین اور خاص طور پر مدینہ طیبہ علم حدیث کا سب سے بڑا مرکز بنا ہوا تھا، جہاں اس علم کے شائقین دنیا کے گوشہ گوشہ سے اکٹھا ہوتے تھے، وہاں بیٹھ کر پورے عالم اسلام کی روحانی، علمی، اخلاقی، تمدنی، معاشرتی اور سیاسی حالت کا جائزہ بآسانی لیا جا سکتا تھا، ان تمام حیثیتوں سے مختلف ممالک اسلامیہ و عربیہ کی ترقی و انحطاط اور عروج و زوال کا آسانی اندازہ کیا جا سکتا تھا، اور وہاں کی مختلف شخصیتوں، باکمال افراد، اصلاحی تحریکوں و دعوتوں اور

---

[1] "تاریخ دعوت و عزیمت" حصہ چہارم ص [illegible]   [2] شاہ صاحب ۱۱۴۳ھ کے آخر میں حجاز پہنچے تھے اور ۱۱۴۵ھ کے آغاز میں مراجعت فرمائی، شاہ صاحب نے دو حج کیے۔

www.ahlehaq.org

اختیار کر رہی تھیں، یا ان کوششوں اور سازشوں سے واقفیت حاصل کی جا سکتی تھی، بلکہ نظام اسلام کی بیخ کنی کی جا رہی تھی، اور قلب اسلام کی دھڑکنوں کو سنا جا سکتا تھا، اور شاہ ولی اللہ صاحب جیسے بیدار مغز اور دردمند دل رکھنے والے انسان نے جس کو تدبیر الٰہی تجدید و احیائے دین کے کار عظیم کے لئے تیار کر رہی تھی، اس سے ضرور فائدہ اٹھایا اور اثر لیا ہوگا، اور انھوں نے اس سے اپنے فکر و نظر کی توسیع اور اپنی دعوت اور فلسفہ کی آفاقیت میں پورا کام لیا ہوگا۔

مزید برآں ہند[illegible]ن صدیوں سے وسط ایشیا کی تورانی و افغانی نسل کے ترک تازوں کی جولان گاہ اور سیاسی و انتظامی حیثیت سے ان کے زیر اثر رہ چکا تھا، اور وقتاً فوقتاً اسکے نظم و نسق کے ڈھانچہ اور اس کی حکومتوں کے اجسام میں وہیں سے تازہ اور گرم خون آتا اور اس کے زوال انتظامیہ اور فوجی طاقت میں نئی توانائی اور زندگی پیدا کرتا تھا، اور جب ہندوستان میں مدت دراز سے حکومت کرنے والا خاندان پیری و ضعف کی منزل پر پہونچ جاتا، تو درۂ خیبر یا درۂ بولان کے راستے سے ایک تازہ دم عسکری طاقت ہندوستان میں قدم رکھتی، اور اس سلطنت و حکومت میں جس کا ایک ہی دین (اسلام)، ایک ہی مذہب (اہل سنت والجماعت)، ایک ہی آئین (شریعت محمدی)، ایک ہی زبان (ترکی و فارسی) اور ایک ہی تہذیب (عربی، ایرانی، ترکی، ہندوستانی اثرات کا آمیزہ) تھی، طاقت کا ایک نیا انجکشن دیتی اور اس کو زندگی کی ایک نئی قسط عطا کر دیتی۔

پھر اس حقیقت کو بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ بابر کے تسخیر ہند اور سلطنت مغلیہ کے قیام کے بعد سے افغانستان اور اس کے اہم ترین صوبے کابل و قندھار عظیم ہندوستانی سلطنت کا ایک حصہ اور اس کا بیرونی قلعہ و رباط رہا تھا، خود شاہ صاحب ہی کے عہد میں نادر شاہ ایران کی ہندوستان میں آمد اور دہلی پر حملہ ہوا، اور آپ ہی کے عہد میں وہ فاتح احمد شاہ ابدالی نے کئی بار ہندوستان کا رخ کیا اور بالآخر ۱۱۷۴ھ (۱۷۶۱ء) میں پانی پت کے

www.ahlehaq.org

میدان میں مرہٹوں کو شکست فاش دے کر واقعات کا دھارا اور تاریخ کا رُخ بدل دیا، اور سلطنتِ مغلیہ کو سنبھلنے اور ہندوستان کے مسلم معاشرہ اور طبقۂ امراء کو نیا کردار ادا کرنے کا موقعہ دیا جس کو وہ اپنی نااہلی سے ادا نہیں کر سکے، یہ سب واقعات نہ صرف شاہ صاحب کے عہد کے ہیں بلکہ آخر الذکر واقعہ میں ان کی رہنمائی شامل ہے[1]، یہ دونوں حملہ آور ایران و افغانستان سے تعلق رکھتے تھے، اس لئے شاہ صاحب کے عہد اور بارہویں صدی کے جائزہ میں ان دونوں کے حالات اور انقلابات سلطنت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

ہندوستان پر ایران کے ثقافتی و تہذیبی اثرات

پھر جس طرح ہندوستان پانچویں صدی ہجری سے سیاسی اور فوجی حیثیت سے ترکستان و افغانستان کے زیرِ اثر رہا ہے، اسی طرح وہ علمی، ادبی، ثقافتی، تہذیبی اور فکری حیثیت سے کم و بیش ایران کے زیرِ اثر رہا ہے، وہاں کا ادب و شاعری، تصوف کے سلاسل و طرق اور آخر میں وہاں کا نصاب درس اور طریقۂ تعلیم، اور وہاں کے علماء اور اساتذۂ فن کی تصنیفات ہندوستان کے ذہن و دماغ پر سایہ فگن رہی ہیں، بالخصوص ہمایوں کے ایران جانے اور وہاں کی مدد سے سلطنتِ ہندوستان کے دوبارہ حصول کے بعد سے، پھر دورِ اکبری میں امیر فتح اللہ شیرازی اور حکیم علی گیلانی کی آمد کے بعد سے ہندوستان اپنے نصاب، طریقۂ تعلیم، معیارِ فضیلت کے تعین اور معقولات و علوم حکمت کے میدان میں ایران کا کُلّیۃً خوشہ چیں بلکہ ریزہ گدار اور غاشیہ بردار بن گیا، اور اس سلسلہ میں حقیقتاً ایران کا ہندوستان پر "اقتدار اعلیٰ" قائم ہو گیا، اس حقیقت کے پیشِ نظر ہم اس تاریخی جائزہ میں ایران اور اس میں پیش آنے والے واقعات سے کسی طرح صرفِ نظر نہیں کر سکتے۔

---

[1] اس کی تفصیل بعد کے ابواب میں آئیگی۔

www.ahlehaq.org

سلطنتِ عثمانیہ کی عظمت و اہمیت

افغانستان و ایران کے پڑوسی ملکوں کے سوا ہم اس سلطنت عثمانیہ سے بھی (جس نے دسویں صدی کے اوائل سے خلافت کا منصب سنبھال رکھا تھا) آنکھیں نہیں بند کرسکتے جس کا مستقر اگرچہ جغرافیائی اعتبار سے ہندستان سے بہت دور یورپ اور ایشیا کے بیچ میں واقع تھا لیکن تقریباً تمام عربی ممالک (مصر، شام، عراق، یمن، نجد و حجاز اور شمالی افریقہ کا ایک بڑا حصہ) اس کے ماتحت تھے، حرمین و مقامات مقدسہ کے پاسبان و متولی ہونے، خلافت اسلامی کے حامل و امین، ایک بڑی طاقت اور شہنشاہی کی حیثیت سے بھی اور مغرب اور مخالف اسلام طاقتوں کی نگاہ میں اسلامی طاقت کا نشان اور بہت سے اسلامی مقامات کا محافظ و پاسبان ہونے کی بنا پر بھی تمام دنیا کے مسلمان اس کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے تھے، اور وہاں پیش آنے والے واقعات سے نہ صرف دلچسپی رکھتے تھے بلکہ اثر لیتے تھے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسا عالمی ذہن رکھنے والا انسان جس کی تاریخ اسلام پر گہری نظر تھی سلطنتِ عثمانیہ سے صرفِ نظر نہیں کرسکتا تھا، وہ خلافت کی شرعی حیثیت اور سیاسی و اجتماعی اہمیت کے رمز آشنا تھے، اور دین و اخلاق اور صالح معاشرہ اور صحت مند تمدّن و معیشت کے لئے آزاد حکومت و غیر فاسد سیاسی طاقت کو ضروری سمجھتے تھے اور مسلمانوں کو نہ صرف اپنے ملک بلکہ بساطِ عالم پر ایک مؤثر اور صاحب امر و نہی طاقت کے طور پر دیکھنے کے آرزومند تھے، وہ مسلمانوں کی سب سے بڑی سلطنت کے عروج و زوال اور اس کے داخلی سکون و انتشار کی طرف سے کیسے آنکھیں بند کرسکتے تھے، خصوصاً جبکہ وہ ایک سال سے زائد اس کے محبوب ترین اور معزز ترین و اہم حکومت حجاز میں کھلی ہوئی آنکھوں، بیدار دماغ اور حساس دل کے ساتھ قیام کرچکے تھے اور اس کے مقبوضات اور زیر انتظام ملکوں مصر و شام و عراق سے آنے والوں کی زبانی ان اثرات کا جائزہ لے چکے تھے جو سلاطین آل عثمان ان کے وزراء

www.ahlehaq.org

شیوخِ اسلام اور علمائے ترکی کے رجحانات و نفسیات کے تجزیہ میں ان ملکوں کے علمی و دینی حلقوں پر پڑتے تھے اس لئے ہمیں بارہویں صدی ہجری (اٹھارویں صدی عیسوی) میں سلطنتِ عثمانیہ، اس کے اپنے یورپ کے عیسائی مغربی ممالک سے تعلقات، شکست و ریخت، عزل و نصب اور سیاسی طاقت کے مد و جزر پر بھی ایک سرسری نگاہ ڈالنی ہوگی۔

عالمِ اسلام کی سیاسی حالت

ہم پہلے اس وقت کے عالمِ اسلام کی سیاسی حالت، حکومتوں کے انقلابات اور اہم حوادث پر نظر ڈالیں گے پھر عالمِ اسلام کا علمی، دینی، اخلاقی و روحانی جائزہ لیں گے۔

سلطنتِ عثمانیہ بارہویں صدی میں

شاہ صاحب ۱۱۱۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۷۶ھ میں انھوں نے وفات پائی۔ اس عرصہ (۶۲ سال) میں سلطنتِ عثمانیہ کے تخت پر پانچ سلاطین مصطفیٰ ثانی (م ۱۱۱۵ھ) احمد ثالث (م ۱۱۴۳ھ) محمود اول (م ۱۱۶۸ھ) عثمان ثالث (م ۱۱۷۱ھ) اور مصطفیٰ ثالث (۱۱۷۱ھ-۱۱۸۷ھ) آئے اور گئے۔

شاہ صاحب کے زمانۂ شعور اور فکر و عمل میں احمد ثالث، محمود اول، عثمان ثالث اور مصطفیٰ ثالث نے عثمانی سلطنت و خلافت سنبھالی لیکن اہم مدت (شاہ صاحب کے آخری پانچ سال کا زمانہ) مصطفیٰ ثالث کے عہد میں گذری۔

مصطفیٰ ثالث نے سولہ برس تک حکومت کی، ان کے زمانہ میں سلطنتِ عثمانیہ اور روس کے درمیان جنگ چھڑی، سلطنتِ عثمانیہ کو اس جنگ (۱۱۸۲ھ) میں شکست ہوئی جس میں بیڑے کا کافی

www.ahlehaq.org

کارنامہ نہ تھا، بعض حوادث اور انتظامات کی کمی کو دخل تھا۔[1] الفنسٹن روسی جنرل نے قسطنطنیہ پر بھی حملہ کا ارادہ کیا، لیکن اس کو باز رکھا گیا، مصطفےٰ خاں نے فوج کی تقویت اور عسکری اصلاحات کی طرف بھی قدم اٹھایا اور کچھ فوجی کامیابیاں بھی حاصل کیں، روس نے صلح کے لئے کچھ شرطیں پیش کیں، جو توہین آمیز تھیں، بخارسٹ میں ۱۳ر شعبان ۱۱۸۶ھ (شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی وفات کے دس سال بعد) ۹ر نومبر ۱۷۷۲ء میں کانفرنس ہوئی جس میں کچھ شرطیں پیش کی گئیں، سلطنت عثمانیہ نے ان کو ٹھکرا دیا، اور ترکی افواج کو جنگ شروع کرنے کا حکم دیا، جنگ کے نتیجہ میں روس کو شکست فاش ہوئی، روسیوں کی مرعوبیت کا یہ حال تھا کہ عثمانی افواج جب بازارجق (اب جو TOBULKHIN کہلاتا ہے) سے گذریں تو شہر کی پوری آبادی شہر چھوڑ کر چلی گئی، مؤرخ ہمر (HAMMER) لکھتا ہے کہ "عثمانیوں نے آگ پر چڑھی ہوئی ہانڈیاں پائیں جن میں گوشت تھا" ۸ر ذی قعدہ ۱۱۸۷ھ (۲۱ر جنوری ۱۷۷۴ء) کو سلطان مصطفےٰ ثالث نے وفات پائی، مؤرخین اس کے عدل اور امور خیر کی خواہش و کوشش کی تعریف کرتے ہیں، اس نے اپنے زمانہ میں بہت سے مدارس اور خانقاہیں قائم کیں۔[2]

شاہ صاحبؒ کا عہدِ شباب تھا کہ سلطنت عثمانیہ میں مطبعوں کا رواج ہوا، اور پہلا مطبعہ قسطنطنیہ میں قائم ہوا، اسی عہد میں نجد و حجاز میں شیخ محمد بن عبد الوہاب (۱۱۱۵ھ۔ ۱۲۰۶ھ) کی تحریک نے فروغ پایا، جس نے عثمانی سلطنت کے[3]

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیۃ" از محمد فرید بک المحامی۔ طبع بیروت

[2] "تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیۃ" صفحہ ۳۳۹-۳۴۰

[3] عہد میں سعود بن عبد العزیز (۱۱۶۳ھ تا ۱۲۲۹ھ) امیر نجد نے اسی دعوت مجاہدانہ جوش اور فوجی تنظیم کی طاقت سے ۱۲۱۸ھ میں حجاز اور جزیرۃ العرب کے بڑے حصہ پر قبضہ کر لیا، ۱۲۳۳ھ میں خدیو محمد علی والی مصر کی کوشش سے اس حصہ پر دوبارہ ترکی سلطنت کا مکمل قبضہ ہوا، نجدی امیر عبد اللہ بن سعود بن عبد العزیز قسطنطنیہ بھیج دیئے گئے، جہاں وہ قتل کر دیئے گئے۔

www.ahlehaq.org

زمانہ میں علی بے (الملقب بہ شیخ البلد) مصر کی حکومت وانتظامات پر پورے طور پر حاوی ہو گئے، انھوں نے روسی جنرل کے ساتھ جو بحر روم پر متعین تھا سازش کر لی اور شرط کی کہ وہ ذخائر اور اسلحہ سے ان کی مدد کرے گا، تاکہ مصر خود مختار ہو جائے، اس کی مدد سے علی بے غزہ، نابلس، قدس، یافہ اور دمشق پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوا، وہ اناطولیہ کے حدود کی طرف رخ کرنے کی تیاری کر رہا تھا کہ مملوک سرداروں میں سے ایک سردار محمد بے مشہور بابی الذہب نے اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، جس کی وجہ سے علی بے کو مصر واپس آنا پڑا، اور اس نے شکست کھائی، اس اندرونی جنگ اور انتشار کے نتیجہ میں بیروت پر روسی جہازوں نے آتش باری کی جس سے تین سو کے قریب مکانات برباد ہو گئے، مصر میں محرم ۱۱۸۶ھ میں علی بے اور محمد بے کی فوجوں کا مقابلہ ہوا، ابوالذہب کامیاب ہوا، اور علی بے گرفتار ہوا، اور زخمی حالت میں اس نے انتقال کیا، اس کا سر کاٹ کر چار روسی افسروں کے ساتھ عثمانی گورنر خلیل پاشا کے پاس بھیج دیا گیا، جس نے ان کو قسطنطنیہ روانہ کر دیا، اور مصر دوبارہ سلطنت عثمانیہ کے مکمل قبضہ میں آ گیا۔

حجاز کی صورت حال

شاہ صاحبؒ نے جب حجاز کا سفر کیا، اور حرمین شریفین میں طویل قیام فرمایا، تو اس وقت سلطان محمود اول (۱۱۴۳ھ - ۱۱۶۸ھ) کی سلطنت وخلافت کا زمانہ تھا، اس وقت حجاز میں سلطنت عثمانیہ کے نائب ونمائندہ امیر حجاز (جو شریف مکہ کہلاتے تھے) محمد بن عبد اللہ بن سعید[۱] بن زید بن محسن الحسنی (م ۱۱۶۹ھ) والی حجاز تھے، جو اپنے والد کی وفات پر ۱۱۴۳ھ میں امارت حجاز

---

[۱] بعض کتابوں میں ان کا نام محمد بن عبد اللہ بھی آیا ہے، شاید لفظی مماثلت سے بچنے کے لیے ادباً ایسا کیا گیا۔

www.ahlehaq.org

پر متمکن ہوئے[1] ان کا زمانہ خانہ جنگیوں اور امارت کے لیے خاندانی کشمکش کا زمانہ تھا۔ ۱۱۳۲ھ میں یا ان کے چچا مسعود بن سعید نے ان کو ہٹا کر امارت حجاز پر قبضہ کر لیا لیکن ۱۱۳۵ھ میں انھوں نے دوبارہ یہ منصب حاصل کیا لیکن پھر چچا نے ان کو معزول کر دیا اور ۱۱۴۶ھ تک بقید حیات رہے اس پر قابض و متصرف رہے۔ ان کے زمانہ میں حجاز میں سکون اور امن و امان قائم رہا۔ مورخین ان کو بیدار مغز اور سیاسی سوجھ بوجھ کا آدمی بتاتے ہیں[2]۔

بارھویں صدی کے اس عہد وسطیٰ میں راستوں کی بدامنی، بدوؤں کی غارت گری، اور بد انتظامی کی شکایت تاریخ کی کتابوں اور حج کے سفرناموں میں عام طور پر ملتی ہے۔ جو سلطنت کے مرکز (قسطنطنیہ) کی دوری، ترکوں کی حجاز کے اندرونی معاملات میں امکانی حد تک دخل دینے سے احتراز کی پالیسی اور شرفائے مکہ کے (جو شجرۂ النسب حسنی سادات میں سے تھے) معاملہ میں ضرورت سے زیادہ لحاظ و مروت، عربوں کے معاملہ میں غلو کی حد تک احترام و عقیدت، اور ان کی تقلید و تبعیت

[1] امرائے مکہ کا (جو حسنی سادات میں سے منتخب ہوتے تھے اعلان کی وجہ سے ان کو شریف مکہ کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا) سلسلہ چوتھی صدی ہجری کے ثلث اول سے شروع ہو گیا تھا پہلے شریف مکہ کا تقرر عباسی خلیفہ المطیع للہ (۳۳۴ھ تا ۳۶۳ھ) کے عہد میں ہوا۔ سلطان سلیم کے تمام مصر پر قبضہ اور حرمین شریفین کو اپنی تولیت و انتظام میں لینے کے وقت تک شرفائے مکہ کا تقرر مصر کے ملوک خاندان کے فرمانرواؤں کی طرف سے ہوتا تھا۔ سلطان سلیم نے اس وقت کے شریف مکہ السید برکات السلطان کے فرزند سید ابو نمی کو اپنے منصب پر برقرار رکھا اور وہ بدستور امیر مکہ رہے۔ اس کے بعد سے یہ سلسلہ شریف حسین کی امارت تک جاری رہا، جنھوں نے (جون ۱۹۱۶ء) شعبان ۱۳۳۴ھ میں عثمانیوں کے خلاف بغاوت کی اور جمادی الاخریٰ ۱۳۴۳ھ میں سلطان ابن سعود کے قبضہ کے بعد حجاز سے بے دخل ہوئے۔ [2] الاعلام ج ۵ ص ۱۲۱-۱۲۲ (بحوالہ خلاصۃ الکلام و عنوان المجد) و تنزیل شفاء الغرام بأخبار البلد الحرام ج ۲ ص ۲۲۸-۲۲۹ باب ولاۃ مکۃ

www.ahlehaq.org

چشم پوشی کی سیاست' پھر مزید برآں امارت حجاز کے موروثی اور ایک ہی خاندان میں محدود ہونے کا قدرتی نتیجہ تھا' یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ شاہ صاحبؒ نے ان غیر اطمینان بخش حالات' منصب امارت کے لئے رقیبانہ و حریفانہ کشمکش اور نظم و نسق کی کمزوری کو اپنی چشم بصیرت سے دیکھا بھی ہوگا، اور دینی حمیت سے معمور قلب نے محسوس بھی کیا ہوگا، چچا بھتیجہ کی منصب امارت کے لئے معرکہ آرائی جو ۱۱۴۳ھ میں پیش آئی عجب نہیں کہ ان کے زمانہ قیام میں ہوئی ہو اور انھوں نے اس کے دور رس نتائج اور اخلاقی زوال کے شواہد اخذ کئے ہوں۔

یمن

یمن میں بھی تقریباً اسی طرح کا نظام نافذ تھا کہ سیاسی و خارجہ پالیسی کے اعتبار سے سلطنت عثمانیہ کے ماتحت' اور والی ترکی (گورنر) کے جو سلطنت کی طرف سے متعین کیا جاتا تھا، موجود ہونے کے ساتھ وہاں امارت کا نظام نافذ تھا جو یمن میں تیسری صدی ہجری کے وسط سے چلا آرہا تھا، اور جس پر نسباً سادات اور مذہباً زیدی[1] حضرات فائز ہوتے تھے' اہل یمن ان کے

---

[1] علامہ محمد ابوزہرہ نے اپنی کتاب "تاریخ المذاھب الإسلامیة" میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ زیدی شیعہ فرقوں میں اہل سنت والجماعت سے قریب تر اور معتدل ہیں' انھوں نے ائمہ کو مرتبۂ نبوت تک نہیں پہونچایا' رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد صرف ان کی افضلیت کے قائل ہیں' وہ صحابہؓ کی تکفیر نہیں کرتے' ان کا یہ بھی خیال ہے کہ جس امام کی آپؐ نے وصیت فرمائی تھی، اس کی تعیین نام و شخصیت سے نہیں کی تھی' بلکہ اوصاف بیان کئے تھے' جو حضرت علیؓ پر منطبق ہوتے ہیں' علامہ ابوزہرہ کی تحقیق ہے کہ اس فرقہ کے بانی امام زید ابن امام زین العابدین' شیخین (حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ) کی امامت کے قائل تھے' اور ان کی خلافت کو صحیح مانتے تھے (ص ۴۷-۴۹)

www.ahlehaq.org

ہاتھ پر خلافت کی بیعت کرتے تھے، اور وہ امام کہلاتے تھے، جو اس منصب پر فائز ہو اس کا درجۂ اجتہاد تک پہونچا ہوا ہونا، اور اپنے مذہب کا مسلّم و متبحر عالم ہونا مفروغ عنہ سمجھا جاتا تھا، یمن سلطان سلیمان قانونی ابن یاؤز سلیم کے زمانۂ حکومت میں سلطنت عثمانیہ میں شامل ہوا، اس وقت ائمۂ یمن کے فرزند و جانشین السید المطہر (ابن الامام شرف الدین (م ۹۶۵ھ) حاکم و امام یمن تھے، ترکی حاکم اور قائد سنان پاشا اور ان کے درمیان جنگ ہوئی، اور یمن سلطنت عثمانیہ کے زیر نگین ہو گیا[1]، لیکن ترکوں نے حجاز کی طرح یہاں بھی امارت کا نظام قائم رکھا، اور ایک طرح کی داخلی خود مختاری دے دی، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ جب حجاز میں تھے تو اس وقت یمن میں الامام المنصور باللہ الحسین بن المتوکل علی اللہ قاسم بن حسین امام یمن تھے، ان کا عہد امامت و حکومت ۱۱۳۹ھ سے ۱۱۶۱ھ تک قائم رہا، مذہب زیدی کی حکومت اور فروغ کے باوجود رعایا زیادہ تر سُنّی اور مذہباً شافعی تھی، یمن بارہویں اور تیرہویں صدی میں علم حدیث کا اہم مرکز رہا ہے، جہاں بارہویں صدی میں محمد بن اسماعیل الامیر (م ۱۱۸۲ھ) صاحب سبل السلامؒ، اور تیرہویں صدی میں علامہ محمد بن علی الشوکانی (م ۱۲۵۵ھ) صاحب نیل الاوطار پیدا ہوئے، حجاز کے قیام میں شاہ صاحبؒ قرب مکانی اور روابط علمی کی بناء پر علمائے یمن کی تصنیفات اور ان کی محدثانہ خدمات سے ضرور واقف ہوں گے۔

ایران

ایران میں خاندانِ صفوی کی سلطنت پر دو صدیاں گذر چکی تھیں، اور قانونِ قدرت

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "البرق الیمانی فی الفتح العثمانی" از علامہ قطب الدین نہروالی (مکی) حنفی

www.ahlehaq.org

کے مطابق اس پر پیری و اضمحلال کا وہ دور آگیا تھا جو فلسفی مؤرخ ابن خلدون کے بقول آ جانے کے بعد جانے کا نام نہیں لیتا "ان الھرم اذا نزل بدولۃ لا یرتفع"[۱] اس حالت کو دیکھ کر ہمسایہ ملک افغانستان نے فائدہ اٹھایا، اور اپنے حوصلہ مند حکمران محمود خاں غلزئی کی قیادت میں ۱۱۳۴ھ میں ایران پر حملہ کیا اور اصفہان کو فتح کر لیا، حسین شاہ گرفتار ہوا، افغانوں نے باقی ملک کو بھی فتح کرنے کا ارادہ کیا، لیکن ان کی تعداد اس قدر نہ تھی کہ پورے ملک کو اپنے قبضہ میں رکھ سکتے، محمود خاں تین سال سلطنت کرنے کے بعد ۱۱۳۷ھ/۱۷۲۴ء میں راہیِ ملکِ بقا ہوا، اس کے جانشین اشرف خاں کے زمانہ میں ملک میں بدنظمی پھیل گئی، اس وقت روس کے فرمانروا پیٹر اعظم نے ایران کے شمالی اضلاع پر حملہ کیا، صلح کے نتیجہ میں ایران کو اپنے بہت سے زرخیز اور اہم اضلاع سے دستبردار ہونا پڑا، شاہِ ایران قید میں تھا، خوش قسمتی سے اس کے شاہزادہ طہماسپ کو ایک لائق صاحبِ عزم و نظم قائد مل گیا، جو خاندانی طور پر معمولی حیثیت کا مالک ہونے کے باوجود اپنی صلاحیتوں کی بناء پر اس گروہ میں شامل تھا، جو نئی سلطنتوں کی بنیاد رکھتے ہیں، یہ نادر شاہ افشار تھا۔

نادر شاہ افشار

نادر نے طہماسپ کو اس کے آبائی تخت پر بٹھا دیا، دولتِ صفویہ زوال سے دوچار تھی، اور اس کے دوبارہ عروج کے آثار نہ تھے، سارے ملک میں انتشار اور بے اعتمادی پھیلی ہوئی تھی، نادر نے اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھا کر ایک نئی عسکری طاقت کی تنظیم کی، اس کی حوصلہ مندی اور مردانگی نے ایرانیوں میں ایک نئی روح پھونک دی، وہ آندھی پانی کی طرح اٹھا اور سارے ملک پر چھا گیا، اس نے ۱۱۴۲ھ/۱۷۳۰ء میں افغانوں کو ایران سے بالکل بے دخل کر دیا، ۱۱۴۶ھ/۱۷۳۳ء میں اس نے

---

[۱] جب کسی سلطنت پر بڑھاپے کا دور آتا ہے تو پھر اس کی جوانی واپس نہیں آتی۔ (مقدمہ ابن خلدون)

www.ahlehaq.org

روسیوں کو بحیرۂ خزر (CASPIAN SEA) پر روک کر باعزت اور خودارانہ صلح کی، اہل عرب کو ملک کے مغربی حدود پر روک دیا، سلطان روم کو شمال سے پسپا ہونے پر مجبور کیا، اور قدیم سلطنت ایران کے صوبے غیر ملکیوں سے واپس لئے، ۱۱۳۸ھ/۱۷۲۵ء میں ایران کی سلطنت کو ایسی وسعت حاصل ہوگئی کہ اس کی سرحدیں اپنی قدیمی صورت پر واپس آگئیں اور ۱۱۵۰ھ/۱۷۳۶ء میں خاندان صفویہ کا خاتمہ ہوگیا، نادر شاہ افشار اس وقت ایران کا واحد تاجدار تھا۔[۱]

انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم کے مصنف کے بیان کے مطابق نادر نے تخت سلطنت اس شرط پر قبول کیا تھا کہ ایرانی شیعیت سے دستبردار ہو جائیں، وہ خود نسلاً ترک اور مذہباً سنی تھا لیکن ایرانیوں سے سنیت قبول کرانے میں وہ کامیاب نہ ہو سکا، اس کے جرنیلوں نے ۱۷۳۶ء میں بلوچستان اور بلخ لئے، ۱۷۳۸ء میں قندھار پر قبضہ کیا، وہاں سے تسخیر ہند کے لئے روانہ ہو کر کابل پشاور اور لاہور کو تسخیر کیا، ۱۷۳۹ء میں دہلی کے قریب کرنال میں مغل شاہنشاہ کی بہت بڑی فوج کو شکست دی، دہلی پر قبضہ کیا اور وہاں خوفناک قتل عام کرایا،[۲] نادر نے مغل بادشاہ سے تخت نہیں لیا مگر پچاس کروڑ ڈالر کا تاوان وصول کیا، نیز دریائے سندھ کے شمال و غرب میں جتنے علاقے تھے اپنی سلطنت میں شامل کر لئے، بخارا و خوارزم (خیوہ) کی (۱۷۴۰ء میں) تسخیر عمل میں آئی، یہ اس کے مقبوضات میں وسعت کی آخری حد تھی، اور یہیں سے اس کی زندگی میں انقلاب شروع ہوا، وہ بلاشبہ بہت بڑا سالار تھا لیکن حقیقی تدبر جانتا تھا اور نہ اس میں کوئی انتظامی قابلیت تھی، شیعیت کو ختم کرنے کے لئے اس کی کوششوں[۳] کا نتیجہ یہ ہوا کہ بے چینی بڑھنے لگی، اور اسے دبانے کے لئے وہ ظلم و جبر سے

لہ ملخص از کتب تاریخ ایران و ہندوستان۔ گہ ان واقعات کی تفصیل بعد کے صفحات میں دیکھی جائے۔
گہ مغربی مورخین اور بعض مسلمان مصنفین کے اس بیان میں کہ نادر شاہ نے ایران سے شیعیت کے خاتمہ کی سنجیدہ اور باعزم کوشش کی اور یہ کہ وہ اصلاً سنی تھا اس شبہ کی گنجائش ہے کہ عقیدہ کی تبدیلی کا معاملہ تھا یا سیاسی تدبیر؟ دہلی پر حملہ اور قتل عام کے دوران نادر شاہ کی باتوں سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ مذہباً سنی ہے اور ایران کو سنیت کے جھنڈے کے نیچے لانا چاہتا ہے

www.ahlehaq.org

کام لینے کا عادی بن گیا، انجام کار اس نے اپنے گرانقدر مقصوں اور جابرانہ تحصیلات سے ملک کو تباہ کر ڈالا ۱۱۶۰ھ میں نادر شاہ اپنے ہی قبیلے کے ایک آدمی کے ہاتھ سے مارا گیا۔[1]

ایران نادر شاہ کی وفات کے بعد

نادر شاہ کی موت کے بعد ایران میں ابتری پھیل گئی، اور طوائف الملوکی کا دور دورہ ہوا اس کی فوج کے سالار اپنی اپنی سلطنت کے قیام کا خواب دیکھنے لگے اس کی وفات کے بعد اس کا بھتیجہ علی قلی عادل شاہ (۱۱۶۰ھ اور ۱۷۴۷ء) تخت نشین ہوا اس نے اپنے خاندان کو قتل کروا دیا صرف شہزادہ شاہ رخ مرزا بچا جس کی عمر اس وقت چودہ برس تھی، عادل شاہ ایک سال کے اندر اندر اپنے بھائی ابراہیم کے ہاتھوں معزول ہوا، اور اندھا کر دیا گیا، لیکن ابراہیم کی فوج میں بغاوت ہو گئی، فوجی افسروں نے اس کو شکست دے کر قید پھر قتل کر دیا، اس کے بعد عادل شاہ کو بھی قتل کر دیا گیا، اس کے بعد زند خاندان ایران پر غالب آیا، اور کریم خاں زند (۱۱۶۳ھ ۱۷۵۰ء – ۱۱۹۳ھ ۱۷۷۹ء) نے اتیس برس تک ایران پر حکومت کی، اس نے شیراز کو اپنا پایہ تخت بنایا، وہ انصاف اور رحم دلی کی صفات سے متصف تھا، اس نے ایران کو خونریز جنگوں کے بعد سکون و آرام کا موقعہ دیا، اس لئے اس کی موت پر بڑا سوگ منایا گیا، متعدد کمزور جانشینوں کے بعد لطف علی کے عہد میں خاندان زند کا زوال مکمل ہو گیا، لطف علی ۱۲۰۹ھ ۱۷۹۴ء میں قتل ہوا، اور ایران کا تخت خاندان قاچار کے لئے خالی ہوا، چونکہ یہ عہد شاہ صاحب کے بعد کا ہے اس لئے ہم اس سے تعرض نہیں کرتے۔

---

[1] انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم جلد اول تالیف ولیم ایل لینگر، ترجمہ و تہذیب مولانا غلام رسول مہر۔

www.ahlehaq.org

افغانستان اور احمد شاہ ابدالی

اٹھارویں صدی سے پیشتر افغانستان کا ایک حصہ ایران کے ماتحت تھا، دوسرا ہندوستان کے ماتحت اور تیسرے حصہ پر بخارا کے خوانین حکمران تھے۔ ۱۷۰۹ء میں قندھار آزاد و خود مختار ہو گیا۔ ۱۷۳۸ء میں نادر شاہ نے افغانوں کو قندھار کی حکومت سے بے دخل کیا، اور افغانستان نیز مغربی ہند پر قبضہ کر لیا۔

اس وقت ایک شخص احمد خان نامی جنگی قیدی کی حیثیت سے اس کے پاس لایا گیا، نادر شاہ اس سے بہت متاثر ہوا اور اس کو اپنے ذاتی خدمت گاروں میں شامل کر لیا، احمد خان برابر ترقی کرتا گیا، اور بادشاہ کا اعتماد اس نے بیش از بیش حاصل کیا، نادر کے قتل پر اس نے افغانی صوبوں کی عنان حکومت سنبھال لی، وہ ابدالی قبیلہ کے دُرّانی (سدوزئی) شاخ سے تعلق رکھتا تھا، اس نے دُرِّ دوراں کا لقب اختیار کیا، اور اسی نسبت سے اس کا خاندان دُرّانی کہلایا۔

احمد شاہ نے دُرّانی خاندان کی حکومت اور دُرّانی سلطنت کی بنیاد رکھی، اس کی وفات پر افغانی سلطنت مشرقی ایران (مشہد) پورے افغانستان، مکمل بلوچستان اور مشرقی سمت میں کشمیر اور پنجاب پر مشتمل تھی، وہ حقیقتاً اٹھارویں صدی کے وسط کے عظیم بانیانِ سلطنت، آزمودہ کار اور عالی ہمت سپہ سالاروں، اور خدا ترس و کریم النفس حکمرانوں میں شامل کئے جانے کے قابل اور بحیثیت مجموعی ماحول، ابتدائی زندگی اور بے سروسامانی کو سامنے رکھتے ہوئے عبقری (GENIUS) شخصیتوں میں شمار کئے جانے کا مستحق ہے۔ ۱۷۴۷ء سے ۱۷۷۳ء تک اس نے محمود غزنوی کی طرح ہندوستان کو اپنی ترکتازیوں کا میدان بنایا، اس کے تدبر

www.ahlehaq.org

عسکری صلاحیت، مذہبیت، علم دوستی اور شرافتِ نفس کا اعتراف اس کے متعدد نامور معاصرین نے کیا ہے، اس نے عرصۂ دراز کے بعد افغان علاقہ کو جو اس وقت چھوٹی چھوٹی اکائیوں پر منقسم تھا، ایک مضبوط طاقت میں منسلک کر کے ایک بڑی اور مضبوط اکائی میں تبدیل کر دیا۔[1]

افغانستان، احمد شاہ ابدالی کے بعد

احمد شاہ ابدالی نے ۱۱۸۶ھ (۲۳ اکتوبر ۱۷۷۲ء) کو قندھار میں وفات پائی، افسوس ہے کہ عالمگیر اعظم کی طرح اس کے جانشین بھی کمزور نا اہل نکلے (اور یہ المیہ اکثر عظیم بانیانِ سلطنت اور کامیاب فاتحین و حکمرانوں کے ساتھ پیش آیا ہے) تیمور شاہ کو جو اس کا جانشین اور اس زرخیز اور عظیم سلطنت کا وارث ہوا، اپنے نامور اور صاحب عزم باپ سے کوئی نسبت نہ تھی، بیس سال کمزوری کے ساتھ سلطنت کرنے کے بعد جس میں اس جواں سال سلطنت کے اندر زوال کے آثار نمایاں ہو چکے تھے ۱۷۹۳ء میں اس نے انتقال کیا، اس کے فرزند محمود کی بادشاہی کے زمانہ ہی میں سلطنت بارک زئی خاندان میں منتقل ہو گئی[2] جو انقلاب افغانستان ۱۹۷۳ء تک افغانستان میں حکمراں رہا۔[3]

عالم اسلام کی علمی و دینی حالت

عالم اسلام کا سیاسی و انتظامی جائزہ لینے کے بعد اب ہم اس کا علمی و دینی جائزہ

۱۔ مزید تفصیل باب نہم میں احمد شاہ ابدالی کے تذکرہ میں آئیگی۔ ۲۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سیرت سید احمد شہید حصہ اول درانی خاندان کا زوال اور اس کے اسباب ص ۲۲۰–۲۲۳ ۳۔ اسی خاندان کے حکمرانوں سے حضرت سید احمد شہید اور ان کے رفقاء کو سابقہ پڑا، اور اسی کی آخری شاخ ظاہر شاہ پر ۱۹۷۳ء میں ختم ہوئی۔

www.ahlehaq.org

لیتے ہیں کہ اس کا شاہ صاحب کی زندگی، ان کے موضوع و ذوق اور ان کے کارِ تجدید و اصلاح سے قریبی تعلق ہے۔

بارہویں صدی کے اہلِ کمال

مسلمانوں کی علمی و فکری تاریخ، اور ان کی تصنیفی و تحقیقی سرگرمیوں کی طویل روداد کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی علمی و فکری زندگی و نشاط، اور ان کی تصنیفی و تحقیقی سرگرمیاں سیاسی عروج اور سلطنتوں کی ترقی و فتوحات سے مربوط و وابستہ نہیں رہی ہیں، جیسا کہ اکثر غیر مسلم اقوام و ملل کی تاریخ میں نظر آتا ہے کہ ان کے سیاسی زوال، انقلابِ سلطنت اور بدنظمی و انتشار کے ساتھ ان کو علمی زوال اور قحط الرجال سے بھی واسطہ پڑتا ہے، سلطنتوں کی ہمت افزائی و سرپرستی، اور قوموں میں خود اعتمادی و احساسِ برتری کے فقدان کے ساتھ ان کے ذہن و فکر کے سوتے خشک، مسابقت کا جذبہ سرد، اور محرکاتِ عمل کمزور پڑ جاتے ہیں۔

مسلمانوں کا معاملہ اس سے مختلف ہے، بارہا ان کے سیاسی زوال اور اندرونی انتشار کے زمانہ میں ایسے ممتاز اہلِ کمال پیدا ہوئے، جو دورِ زوال و انحطاط کی پیداوار نہیں معلوم ہوتے، ساتویں صدی کے آخر میں سقوطِ بغداد، اور تاتاریوں کے ان حملوں کے بعد جنھوں نے مشرقی دنیائے اسلام کو زیروزبر کر دیا تھا، اور ان ممالک میں خاک اڑ گئی تھی جو صدیوں سے علم کا مرکز چلے آ رہے تھے، آٹھویں صدی کے اوائل ہی میں شیخ الاسلام تقی الدین ابن دقیق العید (م ۷۰۲ھ) جیسے محدث علامہ علاء الدین الباجی (م ۷۱۴ھ) جیسے اصولی و متکلم، شیخ الاسلام ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) جیسے امام و مجتہد، علامہ شمس الدین الذہبی (م ۷۴۸ھ) جیسے محدث و مؤرخ، اور علامہ ابوحیان نحوی (م ۷۴۵ھ) جیسے ماہرِ فن علماء نظر آتے ہیں۔

www.ahlehaq.org

اس کی وجہ یہ ہے کہ علوم دینیہ میں کمال پیدا کرنے اور ان کی خدمت و اشاعت کے محرکات اس امت کے اندرون اور باطن میں پائے جاتے ہیں نہ کہ بیرون (حکومتوں کی سرپرستی و قدردانی) میں اور وہ محرکات ہیں رضائے الٰہی کا حصول، نیابتِ انبیاء کے فرض کی ادائیگی اور دین کی حفاظت کی ذمہ داری کا احساس اس لئے یہ عہد اگرچہ عمومی طور پر سیاسی انتشار کا عہد ہے، اور بڑی بڑی مسلم حکومتوں حتیٰ کہ سلطنت عثمانیہ کے زوال کے آثار شروع ہو گئے تھے، ملکوں یہاں تک کہ مرکز اسلام حجاز تک میں حکومت و امارت کے حصول کے لئے باہمی کشمکش اور نبرد آزمائی تھی، لیکن مصر، شام، عراق، حجاز و یمن، ایران و ہندوستان میں ہر جگہ علماء درس و تدریس میں مشغول علمی ذوق رکھنے والے تصنیف و تالیف میں سرگرم اور مشائخ طریقت تزکیۂ نفس و اصلاح باطن میں منہمک اور کمالات روحانی اور ترقیات باطنی سے آراستہ و متصف تھے اور ان میں سے بعض بعض نے ایسا امتیاز پیدا کیا تھا کہ اس کی نظیر ماضی قریب میں بھی دور تک نہیں ملتی۔

فن حدیث کو لیجئے تو اس میں علامہ ابوالحسن السندی الکبیر (م ۱۱۳۸ھ) جیسے محدث نظر آتے ہیں جنھوں نے مدت تک حرم شریف میں حدیث کا درس دیا اصحاح ستہ پر ان کے حواشی الحواشی الستہ کے نام سے مشہور ہیں، مولانا محمد حیات سندی (م ۱۱۶۳ھ) بھی اسی عہد کی زیب و زینت ہیں، شام میں شیخ اسماعیل العجلونی المشہور بالجراحی (م ۱۱۶۲ھ) پایہ کے محدث تھے ان کی کتاب "کشف الخفاء و مزیل الالباس، عما اشتھر من الأحادیث علی ألسنۃ الناس" (ج ۱-۲) بڑی مفید اور جامع کتاب ہے، جو ضعیف و موضوع احادیث کا غالباً سب سے بڑا مجموعہ ہے[1] کتاب سے ان کی وسعت نظر اور انصاف کا اندازہ ہوتا ہے، ضعیف و موضوع احادیث کے علاوہ وہ حدیثیں بھی ہیں جو زبان زد خلائق ہیں اور ان کی تخریج عام طور پر معلوم نہیں۔

---

[1] یہ کتاب مکتبۃ التراث الاسلامی حلب نے شائع کی ہے۔

www.ahlehaq.org

تدریس حدیث کا بڑا مرکز حرمین شریفین تھے جہاں شیخ ابو الطاہر الکورانی الکردی، و شیخ حسن العجیمی درس دیتے تھے، یمن میں سلیمان بن یحییٰ الاہدل (م ۱۱۹۷ھ) دیار یمن کے محدث جلیل اور اپنے عہد کے بڑے خادم و ناشر حدیث تھے، محمد بن احمد السفارینی (م ۱۱۸۸ھ) حدیث اور اصول کے بڑے عالم اور "الدرر المصنوعات فی الاحادیث الموضوعات" کے مصنف تھے، یمن میں الامیر محمد بن اسماعیل الحسنی الصنعانی (م ۱۱۸۲ھ) جلیل القدر محدث و محقق تھے جن کی یادگار بلوغ المرام کی مشہور شرح "سبل السلام" اور "تنقیح الانظار" کی شرح "توضیح الافکار" ہے، اسی صدی میں علامہ محمد سعید السنبل (م ۱۱۷۵ھ) کا نام نظر آتا ہے جن کے "اوائل کتب حدیث"[۱] پر شیوخ حدیث کی اجازت حدیث کا اکثر و بیشتر اعتماد و انحصار ہے، مورخین نے علامہ محمد بن عبد الباقی الزرقانی (م ۱۱۲۲ھ) کو "خاتمۃ المحدثین بالدیار المصریۃ" لکھا ہے[۲]۔

علمی تبحر، کثرت تدریس و افادہ و کثرت تصنیف و تالیف کے لحاظ سے شیخ عبد الغنی النابلسی (م ۱۱۴۳ھ) اس عہد میں نمایاں ہیں، جن کے تلامذہ اور مسترشدین کثرت سے نظر آتے ہیں اور ان کو الاستاذ الاعظم کا خطاب دیتے ہیں، ان کی تصنیفات کی تعداد دو سو تئیس ۲۲۳ بتائی جاتی ہے، اسی عہد میں علامہ اسماعیل حقی (م ۱۱۲۷ھ) بھی تھے جو "روح البیان فی تفسیر القرآن" کے مصنف ہیں، جو تفسیر حقی کے نام سے مشہور ہے، بغداد کے علماء میں عبد اللہ بن حسین السویدی (م ۱۱۷۴ھ) صاحب تصانیف کثیرہ ہیں[۳]۔

جامع ازہر مصر، جامع الزیتونہ تونس، اور جامعۃ القرویین فاس کے قدیم مدارس کے

۱؎ الاوائل السنبلیۃ فی اوائل کتب الحدیث۔ ۲؎ ان معلومات کا ماخذ "البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع" (تصنیف علامہ محمد بن علی الشوکانی صاحب نیل الاوطار) اور "سلک الدرر فی اعیان القرن الثانی عشر" للمرادی ہے۔ ۳؎ سلک الدرر، البدر الطالع۔

www.ahlehaq.org

علاوہ مدارس میں دمشق کے مدرسہ حافظیہ، المدرسۃ الشامیۃ اور المدرسۃ العذراویۃ کے نام ملتے ہیں۔[1] طرق میں سے نقشبندی، خلوتی، شاذلی، قادری، رفاعی کا بار بار تذکرہ آتا ہے اور ان کے مشائخ ترکی سے لے کر انڈونیشیا تک پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں۔

عالم اسلام کے علمی ادبی و روحانی ذوق پر ایک نظر

اس زمانہ کے اہل علم پر غالب ذوق ادب، شاعری، علم مجلسی اور الغاز[1] و لطائف کا ہے، اس میں بھی کوئی بڑا تفوق اور ندرت نہیں معلوم ہوتی، سجع اور قوافی کی کثرت اور تکلفات عام ہیں، ترکی حکومت کے اثرات[2] علمی و ادبی حلقہ پر بھی نمایاں ہیں، کوئی بڑا محقق اور صاحب نظر ڈھونڈھنے سے نظر آتا ہے، مرادی کی سلک الدرر[1] کی چار جلدیں قصائد، غزلیات اور ابیات و مقطوعات سے بھری ہوئی ہیں، مکاشفات، خوش عقیدگی اور کرامات کا بہت تذکرہ ملتا ہے، سلطنت عثمانیہ کے ماتحت ممالک کے علماء اور اہل کمال دار الخلافۃ (قسطنطنیہ) جاتے ہیں اور حکومت کے مناصب پر فائز ہوتے ہیں، معقولات، حساب و ہندسہ، علوم بلاغت، فقہ و حدیث نصاب کے اہم اجزاء ہیں، تعویذ و نقوش کا رواج عام ہے، بعض علماء نے فقہی متون قدوری وغیرہ کو نظم کیا ہے، متعدد عرب اہل علم فارسی اور ترکی سے بھی واقف تھے، سلطنت کی زبان ہونے کی وجہ سے ترکی سے (بالخصوص شام میں) لوگوں کو مناسبت تھی، ترک علماء کی ایک بڑی تعداد تھی جو شام میں مقیم تھی، وہ فصیح عربی بولتے تھے، جامع اموی دمشق میں مسند درس پر بیٹھنا بڑے فخر

---

[1] سلک الدرر [2] معمے اور پہیلیاں [3] ترک مرد مجاہد و فطرتاً سیاسی، منتظم اور فوجی قوم (MARTIAL RACE) ہیں، ان کے طویل دور اقتدار میں علامہ ابو السعود، طاش کبری زادہ، خلیفہ چلپی جیسے چند ممتاز عالم و محقق و مصنف نظر آتے ہیں۔

www.ahlehaq.org

کی بات سمجھی جاتی تھی، بعض مشائخ وعلماء "فتوحات مکیہ" کا، اور بعض اساتذہ "فصوص الحکم" کا درس دیتے تھے، "شرح جامی"، اور "مختصر المعانی" شام میں بھی پڑھی جاتی تھی، تصوف کا مذاق عام تھا، حتیٰ کہ علماء و محدثین میں بھی شیخ عبدالغنی النابلسی اور متعدد علماء و مشائخ وحدۃ الوجود کا ذوق رکھتے تھے۔[1]

ایران میں علوم عقلیہ کا غلبہ اور اس کا ہمسایہ ممالک پر اثر

دسویں صدی ہجری کی ابتداہی میں اسماعیل صفوی (۹۰۵۔۹۳۰ھ) نے ایران میں عظیم الشان صفوی حکومت قائم کی، اور پہلی مرتبہ شیعیت کو ملکی مذہب بنایا، اور سنی مذہب کو تقریباً ایران سے ختم کردیا، ایران جس نے امام مسلم، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ابن ماجہ، جیسے مسلّم امام فن اور ایوان حدیث کے چار ستون، دوسری طرف بلند پایہ فقیہ اور متبحر عالم علامہ ابواسحاق شیرازی، امام الحرمین ابوالمعالی عبدالملک جوینی، اور حجۃ الاسلام ابوحامد محمد الغزالی جیسی سرآمد روزگار شخصیتیں پیدا کیں، تقریباً سوا دو سو برس کی با جبروت سلطنت میں اس کا رابطہ حدیث و فقہ اور علوم نافعہ سے منقطع ہو کر رہ گیا، شاہان ایران کا رجحان فلسفہ و حکمت کی طرف زیادہ تھا کہ شیعیت کو شروع ہی سے اعتزال و عقلیت اور فلسفہ سے مناسبت رہی ہے، مشہور حکیم و ریاضی داں خواجہ نصیر الدین طوسی (م ۶۷۲ھ) مصنف "شرح اشارات ابن سینا" جو خود شیعہ اور معتزلی تھے، ہلاکو خاں کے خاص معتمد و مشیر تھے،[2] اس شاہی تقرب و اعتماد کی وجہ سے پوری تاتاری قلمرو میں (جس میں ترکستان، ایران و عراق

---

[1] ملاحظہ ہو "سلک الدرر" ۱۔۲۔۳۔۴

[2] ملاحظہ ہو "تاریخ اخبار و آثار خواجہ نصیر الدین طوسی" شائع کردہ طہران یونیورسٹی۔

www.ahlehaq.org

نازل تھی) فلسفہ وحکمت وریاضیات کا رجحان غالب آگیا۔ صفوی سلطنت کے دوسرے ہی حکمراں شاہ طہماسپ (م ۹۸۴ھ) کے زمانہ ہی میں میر غیاث الدین منصور (م ۹۴۸ھ) کا ستارۂ اقبال بلند ہوا، جو ایک اشراقی حکیم اور فلسفی[1] اور شیراز کے مدرسہ منصوریہ کے بانی تھے۔ شاہ طہماسپ صفوی کے زمانہ میں ان کو عرصہ تک منصب صدارت تفویض رہا۔ ہندوستان تک ان کے تلامذہ اور تلامذہ کے تلامذہ پھیل گئے۔ انھیں کے شاگرد امیر فتح اللہ شیرازی (م ۹۹۷ھ) دسویں صدی کے آخر میں ہندوستان آئے، اکبر نے ان کو صدارت کا منصب دیا، انھوں نے ہندوستان کے نصاب درس، اور طریق تعلیم پر معقولیت کی ایسی گہری چھاپ لگا دی جو تیرھویں صدی ہجری تک باقی رہی۔ مولانا آزاد بلگرامی کے بقول وہی صدر الدین شیرازی، میر غیاث الدین منصور اور محقق مرزا جان (م ۹۹۴ھ) کی تصنیفات ہندوستان لائے، اور ان کو داخل نصاب کیا۔

گیارھویں صدی کے وسط میں میر باقر داماد (م ۱۰۴۱ھ) کی شخصیت ابھری جس نے ایران سے لے کر ہندوستان تک کے علمی و تعلیمی حلقوں پر اپنی ذہانت، عقلیت وادبیت کا سکہ قائم کر دیا۔ شاہ عباس صفوی (م ۱۰۳۸ھ) کے دربار میں وہ نہایت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کی کتاب "الافق المبین" درسی حلقوں کی چند پیچیدہ کتابوں کی منتہی سمجھی جاتی تھی۔ ان کے بعد ہی علامہ صدر الدین شیرازی (م ۱۰۵۰ھ) کی شخصیت نمایاں ہوئی جو اشراقی حکیم اور زبردست منطقی تھے، ان کی دو کتابیں "الاسفار الاربعۃ" اور "شرح ہدایۃ الحکمۃ"

---

[1] انھوں نے شہاب الدین سہروردی مقتول کی کتاب "ہیاکل النور" کی شرح "شواکل الحور فی شرح ہیاکل النور" کے نام سے لکھی ہے۔ اس میں محقق دوانی کا بہت رد کیا ہے۔

www.ahlehaq.org

معروف بہ صدرا[1] عالمگیر شہرت رکھتی ہیں، ایران کے نسلی ذوق نے جو صدیوں سے رائج ادبیات کا جنگل بنانے کا عادی تھا، اس عقلی رجحان کا پورا ساتھ دیا، اور منطقی موشگافیاں، اعتراضات و معروضات کی بھول بھلیاں ایران کی مغربی سرحد سے لے کر ہندوستان کی مشرقی سرحد تک پھیلا دیں، جو کوہ کندن وکاہ برآوردن کے مرادف تھیں، دسویں صدی کے بعد سے بارہویں صدی کے قریب تک تدریسی و تصنیفی حلقہ پر علوم حکمت کی حکومت قائم تھی، اور ان مصنفین کی جماعتوں کے پچھلے ادیبوں کے شرح و تحشیہ کے سوا اظہار کمال بلکہ اپنی ذہانت کا ثبوت دینے کا کوئی ذریعہ نہ تھا، اور ان کی افادیت میں ادبی قیل وقال جہالت وجہالت کا ثبوت دینا تھا۔

ایران کا اثر قدرتی طور پر افغانستان پر اور افغانستان کے بھی مغربی شہر ہرات پر پڑا، وہاں اس شہر کے ایک عالم قاضی محمد اسلم ہروی کابلی (م ۱۰۶۱ھ) منطق وحکمت میں اساتذہ ایران اور اثر و نفوذ کے اس ملک میں سفیر تھے، ان کے صاحبزادہ قاضی محمد زاہد جو میر زاہد[2] (م ۱۱۰۱ھ) نے اس کمال میں اور چار چاند لگائے، انہوں نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ ہندوستان میں گزارا، "شرح مواقف"، "شرح تہذیب" اور "رسالہ قطبیہ" پر ان کے تینوں حواشی نے جو "زواہد ثلاثہ" کے نام سے مشہور ہیں، ہندوستان کے درس و تدریس کے حلقوں میں بڑی مقبولیت حاصل کی، علوم عقلیہ میں اس کمال کے باوجود وہ فقہ وحدیث اور علوم دینیہ میں پایۂ بلند نہیں رکھتے تھے، یہاں تک کہ "شرح وقایہ" جیسی فقہ کی متوسط کتاب کے درس میں بھی ان کو اپنے اوپر پورا اعتماد نہیں تھا، شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے

---

[1] صدرا ہندوستان کے نصاب درس میں آگیا، وہ منطق کا بڑی سے داخل ہے اس کے حصول اور اس میں مہارت کے بغیر طالب علم فارغ التحصیل اور فاضل نہیں سمجھا جاتا تھا۔ [2] صحیح زاہد

ملفوظات میں ہے کہ:۔

امیرے شرح وقایہ می خواند بجضور جد بزرگوار سبق نمی فرمودند۔	ایک امیر میرزا ہد سے شرح وقایہ پڑھتا تھا لیکن فقہ میں اپنے اعتقاد نہ ہونے کی وجہ سے) دہ اس وقت تک سبق نہیں پڑھاتے تھے جب تک کہ دادا صاحب (شاہ عبدالرحیم صاحب جو معقولات میں خود ان کے شاگرد تھے) نہ آجاتے۔

اس کے مقابلہ میں معقولات میں ایسا توغل تھا کہ فرماتے تھے:۔

تقریر میرزا جان جان من است[1]	مرزا جان کی تقریر تو میری جان ہے
و تقریر آخوند جان جان من است[2]	اور آخوند کی تقریر میری جان جان ہے

ہزدن کا یہ اثر نہ صرف افغانستان اور ہندوستان پر بلکہ شام و عراق تک پر پڑ رہا تھا اور وہاں بھی معقولات کے علماء کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، اور ان علوم کا ذہن پر رعب اثر تھا، اور اس کی کتابیں نصاب تعلیم میں شامل ہوتی جاتی تھیں۔

عام اخلاقی، معاشرتی اور اعتقادی حالت

علمی اشتغال، کثیر التعداد اہل کمال، سلاسل و طرق کی مقبولیت، حدیث نبوی سے اعتناء اور سے حکام کی دینداری اور ان مسلم حکومتوں کی موجودگی میں جن کا

---

[1] ملفوظات ۔ ۴۰ [2] ایضاً ۔ ۴۰

www.ahlehaq.org

عقیدۂ اسلام پر اور عملی زندگی کے بہت سے شعبوں اور عائلی قانون میں شریعت پر تھا اور ایک آبادی مسجدیں معمور تھیں، جمہور اور عوام اسلام پسند، دین دوست، علماء کے قدردان، مشائخ و بزرگوں کے معتقد، دین کے ارکان و فرائض پر عامل تھے اور ان کے دل حمیت اسلامی سے بھی خالی نہ تھے، عالم اسلام میں عمومی طور پر جمود و تنزل پایا جاتا تھا، اخلاق و معاشرت میں فساد آچکا تھا، اہل عجم اور غیر مسلموں کے بہت سے شعائر اور ان کے عادات مسلمانوں نے اختیار کر لئے تھے، حکام میں خود سری اور سلطنتوں میں مطلق العنانی پائی جاتی تھی، امراء اور اغنیاء کا طبقہ دولت اور تمول کے برے اثرات سے متاثر اور بہت جگہ "مترفین" کے اخلاق و رجحانات کو اختیار کر چکا تھا، معاشرہ کے بہت سے طبقوں پر کسل مندی، تعطل، سرکار دربار سے وابستگی اور تملق و خوشامد کی عادت غالب آگئی تھی، بہت سے طبقوں میں توہمات کا زور تھا، توحید خالص کے حدود سے تجاوز، اولیاء کی تقدیس اور حد سے بڑھی ہوئی تعظیم، قبر پرستی اور کہیں کہیں شرک جلی کے نمونے بھی نظر آتے تھے۔

امریکی مصنف ڈاکٹر لوتھراپ اسٹاڈرڈ (LOTHROP STODDARD) نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب (NEW WORLD OF ISLAM) "جدید دنیائے اسلام" میں انیسویں صدی کی اسلامی دنیا کا نقشہ کھینچا ہے جس میں اگرچہ کہیں کہیں مبالغہ اور بے اعتدالی پائی جاتی ہے، لیکن مجموعی طور پر وہ اس وقت کے عالم اسلام کی کچھ غلط تصویر نہیں ہے¹ اور اس میں اس کے وہ بہت سے گوشے آگئے ہیں جو اندر رہنے والوں اور ہر وقت کے دیکھنے والوں کی نظر سے مخفی

---

¹ نامور مسلمان مفکر و مورخ امیر شکیب ارسلان نے اس کتاب کے عربی ترجمہ "حاضر العالم الاسلامی" کے نام سے شائع ہوا ہے، کے شہرۂ آفاق حواشی میں عالم اسلام کی موجودہ حالت کا جائزہ لیتے ہوئے کتاب کی تصویب و تحسین کی ہے اور اس کو واقعہ کے مطابق بتایا ہے۔

www.ahlehaq.org

اور نئے آنے والے عام پہلی بار دیکھنے والے کو اپنی طرف ملتفت کر لیتے ہیں اس کی صحت کی پوری ذمہ داری لئے بغیر اس کا یہاں نقل کرنا غلط اور بے محل نہ ہوگا، وہ لکھتا ہے:

"اٹھارویں صدی تک اسلامی دنیا اپنے ضعف کی انتہا کو پہنچ چکی تھی، دینی قوت کے آثار کہیں بھی نہیں پائے جاتے تھے، ہر جگہ جمود و تنزل نمایاں تھے، آداب و اخلاق قابل نفرت تھے، عربی تہذیب کے آخری آثار مفقود ہو کر ایک کامل تنزل و خرابی، عشرت میں ملوث، عوام وحشیانہ ذلت میں زندگی بسر کرتے تھے، تعلیم مردہ ہو گئی تھی اور چند درسگاہیں جو ہنوز زوال سے باقی تھیں، وہ افلاس و غربت کی وجہ سے دم توڑ رہی تھیں، سلطنتیں مطلق العنان تھیں، اور ان میں بد نظمی اور خونریزی کا دور دورہ تھا، جگہ جگہ کوئی بڑا خود مختار جیسے سلطان ترکی یا ہند کے شاہ ان مغلیہ شاہی شان قائم کئے ہوئے تھے، اگرچہ صوبجات کے امراء اپنے آقاؤں کی طرح آزاد سلطنتیں جو ظلم و استحصال یا جبر پر مبنی تھیں، قائم کرنے کے بہت کوشاں تھے، اسی طرح امراء متواتر سرکش رعایا کی زمینوں اور قطاع الطریق کی جماعتوں کے فسادات جو ملک کو زیر و زبر کر دیتے تھے، بدستور جاری رہتے تھے، اس منحوس طرز حکومت میں رعایا غارت ہو گئی اور ظلم و بار مالیات سے نالاں تھی، دیہاتیوں اور شہریوں میں محنت کے محرکات مفقود ہو گئے تھے، لہٰذا تجارت، زراعت و دستکاری اتنی کم ہو گئی تھیں کہ محض سد رمق کے لئے کی جاتی تھیں۔

مذہب بھی دیگر امور کی طرح پستی میں تھا، تصوف کے غلط توہمات کی کثرت نے خالص اسلامی توحید کو ڈھک لیا تھا، عوام و جہال تعویذ گنڈے اور ملا بن کر گندے فقراء اور دیوانے درویشوں سے اعتقاد رکھتے تھے اور بزرگوں کے مزاروں پر زیارت کو جاتے تھے، ان کی پرستش بارگاہ ایزدی کے شفیع و ولی کے طور پر کی جاتی تھی

www.ahlehaq.org

کیونکہ ان جاہلوں کا خیال تھا کہ خدا ایسا برتر ہے کہ وہ اس کی عبادات بلا واسطہ نہیں ادا کرسکتے۔ قرآن مجید کی اخلاقی تعلیم کو نہ صرف پس پشت ڈال رکھا تھا بلکہ اس کی خلاف ورزی میں بےحیائی تھی۔ اس کے علاوہ شراب خوری عام ہو رہی تھی زنا کاری کا زور تھا اور ذلیل ترین اعمال قبیحہ کھلم کھلا بے حیائی کے ساتھ کئے جاتے تھے۔[1]

۱؎ سیرت سید احمد شہیدؒ جلد اول صفحہ ۴۲۔ ملخص از "جدید دنیائے اسلام" مترجمہ جمیل الدین صاحب بدایونی علیگ۔

باب دوم

ہندوستان

سیاسی حالت

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی ولادت سلطان اورنگ زیب عالمگیر کی وفات (۱۱۱۸ھ) سے چار سال پہلے (۱۱۱۴ھ میں) ہوئی۔ عالمگیر بحیثیت ناظم کا اس ملک کی معلوم و محفوظ تاریخ کی روشنی میں اشوک کے بعد (اگر اس کی سلطنت کی وسعت و عظمت سے متعلق بیانات صحیح اور قابل اعتماد ہیں) ہندوستان کا سب سے بڑا فرمانروا، اور اس کی سلطنت ہندوستان میں قائم ہونے والی سلطنتوں میں سب سے زیادہ وسیع تھی۔ کیمبرج ہسٹری کے مصنفین لکھتے ہیں کہ:-

> "اس کی حکومت غزنی سے چاٹگام تک، اور کشمیر سے کرناٹک تک وسیع تھی۔"[1]

دوسرے مورخ لکھتے ہیں:-

> "قدیم زمانہ سے انگریزوں کے عروج تک ہندوستان میں اتنی طویل و عریض حکومت کبھی قائم نہیں ہوئی تھی۔"[2]

اسی کے عہد میں اور اسی کے ایماء پر میر جملہ نے صدیوں کے بعد پہلی مرتبہ آسام کو (جو اپنی زبان،

---

[1] CAMBRIDGE HISTORY OF INDIA, V. 4, P. 316

MUSLIM RULE IN INDIA, V.D. MAHAJAN, DELHI, 1970

[2] CAMBRIDGE HISTORY OF THE WORLD, P. 175, DELHI, 1970

www.ahlehaq.org

تہذیب، مذہب اور نسل میں ہندوستان سے الگ ایک آزاد منطقہ رہا ہے) فتح کر کے ایک بار سلطنت مغلیہ میں شامل کر لیا۔ تمام مغربی اور غیر مسلم ہندوستانی مؤرخین کے ان تنقیدی اختلافی تبصروں کے باوجود جن کا محرک دراصل اورنگ زیب کی حمیت و حمایتِ اسلام ہے، اس کی بے نظیر قوتِ ارادی، مستقل طبیعت، انتظامی صلاحیت، سادہ بلکہ زاہدانہ زندگی، اور شجاعت و بہادری ایک مسلّم تاریخی حقیقت ہے۔[3]

اورنگ زیب عالمگیر

اورنگ زیب نے زمام سلطنت ہاتھ میں لینے کے بعد اپنی پوری توجہ عہد اکبری کے مخالف اسلام اثرات کو مٹانے، شیعیت کے اثر کو کم کرنے (جس کا بڑا مرکز جنوب تھا اور اسی لئے اس نے اپنی زندگی اور توانائی کا بڑا حصہ اس کی تسخیر میں صرف کیا) ایران کے ان مجوسیت آمیز تہذیبی اثرات کو جو دورِ اکبری میں قائم ہو گئے تھے اور جو ایرانی تقویم اور جشن نوروز کی شکل میں پائے جاتے تھے، ختم کرنے کے اقدامات کئے، محتسب کا شرعی عہدہ قائم کیا تاکہ وہ خلق خدا کو منہیات و محرمات سے منع کرے، حکومت کی جتنی نامشروع آمدنیاں موقوف کیں، سرود و رقاصی اور جھروکہ درشن کو بند کیا، شرعی قاضی مقرر کئے اور ان کو وسیع اختیارات دیئے، پوری سلطنت میں شرعی قوانین و آئین جاری کرنے اور قاضیوں کی آسانی کے لئے مسائل فقہیہ کی تدوین و ترتیب کا بیڑا اٹھایا جس کے نتیجہ میں فتاویٰ عالمگیری[1] کے نام سے ایک ایسا مجموعہ تیار ہوا جو مصر و شام و ترکی میں بھی

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "مآثر عالمگیری" از محمد ساقی مستعد خاں، مطبوعہ بنگال ۱۸۷۱ء نیز وقائع سیر و سیاحت ڈاکٹر برنیر DR BERNIER [illegible] [2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ دعوت و عزیمت حصہ چہارم [illegible]

[3] ملاحظہ ہو اسٹینلے لین پول کی کتاب اورنگ زیب AURANGZEB اور ظہیر الدین فاروقی کی کتاب AURANGZEB & HIS AGE نیز جادو ناتھ سرکار کی کتاب HISTORY OF AURANGZEB اور مولانا شبلی کے مضامین عالمگیر۔

www.ahlehaq.org

(جہاں وہ الفتاوی العالمگیریہ کے نام سے مشہور ہے) قانون اسلامی کا ایک بڑا اور مستند ماخذ سمجھا گیا۔ کورنش و آداب کے غیر اسلامی اور غیر موحدانہ طریقے منسوخ کئے، اور سلام مسنون کا اجراء کیا قصہ مختصر بقول اقبال ؎

شعلۂ توحید را پروانہ بود
چوں براہیم اندریں بت خانہ بود

ان معنوی و انقلابی کارناموں کے سوا جو دینی قدر و قیمت کے حامل ہیں، اس کی سب سے نمایاں صفت اس کی بیدار مغزی، مستعدی، فرض شناسی اور امور سلطنت میں جزو کل سے واقفیت اور نظم و نسق پر کلی طور پر حاوی ہونے کی کوشش ہے جو اس خداداد وسیع سلطنت کے فرماں روا کے لئے شرط اول ہے، اس نے اپنے والد شاہجہاں بادشاہ کو ایک خط میں لکھا تھا اور تاریخ اس کی تصدیق کرتی ہے کہ "کاہلی و بیجودی کا الزام مجھ پر عائد نہیں ہو سکتا"[1] ایک امیر کو جواب دیتے ہوئے (جس نے یہ مشورہ دیا تھا کہ حضرت اعلیٰ ہوا سلطنت میں محنت شاق سے کام نہ لیں کہ اس سے اندیشہ ہے کہ ان کی صحت پر بڑا اثر پڑے) کہا تھا کہ "مجھ کو پروردگار نے دوسروں کے واسطے محنت کرنے کے لئے بھیجا ہے" اور شیخ سعدیؒ کا یہ شعر پڑھا ؎

الا تا بغفلت نہ خسپی کہ نوم
حرام است بر چشم سالار قوم[2]

مملکت کی اس وسعت کے باوجود اس کے نظم و نسق پر بذات خود مطلع اور حاوی ہونا اسی شخص کا کام ہے جو آہنی عزم، فولادی جسم، صحیح جذبہ کا احساس ذمہ داری اور خوف خدا رکھتا ہو، حیرت کی بات یہ ہے کہ اس کی نظر جتنی ملکی کلیات اور مہمات سلطنت پر تھی اتنی ہی

---

[1] ملاحظہ ہو ظفرنامہ شاہجہاں [2] اورنگ زیب از شبلی نعمانی ص ۵۳-۵۴

www.ahlehaq.org

جزئیات پر وہ دکن میں تھا، مگر شمال، مغرب اور مشرق کی خبر رکھتا تھا، اپنی ذاتی اطلاعات اور پرچہ نویسوں کی مدد سے امور انتظامی کی باریک سے باریک تفصیلات جانچتا تھا، اسی کی وجہ سے عمّالِ سلطنت جہاں بھی رہتے چوکنا اور مستعد رہتے، وہ ادنیٰ ادنیٰ عہدوں کا تقرر خود کرتا تھا[1]، اس کا یہ شعر اس کے دل کی صحیح ترجمانی اور اس کے احساسِ ذمہ داری اور اس کے نتیجہ میں اس کی مشکلات کی صحیح تصویر ہے، وہ اکثر اپنا ہی یہ شعر پڑھتا تھا ؎

غمِ عالم فراوان است و من یک غنچہ دل دارم
چساں در شیشۂ ساعت کنم ریگِ بیاباں را[2]

کبھی کبھی یہ شعر بھی پڑھتا اور اس پر اس کا عمل تھا ؎

من نمی گویم زیاں کن یا بفکرِ سود باش
اے ز فرصت بے خبر در ہر چہ باشی زود باش

اورنگ زیب کے کمزور جانشین

لیکن اورنگ زیب کے بعد اس کے عظیم اور پرجلال تخت پر (جو ماحیِ دین بننے کے بجائے حامیِ دین اور ہادمِ ملت کے بجائے خادمِ ملت بن گیا تھا) اس کی اولاد میں وہ لوگ آئے جنھوں نے گویا قسم کھائی تھی کہ عالمگیر سے حمایت و حفاظتِ اسلام، احیاءِ دین اور اجراءِ سنت کی جو "غلطی" ہوئی تھی، وہ اس کی تلافی کریں گے، نیز اس نے سلطنت کے حدود میں جو توسیع کی تھی، ہندوستان کے نظم و نسق کو اپنی بیدار مغزی، مستعدی اور فرض شناسی سے جو استحکام بخشا تھا، عوام اور فتنہ پردازوں پر جو رعب و اثر قائم کیا تھا، وہ اپنی تعیش پسندی کا

[1] اورنگ زیب از شبلی ص ۶۱ [2] تاریخ ہندوستان ص ۱۱۵ ج ۵

کاہلی، نااہلی، اندرونی اختلاف و کشمکش، خودغرضی و جاہ پسندی ارکانِ سلطنت و وزراء پر کلی اعتماد اور امورِ سلطنت سے غفلت کے ذریعہ اس گناہ کا جو عالمگیر اعظم سے سرزد ہوا تھا مسلسل کفارہ ادا کرتے رہے۔ چنانچہ یہ مغل سلطنت ہی نہیں ملتِ اسلامیہ ہی نہیں ہندوستان کی بدقسمتی تھی کہ اس کے تختِ سلطنت پر یکے بعد دیگرے کمزور و نااہل حکمران آتے رہے اور تاریخ کی یہ بوالعجبی اور خدا کی شانِ بے نیازی و کبریائی کا ظہور تھا کہ اس کا پہلا ہی جانشین (شاہ عالم بہادر شاہ اول) اپنے نامور باپ کا بالکل ضد تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے عہد (۱۱۱۴ھ — ۱۱۷۶ھ) میں اورنگ زیب کے بعد گیارہ مغل بادشاہ تخت نشین ہوئے جن کے نام حسب ذیل ہیں:-

۱۔ محمد معظم بہادر شاہ (ملقب شاہ عالم بہادر شاہ اول)

۲۔ معز الدین جہاندار شاہ۔

۳۔ فرخ سیر ابن عظیم الشان۔

۴۔ نیکو سیر۔

۵۔ رفیع الدرجات ابن رفیع القدر۔

۶۔ رفیع الدولہ بن رفیع القدر۔

۷۔ محمد شاہ ابن جہاں شاہ۔

۸۔ احمد شاہ ابن محمد شاہ۔

۹۔ عزیز الدین عالمگیر ابن جہاندار شاہ۔

۱۰۔ محی السنہ بن کام بخش بن عالمگیر

۱۱۔ شاہ عالم ابن عزیز الدین۔

www.ahlehaq.org

www.ahlehaq.org

گویا نصف صدی کی مدت میں گیارہ بادشاہ تخت نشین ہوئے، ان میں سے کسی کی مدت حکومت صرف دس مہینے[1]، کسی کی چار مہینے[2] سے کم، کسی کی سلطنت برائے نام[3]، کسی کی چند دن کی حکومت رہی[4]۔ ہم یہاں پر اس کے جانشین اول شاہ عالم بہادر شاہ، فرخ سیر ابن عظیم الشان، محمد شاہ اور شاہ عالم ثانی کے عہد اور ان اہم واقعات و حوادث پر تبصرہ کریں گے جنھوں نے ہندوستان کی تاریخ، اور ہندوستانی مسلمانوں کی تقدیر بنانے میں خاص حصہ لیا۔

شاہ عالم بہادر شاہ اول ۱۱۱۹ھ تا ۱۱۲۴ھ

یہ عالمگیر کا سب سے بڑا بیٹا تھا جو دوسرے فرزند محمد اعظم شاہ کو شکست دے کر تخت نشین ہوا، عالمگیر کے مزاج و مسلک سے اس کے اختلاف کا سب سے بڑا اور پہلا ثبوت یہ ہے کہ اس نے شیعی مسلک اختیار کر لیا، جو نہ صرف عالمگیر کے عقیدہ و مزاج و مذاق کے خلاف تھا، بلکہ پورے تیموری سلسلۂ فرمانروایان سلطنت کے عقیدہ و مذہب اور طرز و مسلک کے خلاف تھا، اور اس سلطنت کے مصالح کے بھی مخالف تھا (جس کی مسلمان آبادی کا نوے بلکہ پچانوے (۹۵) فی صدی حصہ ہندوستان کے مشرقی حدود بنگال سے لے کر سلطنت کے مغربی حدود کابل و قندھار تک سنی فرقہ اور حنفی مذہب کا پیرو کار تھا) اور جس کی ہندوستان میں کامیابی اور مقبولیت کے کوئی امکانات نہ تھے۔ "سیر المتاخرین" کے مصنف غلام حسین طباطبائی کے بیان کے مطابق (جو خود اثنا عشری فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں اور جن کی شیعیت تاریخی بنیاد پر

[1] معز الدین جہاندار شاہ۔ [2] رفیع الدرجات ابن رفیع القدر، مدت حکومت تین ماہ دس روز۔

[3] رفیع الدولہ ابن رفیع القدر۔ [4] محی السنۃ ابن کام بخش ابن عالمگیر۔

www.ahlehaq.org

کے اندر سے بھی جھلکتی نظر آتی ہے) بہادر شاہ کے شیعہ مذہب اختیار کرنے اس مسئلہ پر علماء اہل سنت سے مباحثہ و مناظرہ کرنے خطبہ میں کلمہ "علی ولی اللہ وصی رسول اللہ" کے داخل کرنے کا حکم دینے پر لاہور میں جہاں بادشاہ کا قیام تھا شورش برپا ہوئی جیسا ہوا انھوں نے خود اس کے نتیجے کا ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں:-

بہادر شاہ بہ منظور اعراب بایں کلمہ داشتہ	بادشاہ بہت زور اس بات پر اصرار کرتا تھا
در ترویج و تقویت مذہب شیعہ می کوشید	اور مذہب شیعہ کی ترویج و تقویت میں
ہر وقت آمے درازد رباب مباحثہ علماء باز بود	ساعی و سرگرم رہا۔ مدتوں تک علماء
اما فائدہ بر آں مترتب نمی شد۔	کے ساتھ مباحثہ کا دروازہ کھلا رہا
	لیکن اس سے کچھ فائدہ مترتب نہیں ہوا۔[1]

اس تبدیلی کا نتیجہ عوام اور خود فوج میں نیم دلی بلکہ بد دلی کی شکل میں نکلا اور اس میں وہ مذہبی جوش نہیں رہا جو گزشتہ مغل بادشاہوں کے دور میں ایک بڑی قوت محرکہ تھی اس حقیقت کا احساس بعض غیر مسلم مورخوں تک کو ہوا ہے ڈاکٹر ستیش چندر لکھتے ہیں کہ حکومت کی پالیسی پر مذہب کا اثر کمزور پڑ گیا۔[2]

مولوی ذکاء اللہ صاحب تاریخ ہندوستان میں لکھتے ہیں:-

"عالمگیر کے مرنے کے بعد سلطنت کے کاموں میں انقلابات عظیم ہو گئے تھے اور تمام تعلقات کی صورت بدل گئی تھی اور مرہٹوں سے جو سلطنت تیموریہ کے تعلقات تھے وہ بالکل الٹ پلٹ ہو گئے تھے......... سلطنت مغلیہ کمزور ہو کر قریب المرگ تھی"

---

[1] سیر المتاخرین ج ۲ ص ۴۸

[2] DR SATISH CHANDRA, PARTIES AND POLITICS IN THE MUGHAL COURT, 1707-40, ALIGARH, 1959, P 40

www.ahlehaq.org

مگر مرتے دم تک اپنی نخوت و تکبر سے ہاتھ نہیں اٹھایا۔[۱]

وہ عالمگیر جو اورنگ آباد میں ہوتا تو دہلی کا کیا ذکر بہار و بنگال میں بھی کارکنانِ سلطنت پر اس کی ہیبت طاری رہتی، وہ جزئیاتِ سلطنت سے باخبر رہتا، اور بر وقت مناسب احکام جاری کرنے میں ذرا سی تاخیر سے کام نہ لیتا، اب اس کے جانشین کا حال یہ تھا، بقول مؤرخ ہندوستان۔

"بایں ہمہ طبیعت مذبذب اجرائے کار میں فوراً تفاوت ہوتا، بادشاہ کی دستخط کا اعتبار نہیں رہا، بادشاہ اپنے متعلقین سے فرمایا کرتا کہ سب اہل کار آپس میں مل گئے ہیں، جو بہتر جانتے ہیں عمل میں لاتے ہیں، ہمارا فقط اعتبار رہ گیا ہے، خلق کے مطلب قبول کرنے کے سوا ہم کو کوئی اور چارہ نہیں ہے۔"[۲]

نیز وہ لکھتے ہیں:۔

"طبیعت شروع جلوس سے اس کی تا ایں جلوس نہایت بے خبری سے راتوں کو جاگتا اور پہر دن چڑھے تک سوتا، جس کے سبب سے خلق اکثر کو صبح کے دن شکایت ہوئی کہ ان کو اپنے مطلبوں کا حل نہ ملتی۔"[۳]

نیز:۔

"تیسرا کام اس نے اپنے آئین کے خلاف یہ کیا کہ علماء پر عتاب خطاب کیا اور جابجا محبوس کیا، پھر مزاج پر خفقان کا غلبہ ایسا ہوا کہ دار السلطنت لاہور میں ۱۷ محرم سنہ ۱۱۲۴ ہجری کو جہان فانی سے رخصت ہوا۔"[۴]

علامہ شبلی بھی شاہ عالم بہادر شاہ کے اخیر عمر میں اختلال دماغ، کتوں کے مارنے کا حکم اور سکھوں کے آمد و شد کا ذکر کرتے ہیں۔[۵]

---

[۱] تاریخ ہندوستان، مولوی ذکاء اللہ دہلوی، ج ۹ ص ۔ [۲] ایضاً ص ۔ [۳] ایضاً ۔ [۴] ایضاً ۔ [۵] مقالات شبلی، سیرت النعمان ص ۔

اس طرح عالمگیر کے بیٹے اور جانشینوں کے زمانہ اور صرف ۷ برس کی مدت سلطنت میں عظیم سلطنت مغلیہ کی جڑیں ہل گئیں اور اس کی وہ ساکھ اور دھاک ختم ہو گئی جو مخالف طاقتوں، فتنہ پردازوں اور عوام و خواص کے دماغ پر بابر کے زمانہ سے بیٹھی ہوئی تھی۔

فرخ سیر

فرخ سیر (۱۱۲۵ھ تا ۱۱۳۱ھ) کے زمانہ میں حسین علی خاں، عبداللہ خاں (جن میں سے اول الذکر امیر الامراء کے لقب سے اور ثانی الذکر قطب الملک کے لقب سے ملقب تھے) کا اقتدار بادشاہ اور پوری سلطنت پر قائم ہو گیا، فرخ سیر ان کے ہاتھوں میں کھلونا تھا، آخر انھوں نے فرخ سیر کو قید کیا، پھر قید حیات سے بھی رہا کر دیا۔ مصنف "تاریخ ہندوستان" لکھتا ہے:۔

"اگرچہ محمد فرخ سیر وسیع زمانہ تک قدردان تھی مگر آپ کی خدمت اور تردد کے مقابل میں چاہتا تھا کہ بقدر امکان منصب وغیرہ خدمات عنایت کر کے ہر شخص کو بہرہ مند کرے مگر اختیار نہیں رکھتا تھا اور بڑا سودا کا رجحان تھا۔ امور سلطنت سے بے بہرہ و سادات سے و حکام میں باپ دادا سے وزارت نہ پایا استقامت مزاج ... میں نہیں رکھتا تھا اور ان کی شخصیت کا اثر تھا کہ نیچ و سلطنت میں ... اختیار نہ رکھتا تھا جو ان کے تحت نہیں رکھتا تھا، صاحب عزم کی کمی کی تصویر ہو گیا اور سلطنت کا اثر و رسوخ بھی جاتا رہا۔[1]

بادشاہ کے بیمار ہونے پر شہزادہ محمد ابراہیم عبداللہ خان نے تمام متصدیوں کے تعلق میں دخل دے دیا، کسی کو اصلاً اختیار و استقلال اس نے نہیں رکھا تھا خصوصاً متعدد مال میں۔ ......

۱؎ ایضاً ص

www.ahlehaq.org

بادشاہ کی عیاشی، خلوت نشینی علاوہ بے دماغی کے زیادہ ہوگئی تھی قتل اس کا در پیش تھا۔[1]

بالآخر دونوں بھائیوں (قطب الملک و امیر الامراء) نے فرخ سیر کی آنکھوں میں سلائی پھیری اور قلعہ کے اندر محبس خانہ میں جو قبر کی صورت تھا بادشاہ کو قید کیا اور ۶ سال ۴ ماہ حکومت کر کے وہ اس دنیا سے رخصت ہوا۔ ان واقعات نے پے در پے ملک میں تخت دہلی کے جانشینوں کی بے احترامی اور سلطنت کی بے اعتباری پیدا کر دی۔

محمد شاہ بادشاہ (م ۱۱۶۱ھ)

محمد شاہ نے ۳۰ سال ۷ مہینے حکومت کی اس کا عہد پُر از حوادث و واقعات ہے اسی کے زمانہ میں نادر شاہ کا دہلی پر تاریخی حملہ ہوا لیکن اس وقت سلطنت پر حاوی اور اس کے سیاہ و سپید کے مالک یہی دونوں سادات بارہہ قطب الملک عبداللہ خاں اور امیر الامراء حسین علی خاں تھے اس وقت اہل دربار کا تاثر یہ تھا کہ ان دونوں کے تسلط سے بادشاہ کو سوائے نماز جمعہ کے کسی احکام کے جاری کرنے کا مقدور نہیں ...... دونوں بھائی تمام خاندانِ ایران و توران کی بے آبروئی پر کمر باندھے بیٹھے ہیں اور ترک منصب اور گوشہ نشینی میں دستگاہ نہیں اور تمام موروثی خانہ زادوں اور دور و نزدیک جاں نثار نوکروں کا دل نہایت افسردہ ہو رہا ہے کہ وارث تخت و تاج بے اختیار ہے اور نماز جمعہ اور اجرائے احکام شرع پر قادر نہیں آگرہ کے نزدیک سے کنارۂ دریائے شور تک ہندو بت خانے بنا رہے ہیں اور گاؤ کشی منع کر رہے ہیں۔[2]

بکل امور مالی و ملکی میں رتن چند کے اختیار سے جو سوائے ترمیم مذہب اور قوم بقال

۱؎ ایضاً ص۲۱ ۲؎ تاریخ ہندوستان ج ۹ ص ۱۲۱

www.ahlehaq.org

کہ کسی پر نوازش نہیں کرتا تھا، سب چھوٹے بڑے متفرق تھے اور ہر دیار کے شرفاء خواری و بے اعتباری سے زیست کرنے لگے تھے[1]

سیر المتاخرین[2] کا مصنف طباطبائی لکھتا ہے:-

بادشاہ جوان جوان بے عزم و کم جرأت	بادشاہ چونکہ بے عزم اور کم جرأت
بود مشغول عیش و طرب گردیدہ بود ہر کہ	جوان تھا عیش و عشرت میں مشغول
اشد ضرور بود توجہ می نمود	ہو کر صرف اسی کام پر توجہ دیتا
باین سبب بنائے ملک نخوت و ہراس	جو اشد ضروری ہوتا، اس سبب سے
از دل امرا و رؤسا و ہر فرقہ بلکہ	تھوڑا تھوڑا ملک کے خوف و ہراس
عوام الناس برخاستہ ہر کس در ملک	ہر فرقہ کے امراء و رؤسا بلکہ عوام الناس
خود خیالے سلطنت و بجا خود نشستہ	کے دل سے نکل گیا، ہر شخص اپنے
در باطن دم از استقلال می زد[3]	دماغ میں ایک خیال پختہ کئے ہوئے
	اپنی جگہ بیٹھا ہوا اپنی آزادی و
	خود مختاری کا دم بھرتا تھا۔

اس وقت دربار و ارکین سلطنت میں نظام الملک آصف جاہ ہی کی ایک ایسی ہستی تھی جو صاحب عزم، عالی ہمت ہونے کے ساتھ صاحب تخت کی وفادار، مخلص اور خیر خواہ تھی، لیکن سادات اور ایرانی عنصر کسی طرح ان کی بات چلنے نہیں دیتا تھا، یہ دیکھ کر کہ ان کی وفاداری اور خلوص کی کوئی قدر نہیں ہے، اور یہاں رہنا وقت ضائع کرنا اور اپنے کو ہر وقت خطرہ میں مبتلا کرنا ہے، انھوں نے عرصہ ہوا دکن کا رخ کیا تھا، اور دہلی کا میدان

---

[1] تاریخ ہندوستان۔ ج ۹ ص ۱۵   [2] سیر المتاخرین۔ ج ۲ ص ۴۶۲

www.ahlehaq.org

اہل عزم کے لئے خالی ہو گیا تھا۔

اس کے بعد محمد شاہ پر عیش کا وہ غلبہ ہوا کہ انھوں نے اس سے پہلے کے عیش پسندوں کو مات کر دیا اور ایسے کے واقعات بھلا دیئے، ہندوستان کے مورخین لکھتے ہیں کہ :۔

"محمد شاہ بادشاہ نے مذہب تو نہیں بدلا لیکن مشرب بدل دیا اور پیالہ ان کا نقیب قرار پایا، عام حکم تھا کہ ادھر جا لیکے و اس سے گھٹا اٹھے بادل گرج کر پیالہ خیمہ و خرگاہ کھڑا رہا نہ ہو۔

می دمد صبح و کلہ بست سحاب الصبوح الصبوح یا اصحاب

ژالہ بارید بر رخ لالہ المدام المدام یا احباب

کا شور تھا"

بالآخر امیر الامراء سید حسین علی اور قطب الملک نواب عبداللہ خان (حسن علی خان) سادات بارہہ کے اقتدار کا خاتمہ ہوا اور زندگی کا جام لبریز ہوا، لیکن اس سے بھی سلطنت مغلیہ کی قسمت نہیں بدلی، اس لئے کہ بادشاہ حکمرانی کی ہر صلاحیت اور خطرات کے سمجھنے کی معمولی بصیرت سے بھی محروم تھا۔

سید ہاشمی فرید آبادی اپنی تاریخ ہند میں لکھتے ہیں :۔

"بادشاہ گر سادات کے خاتمے اور محمد شاہ کی قوت و اختیار بحال کرنے کی ملک بھر میں عام طور پر خوشی منائی گئی لیکن یہ خوشی اگر جذبۂ بادشاہ پرستی پر نہیں بلکہ آئندہ نظم و نسق کی بہتری اور ملکی رفاہ و بہبود کی امیدوں پر مبنی تھی تو اس کا انجام بجز مایوسی کے سوا کچھ نہ تھا، کیونکہ اکبر و اورنگ زیب کا نیا جانشین، درحقیقت اپنے اقبال مند اجداد کی شاہانہ صفات سے عاری تھا

www.ahlehaq.org

اسے اپنے عیش و عشرت کے مشغلوں میں معاملات ملک پر توجہ کرنے کی فرصت نہ تھی، وہ محل سرائے شاہی کی بیگمات سے بھی زیادہ سلطنت کے حالات سے بے خبر اور اس کی خرابی کی طرف سے بے پرواہ تھا حتیٰ کہ اس کی دادی (شاہ عالم بہادر شاہ کی ملکہ مہر پرور) کی نسبت ہم جا بجا پڑھتے ہیں کہ وہ بھی اپنے مدہوش پوتے کو بار بار اس خواب غفلت سے بیدار کرنے کی کوشش کرتی تھی جس کا صریح نتیجہ زوال ولد بار تھا۔[1]

اس موقعہ پر ہم کو جادو ناتھ سرکار کی اس رائے کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے جو انہوں نے محمد شاہ کی کمزوریوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں:-

"محمد شاہ اگرچہ عزت کا مستحق نہیں، مگر رحم کا مستحق ضرور ہے، حالات نے اسے ایسی جگہ لا کھڑا کیا تھا جہاں کسی جغرافیائی (GENIUS) کی ضرورت تھی، مگر وہ ایک معمولی انسان تھا، مؤرخ اسے اس بات پر ملامت کرتے ہیں کہ اس نے کاروبار حکومت انجام دینے کے بجائے تعیش میں اپنا وقت صرف کیا، لیکن حالات کی ترجمانی یہ تھی کہ اس کے جیسا آدمی اگر کاروبار حکومت پر پوری توجہ دیتا تب بھی وہ حالات کا رخ نہیں موڑ سکتا تھا، رفیع الدرجات اور رفیع الدولہ جیسے لوگ کٹھ پتلیوں کی طرح اپنی ذلت کے احساس سے بھی عاری تھے لیکن محمد شاہ میں بدترین حالات اور انھیں سدھارنے میں اپنی لاچاری دونوں کا احساس موجود تھا۔"[2]

---

[1] تاریخ ہند از فرید آبادی کتاب سوم ص ۲۹۱

[2] FALL OF THE MUGHAL EMPIRE P.373-74

www.ahlehaq.org

غرض وہ سلطنت جو بابر کے عزم جہاں کشا اور اس کے استقلال اور جفاکشی سے قائم ہوئی تھی اور جس کو اس کے جانشینوں نے اورنگ زیب تک اپنے جوہر شجاعت اور غیرت تیموری سے قائم رکھا تھا اس عیش کوشی اور غفلت اور خود فراموشی کی منزل پر پہنچ گئی جو ساٹھ اور مطلق العنان سلطنتوں کی تاریخ بلکہ تقدیر بن گئی ہے۔ اقبال نے صحیح کہا ہے ۔

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

آخر اس کا نتیجہ وہی نکلا جس کو خود محمد شاہ نے ع

شامت اعمال ما صورت نادر گرفت

کے بلیغ مصرعہ میں ادا کیا۔ ۱۱۵۱ھ میں نادر شاہ نے دہلی کا رخ کیا۔ اس نے اس سے پہلے محمد شاہ کو کئی خط لکھے تھے لیکن بقول مورخ :۔

"یہاں ان دنوں عیش و عشرت کا زور شور تھا۔ محمد شاہ بادشاہ صاحب سریر سلطنت تن آسانی کے سوا کسی کام سے کام نہ تھا۔ ہر وقت ہاتھ میں جام اور بغل میں دلآرام تھا۔ کس کو دماغ تھا کہ نامہ کا جواب لکھتا"[۱]

نادر شاہ کے حملہ کی تفصیلات ہندوستان کی تاریخوں میں پڑھی جائیں۔ اس کے حملہ کے بعد دہلی کی جو حالت ہوئی (ذہن میں رہے کہ اس وقت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی عمر ۳۶ سال کی تھی اور وہ حجاز سے واپس تشریف لا چکے تھے) اس کا نقشہ مصنف تاریخ ہندوستان کی زبان سے سنئے۔

"نادر شاہ کے جانے کے بعد شہر مردوں سے پٹا پڑا تھا اور زندوں سے خالی تھا۔ مکانوں پر ویرانی برستی تھی۔ محلے کے محلے جلے پڑے تھے۔ مردوں کی سڑاند سے جی نکلا جاتا تھا۔

۱ تاریخ ہندوستان، ج ۹ ص ۲۵۱

www.ahlehaq.org

نہ کرنا کسی کو خاطر میں لانے والا تھا۔ اور دنگوں میں دخل کرنے والا تھا مگر ہندو مسلمان ایک ہو گئے اور جھیروں میں جل کر خاکستر ہو گئے۔ یہ تو شہر کی کیفیت تھی دربار کا حال یہ تھا کہ چند دنوں تو وہ بھاری غیبت سوار رہی۔ اور جب اٹھا تو اس کی آنکھوں میں اس قدر حسرت سما گیا تھا کہ دیکھنے سے گھن آتی تھی خزانے لٹ چکے اور مرہٹے تھے۔ خالصہ اور جاگیروں کا کہیں پتہ نہ تھا۔ سپاہ تباہ اور خستہ حال تھی۔ مرہٹوں کا بھی خوف بالکل نہیں گیا تھا جو صوبے ان کے قبضہ میں چلے گئے تھے وہ ان کے ہاتھ سے تباہ ہو گئے تھے ان سب مصیبتوں اور آفتوں پر درباریوں کا جھگڑا جو چکا ہو وہی ایک فریق تورانی امیروں کا تھا جن کے سرتاج آصف جاہ اور قمرالدین خاں وزیر تھے۔ دوسرا گروہ ان امیروں کا تھا جو ان کو خارج کرنا چاہتا تھا اور ان میں بادشاہ بھی شامل ہوتے۔ آگے چل کر مرہٹوں کا جھگڑا دائمی ہوا تو ان امیروں نے سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے آپس میں تقسیم کر لئے ہوتے۔ اور رفتہ رفتہ ان پر کوئی قبضہ کر دیا ہوتا۔[1]

جب نادر شاہ ہندوستان سے چلا گیا تو اول اس کا اثر یہ ہوا کہ سلطنت دہلی سے تین زرخیز صوبے بنگال، بہار، اڑیسہ علیحدہ ہو گئے۔ دوران میں جدا سی علی وردی خاں کی ایک ریاست قائم ہو گئی۔[2]

۲۷ ربیع الثانی ۱۱۶۱ھ (اپریل ۱۷۴۸ء) کو محمد شاہ مرض استسقاء میں مبتلا ہو کر دنیا سے رخصت ہوا اور بقول مصنف "تاریخ ہندوستان" کہ تیس سال سلطنت کر کے خاندان تیموریہ کو تباہی کے کنارہ پر پہنچا گیا۔[3]

---

[1] تاریخ ہندوستان ج ۹ ص [illegible] [2] ایضاً ص [illegible] [3] ایضاً ص [illegible]

www.ahlehaq.org

شاہ عالم ثانی

محمد شاہ کے زمانہ میں اگر سلطنت مغلیہ کا اخلاقی و انتظامی طور پر زوال ہوا اور ہندوستانی معاشرہ اور طبقۂ امراء کا رجحان الناس علی دین ملوکہم کے اصول کے مطابق عیش و عشرت تن آسانی اور لذت اندوزی کی طرف تیزی کے ساتھ ہوا تو شاہ عالم ثانی کے زمانہ میں جو (۱۷۵۹ء – ۱۸۰۶ء) میں تخت نشین ہوا سیاسی طور پر زوال اپنے آخری مرحلے تک پہونچ گیا۔ وہ اپنے پورے عہد حکومت میں دوسروں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنا رہا۔ بکسر کی لڑائی میں اودھ کے نواب شجاع الدولہ اور میر قاسم کی انگریزوں کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد ۱۷۶۴ء میں شاہ عالم نے انگریزوں کی اطاعت قبول کر لی اور ایک معاہدہ پر دستخط کر دیئے جس کی رو سے وہ انگریزوں کا وظیفہ خوار ہو گیا۔ ۱۷۶۵ء میں اس نے انگریزوں سے ایک معاہدہ کیا جس کی رو سے بنگال، بہار اور اڑیسہ کی دیوانی کے اختیارات محاصل کی تحصیل وصول کا انتظام ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھ آ گیا۔ شاہ عالم نے خود کو مرہٹوں کی پناہ میں دے دیا۔ اور الٰہ آباد اور کڑہ کے اضلاع اُن کی طرف منتقل کر دیئے۔

شاہ عالم ثانی کے عہد سے بہت پیشتر ہی پورا ملک مرہٹوں، سکھوں اور دہلی و آگرہ کے نواح کے جاٹوں کے رحم و کرم پر تھا، جو آندھی پانی کی طرح آتے اور پورے علاقہ کو تاراج کر جاتے، ملک میں کوئی طاقت امن و قانون قائم کرنے کے قابل نہ تھی۔[1] احمد شاہ ابدالی نے ۱۴ جنوری ۱۷۶۱ء کو پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کو شکست فاش دے کر ملک کو ان کے خطرے سے محفوظ کر دیا۔ اس نے شاہ عالم کو دہلی بلانے کی بڑی کوشش کی اور اپنا آدمی بھیجا، مجبور ہو کر اس کی والدہ نواب زینت محل نے بھی خط لکھوایا۔ اگر سلطنت مغلیہ میں تھوڑی سی بھی جان ہوتی اور شاہ عالم میں سلطنت کی

[1] تفصیل کتاب کے باب نہم میں ملاحظہ ہو۔

www.ahlehaq.org

صلاحیت ہوتی تو وہ جنگ پانی پت کے تجربے سے فائدہ اٹھا کر ہندوستان میں اپنا اقتدار بحال کر لیتا لیکن سلطنت بے روح، اور بادشاہ عزم و ہمت ہی نہیں، حمیت اور غیرت سے بھی عاری تھا۔ بقول اقبالؒ ۔

حمیت نام ہے جس کا، گئی تیمور کے گھر سے

بادشاہ پورے دس برس کے بعد ۱۷۷۱ء میں الٰہ آباد سے دہلی آیا، وقت گزر چکا تھا، اس لئے وہ پانی پت کی اس عظیم الشان فتح اور مرہٹوں کی شکست سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکا۔ وہ یہاں آکر نئے فتنوں، امراء کے جوڑ توڑ، روہیلوں کی نئی طاقت اور سکھوں کے حملوں سے دوچار ہوا، بالآخر نجیب اللہ روہیلہ کے پوتے غلام قادر روہیلہ نے ۱۷۸۸ء میں دہلی پر قبضہ کر لیا، شاہی محل لوٹا، شہزادیوں کو کوڑے لگوائے اور سلطنت تیموریہ کے وارث مغل شہنشاہ کی آنکھیں نوک خنجر سے نکالیں، سلطنت مغلیہ اور اس کے مالک و وارث کی بے حرمتی و بے آبروئی اس سے پہلے ایسی کبھی نہیں ہوئی تھی۔

۱۷۸۹ء میں سندھیہ نے غلام قادر کو بڑے دردناک طریقہ پر قتل کیا، اور شاہ عالم کو دوبارہ تخت پر بٹھایا، نو لاکھ[1] روپیہ سالانہ اس کے اخراجات کے لئے مقرر کیا۔ چند دنوں کے بعد ۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک انگریزی فوج کے ساتھ دہلی میں داخل ہوا، مرہٹوں کو نکال دیا اور بادشاہ کی پنشن ایک لاکھ روپیہ سالانہ مقرر کر دی، شاہ عالم ۴۸ برس تخت نشین اور ۸۰ سال کا ہو کر ۱۸۰۶ء میں راہی ملک بقا ہوا۔

علمی و روحانی حالت

سیاسی انتشار، اجتماعی بدنظمی اور انحطاط کے باوجود یہ دور انفرادی طور پر علمی کمالات،

---

[1] تاریخ ہندوستان ج ۹ ص ۲۲۲، بعض انگریزی تاریخوں میں نوے ہزار بیان کی گئی ہے۔

www.ahlehaq.org

تدریس و تصنیف، احتساب، روحانی یکسوئی، باطنی ترقی اور نفوس کے تزکیہ و اصلاح کا دور تھا جس میں متعدد ایسی باکمال اور ممتاز شخصیتیں پیدا ہوئیں جن کو اس دورِ انحطاط سے کوئی مناسبت اور جن پر حالات سے یاس و ہراس کا کوئی اثر نہیں معلوم ہوتا، کہتے ہیں کہ بہت سے علمی و ادبی شاہکار ان افراد کی کوششوں اور کاوشوں کا نتیجہ ہیں جو کسی مزمن مرض میں مبتلا یا کسی معذوری اور اندرونی صدمہ کا شکار رہتے، علمائے نفسیات اس کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ ایسی حالت میں قوتِ مقابلہ اور اس مجبوری کی تلافی کا عزم ابھر آتا ہے اور آدمی سے ایسے کام کرا لیتا ہے جو معتدل (نارمل) حالات میں نہیں ہوتا، ہندوستان کے اس دور کا علمی اور روحانی پہلو اور اس دورِ انحطاط میں ایسی تعداد اور شخصیتوں کا ظہور ایک مریض اور بسترِ انحطاط معاشرہ کی اندرونی قوت مقابلہ کا ثبوت اور اسلام کی مردم آفرینی اور آدم سازی کی صلاحیت کی دلیل ہے وفورِ علم، ذہانت، قوتِ تدریس اور حسنِ تصنیف کے لحاظ سے ہمیں اس دور میں ملا احمد بن ابوسعید عرف ملا جیون امیٹھوی (۱۰۴۷ھ — ۱۱۳۰ھ) صاحبِ نور الانوار و تفسیراتِ احمدیہ ملا حمد اللہ سندیلوی (م ۱۱۶۰ھ) صاحبِ شرحِ سلّم مشہور بہ حمد اللہ، مولانا محمد حسن معروف بہ ملا حسن فرنگی محلی صاحبِ شرح سلّم مشہور بہ ملا حسن (م ۱۱۹۹ھ) مولانا رستم علی قنوجی (م ۱۱۷۸ھ) شیخ صفۃ اللہ خیرآبادی (م ۱۱۱۸ھ)، شیخ علی اصغر قنوجی (م ۱۱۴۰ھ) مولانا غلام علی آزاد بلگرامی (۱۱۱۶ھ — ۱۲۰۰ھ) مولانا غلام نقشبند لکھنوی (م ۱۱۲۶ھ) قاضی محب اللہ بہاری (م ۱۱۱۹ھ) مصنفِ سلّم العلوم و مسلّم الثبوت (جنھوں نے تقریباً ایک صدی تک ہندوستان کے علماء و مدرسین کو ان دونوں کتابوں کی شرح و تحشیہ میں مشغول رکھا اور ان کی کتابیں مصر تک کے علماء و کبار اور اساتذۂ ازہر کی مرکزِ توجہ بنیں) قاضی مبارک گوپاموی (م ۱۱۶۲ھ) مصنفِ شرح سلّم معروف بہ قاضی، مولانا محمد اعلیٰ تھانوی مصنفِ کشاف اصطلاحات الفنون (جو اپنے موضوع پر بے نظیر کتاب

www.ahlehaq.org

ہے) اور سب سے اول و آخر میں ملا نظام الدین لکھنوی (م ۱۱۶۱ھ) جن کے ترتیب دیئے ہوئے درس کا سکہ ہندوستان سے بخارا و سمرقند تک رواں ہے اور جن کو مصنف "نزہۃ الخواطر" نے "غیث الإفادة المهتون، العالم بالرسم المكنون، أستاذ الأساتذة وإمام الجهابذة"[1] کے القاب سے یاد کیا ہے جیسے سرآمد روزگار اور فخر بلاد و امصار عالم ہوئے ہیں، بلکہ ایک پوری علمی تحریک اور سلسلۂ تدریس و تربیت کے بانی اسی صدی کے رجال و اعیان میں تھے۔

سلوک و طریقت کے لحاظ سے دیکھئے تو اس صدی میں حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ (م ۱۱۹۵ھ) سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کی ہستی ہو بہ اختیار تھی جن کے متعلق خود حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی شہادت ہے کہ "ہر زمانہ میں ایسے بزرگ زیادہ تعداد میں پائے نہیں جاتے، چہ جائیکہ ایسے زمانہ میں جو فتنہ و فساد سے پُر ہے"[2]

سلسلۂ قادریہ کے مشہور بزرگ اور ملا نظام الدین بانی درس نظامی کے مرشد حضرت سید عبدالرزاق بانسوی (م ۱۱۳۶ھ) سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کے مجدد شاہ کلیم اللہ جہان آبادی (م ۱۱۴۲ھ) اور اسی سلسلہ کے ناشر امام شاہ فخر الدین (شاہ فخر دہلوی) (م ۱۱۹۹ھ) سلسلۂ قادریہ کے مشہور شیخ شاہ محمد غوث قادری لاہوری (م ۱۱۵۲ھ) سلسلۂ نقشبندیہ کے شیوخ کاملین شیخ محمد عابد سنامی (م ۱۱۶۰ھ) خواجہ محمد ناصر عندلیب (والد خواجہ میر درد) (م ۱۱۷۲ھ) شاہ محب اللہ الہ آبادی اور حضرت شاہ نور محمد بدایونی (م ۱۱۳۵ھ) اس عہد میں مسند آرا اور فیض رساں نظر آتے ہیں، غرض یہ زمانہ سلاسل ثلاثہ قادریہ چشتیہ نقشبندیہ کے شیوخ و انتشار کا زمانہ تھا، اور تینوں سلسلوں کے شیوخ کاملین موجود تھے[3]۔ حضرت شاہ عبدالعزیز

---

[1] ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر ج ۶۔ [2] کلمات طیبات ص ۱۷۵۔ [3] یہ اسمائے گرامی اور ان کے سنین وفات اور امتیازی خصوصیات نزہۃ الخواطر تصنیف مولانا حکیم سید عبدالحیؒ حسنی جلد ششم سے اخذ کئے گئے ہیں۔

رحمۃ اللہ علیہ کا ملفوظ ہے:-

در عہد محمد شاہ بادشاہ بست و دو بزرگ صاحب ارشاد از ہر خانوادہ در دہلی بودند و ایں چنیں اتفاق کم می شود۔[1]	محمد شاہ بادشاہ کے زمانہ میں بائیس بزرگ صاحب ارشاد مختلف خانوادوں سے تعلق رکھنے والے دہلی میں موجود تھے اور ایسا اتفاق کم ہوتا ہے۔

اخلاقی و معاشرتی پستی

لیکن ان نامور اہل کمال اور ایسے نفوس قدسیہ شیوخ کاملین کی موجودگی میں واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان کا مسلم معاشرہ اور خاص طور پر طبقۂ امراء سلطنت کے اثر سیاسی زوال، دولت کی فراوانی اور ایرانی تہذیب کے اثر سے اخلاقی زوال کے نقطۂ عروج کو پہونچ گیا تھا اور اسی وجہ سے وہ اس کردار کے ادا کرنے سے قاصر تھا جو طبقۂ امراء نے ہر دور میں انقلاب سلطنت کے موقعہ پر ادا کیا ہے۔ اسی طبقہ میں سے (جو SECOND LINE رہا ہے) وہ افراد سامنے آتے ہیں جنھوں نے اس خلا کو پُر کیا ہے جو سیاسی یا انتظامی میدان میں پیدا ہو جاتا تھا۔ سید ہاشمی فرید آبادی نے صحیح لکھا ہے:-

"ہندوستان کی دولت و ثروت نے خود اس طبقۂ امراء کو نہایت عیش پسند اور تن آسان بنا دیا تھا...... ہم ان امیروں کی ساری کوشش و قابلیت ادنیٰ اغراض کے لیے سازش اور ریشہ دوانی میں صرف ہوتے دیکھتے ہیں، انقلاب سلطنت اور حصول پادشاہی تو درکنار، کسی مسلمان امیر کو اپنے اپنے مقام پر علانیہ خود مختاری کا اعلان کرنے کی بھی جسارت نہ ہوئی اور اس عرصہ میں ادھر تو نظم و نسق کی اندرونی خرابیاں

---

[1] ملفوظات عزیزیہ ص

www.ahlehaq.org

بڑھتی رہیں اور امراء حکمراں طبقہ کے افراد سے انتظام حکومت کی اور اشتراک عمل کی صلاحیت ہی رفتہ رفتہ مفقود ہو گئی۔[1]

شاہ عبد العزیز صاحبؒ فرماتے ہیں:-

بخانہ قمر الدین خاں بدولت قلی خیر با	نواب قمر الدین خاں کے گھر میں عید تھی
از گلاب بی کر نذر خانہ دیگر نواب رسید	اخیر کا فصل گلاب کی تقریب تھی اور دوسرے
روپیہ گل و پان برائے عورات می رفت[2]	نواب کے گھر میں تیرہ سو روپیہ کے پھول پان اور
	پان عورتوں کے لئے جاتے تھے۔

مولانا غلام علی آزاد بلگرامیؒ مآثر الکرام میں لکھتے ہیں کہ:-

"اورنگ آباد کے لوگ باتفاق بیان کرتے ہیں کہ امیر الامراء حسین علی خاں کے عہد میں شہر کے اکثر لوگ اپنے گھر میں کھانا نہیں پکاتے تھے امیر الامراء کی سرکار کے باورچی خانہ حصہ بٹا کرتے تھے پر تکلف پلاؤ کی ایک قاب چند پیسوں میں ہر لوگوں کو مل جاتی تھی"[3]

اعتقادی کمزوری اور شرک و بدعات کا زور

اس معاشرتی اور اخلاقی پستی سے زیادہ خطرناک اور خدا کی نصرت سے محروم اور حقیقی طاقت سے عاری کرنے والی خرابی ضعیف الاعتقادی قرآن مجید کے اعلان "اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ"[4] کے خلاف بکثرت عوام کی زندگی مسلم معاشرہ میں بدعات کا زور ہندوؤں اور شیعوں کے بہت سے رسوم وعادات کی تقلید تھی شرک جلی کی ایسی متعدد صورتیں بہت سے مقامات اور حلقوں میں پائی جاتی تھیں

---

[1] تاریخ ہند کتاب سوم از مولوی سید ہاشمی فرید آبادی صفحہ ٣٢٣ تا ٣٢٤ حیدرآباد ١٩٣٦ء۔

[2] ملفوظات عزیزی۔ [3] مآثر الکرام ۔ ١٨ صفحہ [4] الزمر ۔ ٣

www.ahlehaq.org

جن کا کوئی عقلی توجیہ ممکن نہیں، کھلی ہوئی قبر پرستی، مشائخ کے لیے سجدۂ تعظیمی، مزارات اور اس کے قرب و جوار کا حرم کی طرح احترام، قبروں پر چادریں چڑھانا، منتیں ماننا، بزرگوں کے نام پر قربانی کرنا، مزارات کا طواف، وہاں میلہ لگانا، تہوار منانا، گانا بجانا اور چراغاں کرنا، اور مختصر الفاظ میں ان کو قبلہ و کعبہ اور ملجا و ماویٰ سمجھنا، کوئی ایسا واقعہ اور منظر نہ تھا جس کو دیکھنے کے لیے بہت دور جانے اور بہت دیر انتظار کرنے کی ضرورت ہوتی، شیخ سدو کا بکرا، سید احمد کبیر کی گائے، غازی میاں کے جھنڈے اور چھڑیاں، محرم کے تعزیے، غیر اسلامی تہواروں کو شان و شوکت سے منانا، بیماریوں کے دفع کرنے میں ارواح خبیثہ اور بعض اوقات دیوی دیوتاؤں کی رضا جوئی اور خوف، چیچک کی بیماری کا بھوانی کی تعظیم، انبیاء و صالحین کے لیے منتیں ماننا اور قربانیاں کرنا، اولیاء و بزرگوں کے نام سے روزے کی نیت کرنا اور ان سے اپنی حاجت براری اور مقاصد کی تکمیل کو وابستہ کرنا، اور اس سلسلہ میں خاص خاص دنوں میں کھانے (بی بی کی صحنک، مخدوم صاحب کا توشہ وغیرہ) اور ان میں خاص آداب کی پابندی، یہ اور ایسے بہت سے خرافات ہیں جن کے تحت توہمات، عقائد فاسدہ، رسوم جاہلیت اور التزامات اور پابندیوں کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ علی بخش، حسین بخش، پیر بخش، مدار بخش، اور سالار بخش، نام عام تھے۔

مذہب کے دائرہ میں عقیدۂ توحید اس مفہوم میں محدود ہو کر رہ گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی زمین و آسمان اور کائنات کا حقیقی خالق اور صانع ہے، وہی معبود حقیقی ہے اور سب سے بڑا وہی ہی مخدوم و مطاع ہے، لیکن اس نے سلاطین عالم کی طرح اپنی سلطنت کے بہت سے شعبے اور محکمے اپنے مقبول بندوں کے سپرد کر دیے ہیں، جن کے مالک و مختار ہیں اور وہ جو چاہیں کرتے ہیں، اب ان کو راضی کیے اور ان سے رابطہ قائم کیے بغیر اس سلسلہ میں کوئی کامیابی اور کار براری نہیں ہو سکتی۔ شرک صرف یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی اور ہستی کو اس دنیا کا صانع و خالق اور مالک حقیقی سمجھا جائے۔

www.ahlehaq.org

اور اس کو براہ راست عبادت و سجدہ کا ارجا توسل اور شفاعت کے خیال کے ماتحت سمجھا جاتا تھا۔[1]

غرض بارہویں صدی کا ہندوستان سیاسی، انتظامی، اخلاقی اور بہت حد تک عقائد کی حیثیت سے انحطاط و پستی کے اس نقطہ پر پہونچ گیا تھا جو اسلامی ملکوں کے زوال اور مسلم معاشرہ کی پستی کا افسوسناک اور خطرناک مرحلہ ہوتا ہے، مولانا سید سلیمان ندوی نے اس مجموعی صورت حال کا نقشہ اپنے ایک مضمون میں بڑی بلاغت و اختصار کے ساتھ کھینچا ہے، وہ لکھتے ہیں:-

"مغلیہ سلطنت کا آفتاب لب بام تھا، مسلمانوں میں رسوم و بدعات کا زور تھا، جھوٹے فقراء اور مشائخ اپنے بزرگوں کی خانقاہوں میں مسندیں بچھائے اور اپنے بزرگوں کی مزاروں پر چراغ جلائے بیٹھے تھے، مدرسوں کا گوشہ گوشہ منطق و حکمت کے ہنگاموں سے پرشور تھا، فقہ و فتاوی کی لفظی پرستش ہر مفتی کے پیش نظر تھی، مسائل فقہ میں تحقیق و تدقیق مذہب کا سب سے بڑا جرم تھا، عوام تو عوام خواص تک قرآن پاک کے معانی و مطالب اور احادیث کے احکامات و ارشادات اور فقہ کے اسرار و مصالح سے بے خبر تھے۔"[2]

---

[1] اس تصور توحید اور نقطۂ خیال کی توضیح شاہ صاحب کے اعتقادی اصلاح و تجدید کے باب میں تفصیل سے آئے گی وہاں ملاحظہ کی جائے۔ [2] مقالات سلیمانی ص ۲۲

بابِ سوم

شاہ صاحب کے اجداد و والد بزرگوار

شاہ صاحب کے اجداد

شاہ صاحب کے اجدادِ اولین کا زمانہ (جو شیخ شمس الدین مفتی کے زمانے سے شہر رہتک میں قیام پذیر رہے) ہندوستان کی علمی و تصنیفی تاریخ کا وہ عہد ہے جب یہاں تذکرے و تراجم کی تصنیف کا دور عام طور پر شروع نہیں ہوا تھا، زیادہ تر نامور مشائخ طریقت کے انفرادی تذکرے تھے، جن میں محبوب الٰہی سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا تذکرہ سیر الاولیاء (مرتبہ امیر خورد) خاص امتیاز رکھتا ہے، یا صلحاء و مشائخ وقت کے ملے جلے تذکرے تھے جن میں دو کتابیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ایک شاہ محمد بن حسن غوثی مندوی کی گلزارِ ابرار، (جس میں زیادہ تر ماندو و مالوہ کے صلحاء و مشائخ کا تذکرہ ہے) دوسرے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی اخبار الاخیار، اہل کمال اور نامور اشخاص کے تذکروں کی کمی تھی جن میں مختلف خاندانوں کے برگزیدہ اشخاص یا مختلف علاقوں کی ممتاز شخصیتوں کا (جو کسی سلسلہ کی بانی یا اس کی اہم کڑی نہیں تھیں) تعارف و تذکرہ ہو، ان تذکروں میں بھی قدرتاً مرکزی یا علاقائی دارالسلطنت اور اس کے اطراف اور ہندوستان کے مرکزی و تاریخی شہروں کی نامور شخصیتوں کا تذکرہ زیادہ ہے، جن کے حالات و کمالات سے واقفیت کے ذرائع معتدبہ

www.ahlehaq.org

آسانی سے میسر تھے، شاہ صاحب کا خاندان شیخ شمس الدین مفتی کے وقت سے جد بزرگوار شیخ وجیہ الدین کے عہد تک رہتک ہی میں رہا جس کو یہ مرکزیت یا اہمیت حاصل نہ تھی، اس لئے ان تذکروں میں بھی ان کے حالات و واقعات عام طور پر نہیں ملتے۔

یہ بات بالکل قدرتی تھی اور شاہ صاحب کے تذکرہ نویس یا اس خاندان کی تاریخ لکھنے والے کو سخت زحمت پیش آتی، اگر خود شاہ صاحب اپنے اجداد کے تذکرہ میں امداد فی مآثر الاجداد کے نام سے ایک مختصر رسالہ خود قلم بند نہ فرماتے[1]، اس میں بھی اجداد و بزرگوں کا تعارف و تذکرہ نہایت اجمال و اختصار کے ساتھ تھا اور جد بزرگ شیخ وجیہ الدین کا (بوجہ قرب زمانہ و قلت وسائط) نسبتاً تفصیل کے ساتھ تذکرہ کیا گیا ہے، انھیں اشارات کو لے کر مصنف حیات ولی مولوی حافظ محمد رحیم بخش مرحوم دہلوی نے اپنی رنگین انشاء پردازی سے بہت پھیلا کر لکھا ہے جو کتاب کے ۵۰ صفحے پر آیا ہے، انھوں نے شاہ صاحب کے اس بیان کی تذکروں اور دوسرے مستند اور قابل اعتماد ماخذ سے یا دوسری معاصر تاریخوں اور کتابوں سے جو حقائق اضافہ کئے ہیں ان میں صفحات تو سیاہ ہوئے ہیں کتاب اور مصنف کا نام بھی کہیں نہیں ہے، اس وجہ سے ہم صرف امداد فی مآثر الاجداد ہی پر اکتفا کریں گے۔

شجرۂ نسب

شاہ صاحب نے جو فاروقی النسب تھے، اس رسالہ کے شروع میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک اپنا شجرۂ نسب درج کر دیا ہے، شمس الدین مفتی جو اس خاندان میں سب سے پہلے رہتک آئے

---

[1] یہ رسالہ ۱۸ تقطیع پر ۲ صفحات پر آیا ہے اور شاہ صاحب کے پانچ رسائل کے مجموعہ میں شامل ہے جس کا مجموعی نام انفاس العارفین ہے ... مجموعہ مطبع احمدی دہلی سے انفاس العارفین کے نام سے ساتھ رسائل کا مجموعہ اضافہ شدہ ایک بار شائع ہوا ہے۔

www.ahlehaq.org

اور اسی طرح ثانی ان کے ایک بھائی سالار حسام الدین تھے، ان کی اولاد میں شاہ ارزانی بدایونی ایک بزرگ گذرے ہیں۔ ان کے خاندان کے نسب ناموں سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ یہاں پر شجرۂ نسب من و عن درج کیا جاتا ہے۔

"شاہ ولی اللہ بن الشیخ عبدالرحیم بن الشہید وجیہ الدین بن معظم بن منصور بن احمد بن محمود بن قوام الدین عرف قاضی قاذن بن قاضی قاسم بن قاضی کبیر عرف قاضی بدہ بن عبدالملک بن قطب الدین بن کمال الدین بن شمس الدین بن شیر ملک بن محمد عطا ملک بن ابی الفتح ملک بن عمر حاکم ملک بن عادل ملک بن فاروق بن جرجیس بن احمد بن محمد شہریار بن عثمان بن ماہان بن ہمایوں بن قریش بن سلیمان بن عفان بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب۔"[1]

سلسلۂ نسب میں کئی ناموں کے ساتھ "ملک" کا خطاب آتا ہے۔ شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"یہ زمانۂ قدیم میں تعظیمی لقب تھا، جیسے ہمارے زمانہ میں خان۔"

خاندان کی ہندوستان آمد

شاہ صاحبؒ کی روایت کے مطابق ان کے خاندان کے پہلے بزرگ جنہوں نے ہندوستان میں قیام اختیار کیا (اور غالباً وہی ہندوستان میں سب سے پہلے آئے) وہ شیخ شمس الدین مفتی تھے۔ ان واسطوں اور پشتوں کی تعداد اور ان کی طبعی اور تقریبی عمروں کے حساب سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ شمس الدین مفتی ساتویں صدی کے آخر یا آٹھویں صدی ہجری کے اوائل میں ہندوستان آئے ہوں گے

---

[1] ملاحظہ ہو الجزء اللطیف (مشمولہ مجموعہ رسائل حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مطبوعہ مطبع احمدی دہلی) و انفاس العارفین مطبوعہ مطبع مجتبائی (۱۳۳۵ھ) ... ص ... اس میں جو شجرۂ نسب درج ہے اس میں متعدد اغلاط اور نقائص ہیں جو غالباً طباعت کی غلطیاں ہیں، تصحیح کی ہے ... مجموعہ رسائل زیادہ قابل اعتماد ہے اس لئے اس سے شجرہ نقل کیا گیا۔

www.ahlehaq.org

جب تاتاریوں کے حملے سے عالمِ اسلام کا مشرقی حصہ زیر و زبر، خاندانوں کی عزتیں برباد، ان کے علمی اندوختے غارت اور ایران و ترکستان کے نامی گرامی شہر تاراج و بے چراغ ہو گئے تھے، تاریخ فیروز شاہی اور دوسری تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی زمانہ میں عراق، ایران، و ترکستان کے شریف و نجیب خاندان اور ذی علم و باکمال خانوادے کثرت سے ہندوستان آگئے جہاں ترکی النسل مسلمان خاندانوں کی حکومت تھی، اور جنھوں نے تاتاری حملہ آوروں کو ترکی بہ ترکی جواب دے کر ہندوستانی سرحدوں سے پسپا اور اس ملک کو نہ صرف ان کی غارت گری سے محفوظ بلکہ اپنی دین پروری اور معارف نوازی سے دار العلم اور ایک وسیع مدرسہ بنا دیا تھا، جہاں جا بجا درس کے حلقے، یادِ الٰہی اور تزکیۂ نفس کے مرکز، اور اہلِ قلم اور اہلِ تحقیق کے لئے سکون و اطمینان کے ساتھ اپنا کام کرنے کے مواقع تھے۔[1]

رہتک کا قیام

جیسا معلوم ہوتا ہے اور شاہ صاحب کے بیان سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ رہتک اُس وقت کی نئی اسلامی سلطنت کا ایک اہم شہر اور مغرب سے دہلی کی طرف آنے والی اسلامی افواج، مجاہدین، داعیانِ اسلام اور مشائخ و علماء کی دہلی سے پہلے کی ایک اہم منزل اور فرودگاہ تھی، شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ قریشی کی نسل سے پہلے جو بزرگ اس شہر میں آئے اور ان کی وجہ سے اسلامی شعائر کا غلبہ اور کفر و جاہلیت کا زوال ہوا، وہ شیخ شمس الدین مفتی ہی تھے، شاہ صاحب نے ان کی بعض کرامتوں کا بھی ذکر کیا ہے، جو ان کی بزرگی اور اس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے باعثِ استعجاب نہیں، اس زمانہ میں جو صاحبِ علم و فضل

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تاریخ دعوت و عزیمت" حصہ سوم صفحہ ۱۹-۲۰

www.ahlehaq.org

مسلمان اس شہر میں قیام کرتا تھا، اس کو قضا و احتساب کا عہدہ اور شہر کا نظم و نسق بھی سپرد ہو جاتا تھا لیکن اس زمانہ میں اس کو قاضی و محتسب کے لقب سے یاد نہیں کرتے تھے۔

شیخ شمس الدین مفتی سے شیخ وجیہ الدین تک

شیخ شمس الدین مفتیؒ کے انتقال کے بعد ان کی اولاد میں سب سے بزرگ فرزند کمال الدین مفتی ان کے بعد ان کے صاحبزادہ قطب الدینؒ ان کے بعد ان کے فرزند عبد الملک ان عہدوں پر فائز اور ان ذمہ داریوں کو پورا کرتے رہے، ان حضرات کے بعد قضا کا باقاعدہ ان اطراف میں تعین ہونے لگا، شیخ عبد الملک کے صاحبزادہ قاضی بڈھے اپنے خاندان کی اس روایت اور وجاہت کو قائم رکھا، ان کے دو لڑکوں سے ان کی نسل چلی، اس خاندان کی شادیاں رہتک کے صدیقیوں اور سونی پت کے سادات میں ہوئیں، شیخ محمود کی (جو شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے جد خاص ہوتے ہیں اور جنھوں نے عہدہ قضا ترک کر کے حکومت کے عہدوں کو سنبھالا) شادی سونی پت کے سادات میں ہوئی جن سے ایک صاحبزادہ شیخ احمد پیدا ہوئے، شیخ احمد نے صغر سنی ہی میں رہتک کو خیرباد کہا، اور شیخ عبد الغنی بن شیخ عبد الحکیم کے ساتھ سونی پت میں بود و باش اختیار کی، شیخ عبد الغنی نے اپنی صاحبزادی سے ان کا عقد کر دیا، اور مدت تک ان کی تربیت کی، اس کے بعد وہ رہتک آئے اور قلعہ کے باہر ایک عمارت بنائی اور اپنے اہل تعلق کو جمع کیا، ان کے صاحبزادہ شیخ منصور وجاہت، شجاعت اور حکومت کے فضائل کے جامع تھے، ان کی پہلی شادی شیخ عبد اللہ بن شیخ عبد الغنی کی صاحبزادی سے ہوئی، ان کے صاحبزادہ شیخ معظم اسم بامسمی اور باہیبت و وجاہت بزرگ تھے، شجاعت کا بڑا جوہر رکھتے تھے،

www.ahlehaq.org

واقعات عجیبہ کا ان سے صدور ہوا، شاہ صاحبؒ اپنے والد حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ شیخ منصور کی ایک راجہ سے جنگ ہوئی، لشکر کا میمنہ شیخ معظم کے سپرد کیا گیا، اس وقت ان کی عمر بارہ سال کی تھی، سخت معرکہ پیش آیا اور دونوں طرف کے بہت سے لوگ مقتول ہوئے، اسی درمیان میں کسی نے شیخ معظم سے کہہ دیا کہ ان کے والد شیخ منصور نے شربت شہادت نوش فرمایا اور لشکر اسلامی کو شکست ہوئی، یہ سن کر ان کی غیرت اسلامی اور رگ فاروقی حرکت میں آئی، وہ مردانہ وار حریف کے لشکر میں گھس گئے اور صفیں درہم برہم کرتے ہوئے بڑی کوشش کے بعد راجہ کے ہاتھی تک پہونچ گئے، ایک بڑا مخالف سردار مقابلہ میں آیا، انھوں نے تلوار کے ایک وار سے اس کے دو ٹکڑے کر دیئے، اس کے ساتھیوں نے شیخ معظم کو گھوڑے پر سے اتار لیا، لوگوں نے ان پر ہجوم کیا، اس راجہ نے سب کو ڈانٹا اور منع کیا اور کہا کہ ایسا نوعمر ایسی جواں مردی اور جرأت دکھائے یہ تو عجائبات زمانہ میں سے ہے، راجہ نے ان کے دونوں ہاتھ لے کر چومے اور بڑے احترام سے پیش آیا اور پوچھا کہ اتنا غصہ کیوں ہے؟ کہا کہ مجھے یہ اطلاع ملی کہ میرے والد شہید ہو گئے، میں نے ارادہ کیا کہ میں حملہ کروں اور مخالف لشکر کے سردار کو جب تک ٹھکانہ نہ لگا دوں دم نہ لوں، میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ یا ماروں یا مر جاؤں، راجہ نے کہا جس نے تم کو یہ اطلاع دی اس نے جھوٹ کہا، تمہارے والد زندہ ہیں اور ان کے جھنڈے وہ نظر آرہے ہیں، اسی وقت راجہ نے شیخ منصور کے پاس کسی کو بھیجا کہ ہم نے اس لڑکے کی خاطر صلح کر لی، اور جو کہا گیا اس کو منظور کیا اور واپس گیا۔

شاہ صاحبؒ اپنے والد صاحبؒ کی زبانی موضع کھوہ پور کے (جو شیخ معظم کی تعلقداری میں تھا) ایک معزز زمیندار کی یہ روایت بھی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ قریب ڈاکو اس گاؤں کے مویشیوں کو لوٹ لے گئے، اس وقت شیخ معظم تنہا وہاں تھے، ان کے عزیزوں اور

www.ahlehaq.org

فرزندوں میں سے کوئی نہ تھا، ان کو اس واقعہ کی اطلاع کی گئی، اس وقت دسترخوان لگ گیا تھا،
اور کھانا چن دیا گیا تھا، انھوں نے کسی عجلت اور پریشانی کا اظہار نہیں کیا، پورے اطمینان اور
معمول کے مطابق کھانے سے فراغت کی، ہاتھ دھوئے، پھر کہا ہمارے ہتھیار اور گھوڑا لے آؤ،
جب سوار ہو کر چلے تو زمینداروں میں سے بھی کچھ لوگ ہتھیار لگا کر ساتھ ہوئے، شیخ معظم نے سب کو
واپس کیا، اور فرمایا کہ میں اتنی تیزی سے جاؤں گا کہ تم میرے گھوڑے کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکو گے،
البتہ اس قصہ کے راوی کو جو دوڑنے میں گھوڑے کے برابر تھا، ساتھ لے لیا کہ وہ واقعہ کی
اطلاع لے سکے، پھر گھوڑا دوڑا کر ان ڈاکوؤں کو جو کئی منزلیں طے کر چکے تھے جا لیا، اور ان کو
غیرت دلا کر میدان میں مقابلہ کے لئے اتارا، اور تیر اندازی شروع کی، ان کی قادر اندازی و تیرافگنی
دیکھ کر اس پورے گروہ پر رعب طاری ہو گیا، انھوں نے فریاد کی کہ ہم توبہ کرتے ہیں، ہمیں معاف کیا جائے،
شیخ نے فرمایا کہ تمہاری توبہ یہ ہے کہ اپنے ہتھیار خود اتار دو، ہر ایک دوسرے کا ہاتھ باندھے، اسی
حالت میں مویشیوں اور سامان اور اس دست بستہ گروہ کو گاؤں تک لائے، ان لوگوں کے
مذہب کے مطابق ان سے قسم لی کہ اس بستی پر کبھی نظر نہ اٹھائیں گے، انھوں نے اس کی تعمیل کی۔

شیخ معظم کے سید نور اجمیر رسول پوری کی صاحبزادی سے تین صاحبزادے پیدا ہوئے، شیخ جمال،
شیخ فیروز، شیخ وجیہ الدین، شیخ وجیہ الدین شاہ صاحب کے حقیقی دادا ہیں۔

شاہ صاحب کے دادا شیخ وجیہ الدین شہید

شاہ صاحب نے اپنے حقیقی دادا شیخ وجیہ الدین شہید کے حالات قدرے تفصیل سے
لکھے ہیں، وہ فرماتے ہیں: ان میں تقویٰ اور شجاعت کی دونوں صفتیں جمع تھیں، والد صاحب
(شاہ عبدالرحیم صاحب) فرماتے تھے کہ میرے والد (شیخ وجیہ الدین) نے دن رات میں قرآن کے

www.ahlehaq.org

ور سیپارے پڑھنے کا وظیفہ مقرر کر رکھا تھا جس کو وہ سفر و حضر اور جنگ کی مسلسل تیاری دونوں حالتوں میں کبھی ترک نہیں کرتے تھے، جب عمر زیادہ ہوئی اور بصارت کمزور ہو گئی تو خط جلی کا ایک قرآن شریف اپنے ساتھ رکھتے تھے، سفر میں بھی کسی وقت اپنے سے جدا نہیں کرتے تھے۔ یہ بھی فرماتے تھے کہ وہ اپنے گھوڑے کو کبھی کسی کی کھیتی میں گھسنے نہیں دیتے تھے خواہ تمام لشکر کاشت کی ہوئی زمین پر گھوڑے دوڑاتا ہو، بعض اوقات اس بنا پر متبادل راستہ سے مشقت برداشت کر کے آگے چلتے۔ یہ بھی فرماتے تھے کہ کسی جنگ میں اگر سامان رسد کم ہو جاتا اور کھانے پینے کی چیزیں نایاب ہو گئیں تو ساتھی گاؤں کے مویشیوں کو زبردستی پکڑ کر کے ان سے اپنی غذا حاصل کر لیتے لیکن وہ ان سے مجتنب رہتے، جب دو تین فاقوں کی نوبت آ جاتی اور قوت جواب دے جاتی تو رزاق حقیقی رزق مہیا فرما دیتا، بعض مرتبہ وہ فکر میں ہوتے کہ دفعتہً ایک پہنچتے وہاں سے جتنے بقدر خوراک کے نکل آتے وہ اس کو صاف کرا دیا کرتے، کھجور لیتے اور تناول فرماتے۔ فرماتے تھے کہ میرے والد کا معاملہ شاگرد پیشہ لوگوں اور بوسہ چاپ رہنے والوں کے ساتھ ایسی نرمی اور انصاف کا تھا کہ بڑے بڑے متقیوں سے بھی ایسا کم دیکھنے میں آیا، یہ بھی فرماتے تھے کہ ایک سفر میں انھوں نے بعض آثار ولایت کا مشاہدہ کیا، بیعت کی اور اشغال صوفیہ کے ساتھ مشغول ہوئے، تقلیل کلام اور قلت اختلاط بالانام کو (جو صوفیائے باصفا کا شیوہ ہے) اپنا شعار بنا لیا، اور اس کی ایسی پابندی کی جو اس زمانہ کے صوفیوں میں بھی کم دیکھی گئی ہے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ والد صاحب ان کی شجاعت کا بہت ذکر کیا کرتے تھے، اس موقع پر شاہ صاحب نے والد صاحب کی زبانی ان کی نمایاں شجاعت اور تہور کے متعدد واقعات لکھے ہیں، بعض مرتبہ تنہا انھوں نے پورے پورے گروہ کا مقابلہ کیا، وہ لشکر شاہی میں مالوہ تک تشریف لے جاتے تھے، اپنے زمانہ کے اچھے اچھے شہسواروں اور بہادروں سے انھوں نے مقابلہ کیا

www.ahlehaq.org

اور بعض مرتبہ اپنے ساتھیوں یا افسروں کو جو مخالفت کی زد میں آگئے تھے عین موقع پر بچا لیا، ایک مرتبہ انھوں نے تین جنگ آزما بہادر ازبکوں کو جو کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے، زیر کیا، وہ فنونِ سپہ گری میں طاق تھے[1]۔

جنگِ برادران میں وہ عالمگیر بادشاہ کے ساتھ تھے، جب شاہ شجاع نے بنگالہ میں خروج کیا تو وہ عالمگیر کے لشکر میں تھے اور انھوں نے کارِ نمایاں انجام دیا، اور بڑی ہمت کے ساتھ پوری وفاداری اور استقامت کا ثبوت دیا[2]، ان کی مردانگی سے اس معرکہ میں عالمگیر کو فتح ہوئی، فتح کے بعد بادشاہ نے چاہا کہ منصب میں اضافہ کر دے، انھوں نے از روئے استغنا قبول نہیں کیا، بعض مرتبہ انھوں نے اپنے خاص احباب و رفقاء کے ساتھ حقِ دوستی ادا کیا اور خطرہ مول لے کر ان کی امداد کی[3]، شاہ عبدالرحیم صاحب نے ان کی قوتِ قلبی، بلند ہمتی، اولو العزمی، جواں مردی اور ضبط و بندی کے متعدد واقعات بیان کئے ہیں، اسی کے ساتھ ان کی ہمدردی و دل جوئی اور غریب پروری کے واقعات بھی لکھے ہیں۔

شیخ وجیہ الدین کی شادی شیخ رفیع الدین محمد کی دختر نیک اختر سے ہوئی، شیخ رفیع الدین قطب العالم کے فرزند تھے اور وہ حضرت شیخ عبدالعزیز شکر بار[4] کے صاحبزادہ، ان کے

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، انفاس العارفین ص [illegible]   [2] ایضاً ص [illegible]   [3] ایضاً ص [illegible]

[4] شیخ عبدالعزیز عباسی جونپوری ثم دہلوی (۸۹۸ھ - ۹۷۵ھ) کا شمار اکابر مشائخ چشتیہ میں ہے، شیخ حسن طاہر اور شیخ محمد جونپوری سے طریقہ چشتیہ میں اجازت حاصل کی تھی، نفس کی تواضع کا یہ حال تھا اور اخلاقِ عالیہ سے متصف، وحدۃ الوجود کا ذوق رکھتے تھے، خطوط میں اپنے نام سے پہلے ذرّۂ ناچیز لکھا کرتے تھے، اسی سے ان کے مذاق کا اظہار ہوتا ہے، عجیب اتفاق ہے کہ اسی سے ان کی تاریخِ وفات نکلتی ہے [illegible] (۹۷۵ھ) پہلا شخص ہے جس نے تفصیل ... [illegible] ... حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے ... [illegible] ... "الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ" میں [illegible] (نزہۃ الخواطر ج ۴ باختصار)

www.ahlehaq.org

تین صاحبزادے پیدا ہوئے، شیخ ابو الرضا محمد، شیخ عبد الرحیم، شیخ عبد الحکیم۔

شاہ عبد الرحیم صاحب کہتے ہیں کہ میرے والد (شیخ وجیہ الدین) ایک شب تہجد کی نماز پڑھ رہے تھے، ایک سجدہ میں اتنی دیر تک سربسجود رہے کہ خیال ہوا کہ شاید روح پرواز کر گئی، جب سر اٹھایا تو آپ سے اتنی دیر تک ساکت و صامت پڑے رہنے کے بارے میں میں نے دریافت کیا، فرمایا غیبوبت کی حالت پیدا ہو گئی تھی، اس میں شہید کے درجہ اور ثواب کا حال معلوم ہوا، میں نے حق تعالیٰ سے شہادت کی تمنا کی اور اس میں انتہائی عاجزی و زاری سے کام لیا کہ اس کی قبولیت کا (انکشاف ہوا، دکن کی جانب اشارہ ہوا کہ وہ شہادت کی جگہ ہوگی، والد صاحب فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد اگرچہ فوج کی ملازمت ترک فرما دی تھی اور اس شغل سے طبیعت کو نفرت ہو گئی تھی لیکن از سر نو اسباب سفر تیار کئے، گھوڑا خریدا اور دکن کی جانب متوجہ ہوئے، ان کا خیال تھا کہ یہ واقعہ سیواراء میں پیش آئے گا، جو اس وقت سلطنت اہل اسلام کے حدود سے خارج تھا اور وہاں کا حاکم مسلمانوں کے قافلے کے ساتھ بڑی بے حرمتی کے ساتھ پیش آیا تھا، لیکن جب برہانپور پہنچے تو وہاں منکشف ہوا کہ شہادت کی جگہ تو پیچھے چھوڑ آئے، وہیں سے واپس ہوئے، راستہ میں بعض سوداگروں کی جو صلاح و تقویٰ سے آراستہ معلوم ہوتے تھے صحبت و ہمراہی اختیار کی، قصبہ ہنڈیا سے چاہتے تھے کہ ہندوستان واپس آئیں کہ ایک دن ایک ضعیف العمر آدمی ملا کہ افتاں و خیزاں بھاگا جاتا تھا، ان کو اس کے حال پر رحم آیا، انھوں نے وجہ پوچھی، کہا کہ میں دہلی جانا چاہتا ہوں، فرمایا روزانہ نفقہ لیجیے ہماری ملازمت سے لے لیا کرو، وہ بڈھا اصل میں کفار کا جاسوس تھا، جب نربدا کی سرائے میں پہنچے تو جاسوس نے اپنے ساتھیوں کو خبر کر دی (کہ سوداگروں کا قافلہ اس سرائے میں ٹھہرا ہوا ہے) ڈاکوؤں کی ایک جماعت کثیر اس سرائے میں آئی، شیخ وجیہ الدین اس وقت تلاوت میں مشغول تھے، ان میں سے دو تین آدمی سامنے آئے

www.ahlehaq.org

اور کہا کہ وجیہ الدین کون ہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ میں ہوں۔ انھوں نے کہا کہ تم سے ہمیں کوئی کام نہیں ہم جانتے ہیں کہ تمہارے پاس کچھ مال نہیں اور تمہارا ہمارے گروہ میں سے ایک پر حق تک بھی ہے لیکن ان سوداگروں کو جن کے پاس ساز و سامان ہے ہم نہیں چھوڑیں گے چونکہ آپ کی غرض اصلی یہی اس سفر سے شہادت تھی، آپ رفاقت چھوڑنے پر راضی نہ ہوئے اور حملہ آوروں کے مقابلہ میں آگئے۔ آپ کو بائیس زخم آئے، آخری زخم میں سر مبارک جسد سے جدا ہو گیا، اس حالت میں بھی دیر تک تکبیر زبان پر جاری رہی۔ اور کچھ دور تک قاتلوں کا تعاقب بھی کیا،[1] بالآخر ایک جگہ گر گئے اور وہیں مدفون ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے شاہ عبد الرحیم صاحب کو یہ واقعہ دکھایا، انھوں نے دیکھا کہ وہ اپنے زخم دکھا رہے ہیں۔ شاہ صاحب نے جسد مبارک کو منتقل کرنے کا ارادہ بھی کیا، مگر اشارۂ غیبی نے ان کو اس سے باز رکھا۔

شاہ صاحب کے نانا شیخ محمد پھلتی

شاہ صاحب کے نانا حضرت شیخ محمد پھلتی تھے۔ ان کے خاندان کا وطن اول سندھ تھا[2] سلطان سکندر لودھی کے زمانہ میں یہ خاندان پھلت منتقل ہوا۔ آپ کے والد کا نام شیخ محمد عاقل تھا، وہ بچپن سے بڑے ہونہار اور زمانہ کے صلحا اور اہل دل کے منظور نظر تھے۔ حضرت سید آدم بنوری کے خلیفہ شیخ جلال نے ان کی ولادت سے پہلے ان کے مراتب عالیہ کی بشارت دی تھی۔ تعلیم انھوں نے اولاً شاہ صاحب کے چچا شیخ ابو الرضا محمد بن شیخ وجیہ الدین سے حاصل کی، اس کے بعد شاہ عبد الرحیم صاحب کے پاس گئے، ان سے بڑی مناسبت معلوم ہوئی، وہاں سے علم کی تحصیل کر کے

---

[1] ایسے واقعات بعض اور شہداء کے متعلق بھی کتابوں میں دیکھنے میں آئے ہیں۔ [2] ان کے حالات میں شاہ صاحب کا مستقل رسالہ العطیۃ الصمدیۃ فی الانفاس المحمدیۃ ہے جو ان کے مجموعہ رسائل میں شامل ہے کہ مطالعہ کے قابل ہے۔

www.ahlehaq.org

پھر پھلت واپس آئے، بذل وسخا، خود شکنی ورضا میں پایہ بلند رکھتے تھے، قوی التاثیر صاحب ارشاد تھے، شاہ صاحب نے ان کی اپنے استاد و مربی شاہ عبدالرحیم صاحب کے ساتھ اطاعت و انقیاد اور تسلیم و رضا کے متعدد واقعات لکھے ہیں۔[1] ان کو شاہ صاحب سے اجازت بھی حاصل ہوئی۔ ان کے صاحبزادہ شیخ عبیداللہ تھے، جو شاہ صاحب کے ماموں اور خسر اور شاہ صاحب کے خلیفۂ اجل حضرت شیخ محمد عاشق پھلتی کے والد ماجد تھے۔[2] شاہ صاحب نے حضرت شیخ محمد پھلتی کی قوت تاثیر اور افادہ و افاضہ کے متعدد واقعات لکھے ہیں۔[3] شیخ محمد کی وفات ۹ جمادی الآخر ۱۱۵۰ھ کو ہوئی۔[4]

شاہ صاحب کے عم محترم شیخ ابوالرضا محمد

حضرت شیخ ابوالرضا محمد حضرت شیخ وجیہ الدین کے فرزند اکبر اور شاہ صاحب کے بڑے چچا ہیں۔ شاہ صاحب نے انفاس العارفین میں اپنے والد بزرگوار کے بعد ان کا مستقل تذکرہ لکھا ہے، ان کو امام الطریقہ والحقیقہ کے بلند الفاظ سے یاد کیا ہے، شاہ صاحب کے نزدیک (اگرچہ انھوں نے اساتذۂ وقت سے تعلیم پائی تھی) ان کے علوم زیادہ تر وہبی تھے۔ اپنے والد صاحب کی اجازت و ایماء سے ایک امیر کی سرکار میں آمد و رفت شروع کی، مگر ناگاہ جاذبۂ توفیق الٰہی نے ان کو اس سے باز رکھا اور تجرید تام اور توکل کلی اور عمل بالسنہ کو اپنا شعار بنایا، زوجۂ محترمہ کو بھی "إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا"[5] پر عمل کرتے ہوئے اختیار دیا کہ اگر فقر و فاقہ برداشت ہے تو ہمارے ساتھ رہو، ورنہ میکے چلی جاؤ، انھوں نے بھی

---

[1] ص [illegible] [2] حضرت شیخ محمد عاشق پھلتی کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر ج ۶

[3] ص [illegible] [4] ص [illegible] [5] الاحزاب ۔ ۲۸

ازواج مطہرات کی سنت پر عمل کرتے ہوئے فقر وفاقہ کو ترجیح دی اور قناعت نہیں چھوڑی، اکثر متواتر دو تین تین فاقے ہو جاتے تھے۔ سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ سے نسبت خاص حاصل تھی اور سیدنا علی المرتضیٰؓ سے محبت خاص اور مناسبت باختصاص حاصل تھی۔[1] عالمگیر بادشاہ نے کئی مرتبہ زیارت کا ارادہ کیا قبول نہیں فرمایا، امراء و اہل دُوَل کی طرف بالکل التفات نہیں تھا، البتہ جوتے بنانے والوں اور پانی کا کام کرنے والوں اور ایسے ہی پیشہ وروں کی طرف بڑی توجہ فرماتے تھے، اگر وہ چار یا پانچ پیسے ہدیۃً نذر کرتے تو بڑی خوشی سے قبول فرماتے۔

شاہ صاحب نے ان کے تعارف میں قوی العلم، فصیح اللسان، عظیم الورع، وسیع المعرفہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں، زیبا صورت، طویل القامت تھے، رنگ گورا، داڑھی ہلکی، نرم کلام تھے، جمعہ کی نماز کے بعد وعظ کہتے تھے، اور تین حدیثیں زبانی سناتے تھے، پھر فارسی میں، اس کے بعد ہندی (ریختہ) میں ان کا ترجمہ کرتے تھے، اور ان احادیث کے مطالب پر روشنی ڈالتے تھے، لیکن اعتدال و اختصار کے ساتھ، پہلے ہر فن کی ایک کتاب پڑھاتے تھے، اور لوگ ان کی تقریر کے ذوق میں بہت جمع ہو جاتے تھے، آخر میں صرف دو سبق رہ گئے تھے، ایک بیضاوی کا ایک مشکوٰۃ کا، وحدۃ الوجود کے قائل تھے اور اس بارے میں صاحب تحقیق تھے، صوفیا کے متعلق ملفوظات کی خوب شرح کرتے تھے، مستجاب الدعوات تھے، شاہ صاحب نے ان کی محبوبیت واجتبائی شان کے بہت سے واقعات لکھے ہیں،[2] سنتوں کے ادا کرنے کا بڑا اہتمام تھا، کبیر کے عارفانہ دوہے کبھی کبھی پڑھتے تھے، شاہ صاحب نے ان کے کشف و کرامات کے متعدد واقعات لکھے ہیں۔[3] شاہ صاحب نے بڑی تفصیل سے ان کے ملفوظات درج کئے ہیں جن کا پڑھنا اور

۱؎ انفاس العارفین صفحہ ۹۹ ۲؎ ایضاً صفحہ ۱۰۰ ۳؎ ایضاً صفحہ ۱۰۲

www.ahlehaq.org

ان سے مذکورہ اشغال بھی اس زمانہ میں مشکل ہے، اس لئے ان کو ترک کیا جاتا ہے۔[1] عمر باسٹھ اور ترساٹھ کے درمیان تھی کہ ۲۹ محرم الحرام ۱۱۷۶ھ کو نماز ظہر کے بعد سفر آخرت اختیار کیا، آفتاب کے لفظ سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔[2]

والد بزرگوار حضرت شاہ عبدالرحیمؒ

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اپنے والد بزرگوار حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کے حالات، کمالات و کرامات میں خود ایک مفصل کتاب تحریر فرمائی ہے، جس کا نام عربی میں "بوارق الولایۃ" اور مشہور نام "انفاس العارفین"[1] ہے، ایک باکمال فرزند کے قلم سے باکمال پدر بزرگوار کے حالات میں شستہ، مؤثر اور ذمہ دارانہ طریقہ پر مستقل کتاب لکھنے کی اسلام کی علمی تاریخ میں زیادہ مثالیں نہیں ملتیں، اس سلسلہ میں علامہ تاج الدین سبکیؒ کا اپنی شہرۂ آفاق کتاب "طبقات الشافعیۃ الکبریٰ" میں اپنے والد ماجد علامہ شیخ تقی الدین السبکیؒ کا مفصل تذکرہ[2] اور فخر المتاخرین ابوالحسنات مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلیؒ کا اپنے والد بزرگوار مولانا عبدالحلیم لکھنوی کے حالات میں مستقل رسالہ "حسرۃ العالم بوفاۃ مرجع العالم"[3] کو بطور نمونہ پیش کیا جاسکتا ہے۔

اس کتاب میں سے زیادہ تر وہ حالات و واقعات انتخاب کئے جائیں گے جو ان کی شخصیت پر روشنی ڈالتے ہیں، اور جن سے ان کے علمی، دینی اور روحانی پایہ کا کچھ اندازہ

---

[1] انفاس العارفین ص ۱۹۴۔۱۹۵   [2] ایضاً ص ۱۹۲

[1] پہلی مرتبہ مطبع احمدی میں اردو ترجمہ سے آراستہ ہو کر دیانہ مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوا، راقم نے ندوہ والا نسخہ جامعہ میں نظر سے گزرا   [3] یہ ایک ۲۰ صفحات کا رسالہ ہے۔

www.ahlehaq.org

ہو سکتا ہے اور خود شاہ صاحب کی زندگی اور رجحان اور مزاج و مذاق کی تشکیل میں ان عوامل نے جو بنیادی کردار ادا کیا ہوگا اس کے تعین میں مدد مل سکتی ہے۔ کرامات و کشوف، روحانی تجربات و تجلیات کا (جس کا وہ خاص دور اور صاحب تذکرہ کو اس سے خاص مناسبت تھی) زیادہ ذکر نہیں کیا جائیگا کہ ان کا فہم و ادراک بھی اس زمانہ کے لوگوں کے لئے مشکل ہے اس کے لئے اصل کتاب کی طرف رجوع مناسب ہوگا، صرف اجمالاً اتنا لکھنا ضروری ہے کہ شاہ صاحب کے حالات ایک اعلیٰ روحانی استعداد اور فطری و باطنی کمال پر دلالت کرتے اور اولیائے متقدمین کی یاد تازہ کرتے ہیں، جن کی استعداد میں نہایت قوی، زمانہ نہایت مساعد اور ماحول نہ صرف سازگار بلکہ محرک و مشوق تھا، اور كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ[1] کے بموجب اس میدان میں اللہ تعالیٰ کی قدرت، اس کی تربیت اور اس کی تجلیات کا ظہور تھا، اور كُلًّا نُّمِدُّ هَٰؤُلَاءِ وَهَٰؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ ۚ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا[2] (ان کو اور ان کو سب کو تمہارے پروردگار کی بخشش سے مدد دیتے ہیں اور تمہارے پروردگار کی بخشش (کسی سے) رکی ہوئی نہیں ہے) کی تفسیر۔

شاہ عبدالرحیم صاحب کے نانا (جو خود بڑے پایہ کے بزرگ تھے) شیخ رفیع الدین نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں اپنا اثاثہ اپنے وارثوں کے درمیان تقسیم کر دیا، اپنی اولاد میں ہر ایک کو اس کے حسب حال سامان دیا، شاہ عبدالرحیم صاحب کی والدہ ان کی سب سے چھوٹی اولاد تھیں جب ان کی باری آئی تو ان کو طریقت کے فوائد و اوراد اور مشائخ کا شجرہ عنایت فرمایا، شاہ رفیع الدین صاحب کی اہلیہ محترمہ نے کہا کہ ابھی اس بچی کی شادی بھی نہیں ہوئی اس کو جہیز کا سامان دینا چاہئے تھا، انہوں نے یہ مسائل فرمایا کہ یہ مسائل ہمیں اپنے بزرگوں سے ترکہ میں ملے ہیں، اس بچی کا ایک فرزند ہوگا جو ہماری اس معنوی میراث کا مستحق ثابت ہوگا، جہاں تک

---

[1] سورۃ الرحمٰن — ٢٩
[2] سورۃ الاسراء — ٢٠

www.ahlehaq.org

جہیز وشادی کے سامان کا تعلق ہے انشاء اللہ اس کا انتظام فرمائے گا، ہمیں اس کی فکر نہیں۔ شاہ عبدالرحیم صاحب فرماتے ہیں کہ جب میں پیدا ہوا، اور کچھ سیانا ہوا تو میری نانی نے وہ سامان میرے حوالے کیا، اور میں نے اس سے فائدہ اٹھایا۔[1]

شاہ عبدالرحیم صاحب کی ولادت کا سنہ کہیں صراحتاً نہیں ملتا، لیکن چونکہ انھوں نے ۱۱۳۱ھ میں وفات پائی اور ۷۷ برس کی عمر ہوئی، اس لئے سنہ ولادت ۱۰۵۴ھ ہونا چاہئے۔[2]

شاہ عبدالرحیم صاحب تین بھائی تھے، شیخ ابوالرضا محمد، شیخ عبدالحکیم اور شاہ عبدالرحیم۔

شاہ عبدالرحیم صاحب فرماتے ہیں کہ میں کم عمری ہی میں سر پر پگڑی باندھ کر سر بزانو بیٹھتا، وضو میں تمام اعضاء کو پورے طور پر دھوتا اور وضو کی سنتوں کا اہتمام کرتا، میرے ماموں شیخ عبدالحی جو خود صالح بزرگ تھے، دیکھ کر خوش ہوتے اور فرماتے کہ اس کو دیکھ کر اطمینان ہوتا ہے کہ اسلاف کی یہ دولت ہماری نسل میں باقی رہے گی، اگر پوتوں کو نہ ملی تو کیا حرج ہے نواسے اس کے حامل و محافظ ہوں گے۔[3]

شاہ عبدالرحیم صاحب کی بچپن ہی سے طبیعت دین کی طرف مائل اور دنیا کی دولت و عزت سے اجابت تھی، جو بزرگ کوئی ایسا وظیفہ بتانا چاہتے جس سے دنیا کا کوئی مقصد حاصل ہوتا اس کی طرف توجہ نہ کرتے اور کہتے مجھے اس کی ضرورت نہیں، ایک نقشبندی بزرگ تھے جن کا نام خواجہ ہاشم تھا اور بخارا سے تشریف لاکر شاہ صاحب کے محلہ ہی میں فروکش تھے، ان کی طبیعت کا یہ انداز دیکھ کر ان کو نقش بتایا[4]

۱؎ انفاس العارفین ص ۲   ۲؎ ایضاً ص ۳   ۳؎ ایضاً ص ۲

۴؎ شاید مراد دل پر اللہ کا نام نقش کرنے کے لئے کاغذ پر اسم ذات کو کثرت سے لکھواتے ہیں تاکہ وہ ذہن پر نقش ہو جائے، یہ یادداشت کے لئے ایک طریقۂ علاج تھا۔

www.ahlehaq.org

مطالعہ کرتے تھے ایک بار شاہ صاحب فرماتے تھے کہ مجھ پر اس کا ایسا غلبہ ہوا کہ میں نے حاشیہ عبدالحکیم کا حاشیہ جو شرح عقائد پر ملا عبدالحکیم کا حاشیہ ہے بلا مطالعہ نقل کرنا شروع کیا، پورے ایک جزو پر اسی طرح لکھتا چلا گیا، اور مجھے شعور نہ ہوا۔[۱]

شاہ صاحب حضرت خواجہ باقی باللہ کے صاحبزادہ شیخ عبداللہ مشہور بہ خواجہ خورد کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے جو بڑے عارف تھے، بعض غیبی اشارات اور روحانی بشارات کی بناء پر انھوں نے ان سے بیعت کی درخواست کی، انھوں نے خیر خواہانہ مشورہ دیا کہ سید آدم بنوری کے خلفاء میں سے کسی ایسے شیخ سے جو تشرع اور ترک دنیا اور تہذیب نفس میں راسخ القدم ہو اس سے بیعت کرلو، میں نے کہا کہ ہمارے جوار میں حضرت کے خلفاء میں حافظ سید عبداللہ تشریف رکھتے ہیں، فرمایا بہت غنیمت ہیں، جلد ان سے بیعت ہو جاؤ، میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اگرچہ ان پر استغراق و ذہول (بے تشانی) کا غلبہ تھا، انھوں نے پہلی درخواست پر بیعت فرمالیا، میں دونوں بزرگوں خواجہ خورد اور سید عبداللہ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا، اور ان کے فیض صحبت سے مستفیض، حافظ سید عبداللہ کی بھی توجہ میری جانب بہت تھی، شاہ عبدالرحیم صاحب کی جانب تھی، ایک مرتبہ فرمایا کہ تم بچے تھے اور بچوں میں کھیل رہے تھے میری طبیعت کی تمہاری طرف کشش ہوئی، میں نے دعا کی کہ خدایا اس بچہ کو اولیاء میں شامل فرما اور اس کا کمال میرے ہاتھ سے ظاہر ہو، الحمد للہ کہ اس دعا کا اثر ظاہر ہو گیا۔[۲]

تعلیم

شاہ عبدالرحیم صاحب نے چھوٹے رسائل سے شرح عقائد اور حاشیہ خیالی تک اپنے برادر بزرگ

---

[۱] ایضاً ص۵ [۲] حافظ سید عبداللہ کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو انفاس العارفین از ص۲۵-۱۱ [۳] ایضاً ص۱۱

ابوالرضا محمد سے پڑھے البتہ کتابیں مرزا زاہد ہروی (مشہور بہ میر زاہد) سے پڑھیں فرماتے تھے کہ شرح مواقف اور اصول کی ساری کتابیں مرزا زاہد سے پڑھیں ان کی بھی خصوصی توجہ تھی، یہاں تک کہ اگر میں کسی دن کہتا کہ آج میں نے مطالعہ نہیں کیا ہے تو فرماتے کہ ایک دو سطر پڑھ لو تاکہ ناغہ نہ ہو، خواجہ خورد سے بھی حاشیہ خیالی وغیرہ کے مشکل مقامات میں رجوع کیا اور تشفی ہوئی، بعض اوقات ایسا ہوا کہ کسی کتاب کا ابتدائی حصہ پڑھا اور آخر تک اس کا درس خود دیا، خواجہ خورد شاہ عبدالرحیم صاحب کے نانا شیخ رفیع الدین کے شاگرد تھے اور خواجہ خورد نے ان سے علمی و باطنی دونوں طرح کا استفادہ کیا تھا اس لئے وہ ان کے ساتھ بڑی خصوصیت اور احترام کے ساتھ پیش آتے تھے۔

حافظ سید عبداللہ کی وفات کے بعد شاہ عبدالرحیم صاحب نے سلسلہ ابو العلائیہ احراریہ کے ایک بلند مرتبہ خلیفہ شیخ ابوالقاسم اکبر آبادیؒ سے رجوع کیا، امیر نور العلا سے بھی استفادہ کیا، خلیفہ ابوالقاسم نے شاہ صاحب کو اجازت بھی دی، خلیفہ صاحب شاہ عبدالرحیم صاحب کی تعظیم و خصوصی خیال اس لئے بھی کرتے تھے کہ ان کو شاہ عبدالرحیم صاحب کے جد امجد شیخ عبدالعزیز شکر بار سے بھی خصوصی نسبت تھی۔

شاہ صاحب نے انفاس العارفین میں شاہ عبدالرحیم صاحب کے اپنے زمانہ کے مشائخ و اولیاء اور مجاذیب سے ملاقاتوں اور ان کی توجہ خصوصی کے بہت سے واقعات لکھے ہیں کہ

لہ شیخ ابوالقاسم شیخ ولی محمد نارنولی کے خلیفہ تھے اور وہ میر ابو العلاء حسینی اکبر آبادی کے، شیخ ابو العلاء نے خواجہ عبید اللہ احرار کا زمانہ پایا اور ان کی صحبت اٹھائی لیکن اجازت شیخ ولی محمد نارنولی سے پائی، وفات ۱۰۶۱ھ، ان ہی سے ابو العلائی احراری سلسلہ ہے جو چشتیت و نقشبندیت کا امتزاج ہے، ایک مشہور سلسلہ جس کے شیخ سید محمد ترمذی تھے اسی سلسلہ سے تعلق رکھتا ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۲۲)

یہ زمانہ جذب و سلوک، تجرد طلبی، عشق الٰہی اور درویشی کا گویا موسم بہار تھا، اور ایسے حضرات کی کثرت تھی جو اس کا ذوق رکھتے تھے اور روحانی اور باطنی کمالات سے آراستہ تھے۔[1] انھوں نے شاہ صاحب پر خاص توجہ فرمائی اور ان سے شاہ صاحب کی اچھی صحبتیں رہیں۔ شاہ صاحب نے حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کے کشف ارواح وغیرہ کے بہت سے واقعات لکھے ہیں، جن سے ان کی باطنی قوت کا اندازہ ہوتا ہے۔[2] اسی طرح ان کے اشراقات اور کرامات کے واقعات درج کئے ہیں۔ اس کے بعد شاہ صاحب نے بہت تفصیل سے ان کے ملفوظات درج کئے ہیں۔[3] ملفوظات سے ان کی دقت نظر، غیر معمولی ذہانت اور اعلیٰ استعداد علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں والد صاحب کا عمل اکثر امور میں مذہب حنفی کے موافق تھا لیکن بعض مسائل میں حدیث کے مطابق یا اپنے وجدان سے کسی دوسرے مذہب فقہی کو بھی ترجیح دیتے تھے۔ ان تفردات یا استثناءات میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا پڑھنا، جنازہ میں بھی سورہ فاتحہ پڑھنا تھا۔[4]

کم سنی سے خواجہ خورد کی خدمت میں حاضر ہونے اور ان سے روحانی و علمی استفادہ اور ان کی شخصیت و باطنی کمالات سے متاثر ہونے نیز خواجہ ابو القاسم اکبرآبادی سے بھی روحانی تربیت حاصل کرنے کی بنا پر (جو اس سلسلہ ابو العلائیہ میں صاحب اجازت تھے جو حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت خواجہ باقی باللہ کے واسطہ کے بغیر خواجہ عبید اللہ احرار اور سلسلہ نقشبندیہ کے مشائخ کبار تک پہونچتا تھا) نیز انھوں نے امیر نور العلاء ابن امیر ابو العلاء

---

[1] ملاحظہ ہو تذکرہ حالات حضرت ایشاں بساگرامی اشرف از محمد زیب وغیرہ، ص ۳۹-۴۲

[2] ملاحظہ ہو انفاس العارفین ص ۳۰-۳۵ [3] ایضاً ص ۴۱-۴۵ [4] ایضاً ص ۶۳-۶۵

اکبر آبادی سے بھی استفادہ کیا تھا۔ شاہ عبد الرحیم صاحب پر حضرت سید آدم بنوری کی نسبت کا
کے مقابلہ میں جو مسلک وحدۃ الشہود میں راسخ القدم تھے حضرت خواجہ باقی باللہ کی نسبت
غالب تھی جو عرصہ تک توحید وجودی کے ذوق و مسلک پر رہے، اور یہ کہنا مشکل ہے کہ اس سے
بالکلیہ انقطاع عمل میں آیا، یہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ ان کے قریب کے اجداد مادری
میں حضرت شیخ عبد العزیز شکر بار (م ۹۷۵ھ) بھی گزرے ہیں جن پر توحید وجودی کا غلبہ تھا،
ان موروثی و تربیتی اسباب کی بنا پر حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب توحید وجودی کا ذوق
اور شیخ اکبر سے عقیدت اور ان کی تحقیقات سے ایسا ذوق و شغف رکھتے تھے جو حدود شریعت
اور دائرہ سنت سے متجاوز نہیں ہونے پاتا تھا۔[1]

شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ والد صاحب شیخ محی الدین ابن عربی کا نام بڑی تعظیم سے
لیتے تھے، فرماتے تھے اگر میں چاہوں تو فصوص الحکم کا منبر پر کھڑے ہو کر بیان کروں، اور
اس کے تمام مسائل کو آیات و احادیث کے ساتھ مبرہن کروں، اور اس طرح بیان کروں کہ
کسی کو شبہ نہ ہو، لیکن اسی کے ساتھ وحدۃ الوجود کی صراحت کرنے سے احتراز کرتا ہوں کہ
اس زمانہ کے اکثر لوگ اس کو سمجھ نہیں سکیں گے اور الحاد و زندقہ کے گڑھے میں گر جائیں گے۔

شاہ عبد الرحیم صاحب فتاوی عالمگیری کو ترتیب دینے والی جماعت علماء میں شامل تھے
جو ملک کے ممتاز ترین فقہ حنفی کے عالم و صاحب نظر و صاحب درس فقیہ تھے، اس جماعت کے
نگران کار اور صدر شیخ نظام الدین برہان پوری تھے، سلطان اورنگ زیب عالمگیر نے اس کام
پر دو لاکھ روپیہ صرف کیے۔[2] مصنف "الثقافة الإسلامية في الهند" نے بڑے تفحص و تحقیق

---

[1] شاہ عبد الرحیم صاحب کے اس ذوق نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب تک منتقل ہو کر وحدۃ الوجود اور وحدۃ
الشہود میں تطبیق کا رنگ اختیار کیا۔ [2] اس زمانہ کے لحاظ سے دو لاکھ روپے کم نہیں ہوں گے۔

www.ahlehaq.org

کے بعد اس کے مرتبین کے نام درج کئے ہیں جن کی تعداد اکیس ہوتی ہے، حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب بھی اس جماعت کے ایک رکن تھے۔[1]

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب "انفاس العارفین" میں لکھتے ہیں کہ اس زمانہ میں عالمگیر اس کتاب کی ترتیب و تدوین کا بڑا اہتمام تھا، ملا نظام (افسر سررشتہ تدوین) روزانہ ایک صفحہ بادشاہ کے سامنے پڑھا کرتے تھے، ایک دن انھوں نے وہ حصہ پڑھا جو ملا حامد کے سپرد تھا انھوں نے ایک ہی مسئلہ کے متعلق دو کتابوں کی دو متفرق عبارتوں کو جمع کرکے عبارت میں گنجلک پیدا کر دی تھی، شاہ عبدالرحیم صاحب (جو ان کے دوست تھے) کی نظر جب اس مقام پر پڑی تو اس کی تحقیق کی معلوم ہوا کہ دو کتابوں کی مختلف اصلی عبارتیں جمع کر دی گئی ہیں آپ نے مسودہ کے حاشیہ پر عربی کی عبارت لکھ دی کہ "من لم یتفقہ فی الدین فقد خلط فیہ، ھذا غلط و صواب کذا" (یعنی تفقہ نہ ہونے کی وجہ سے کاتب سے یہاں خلط مبحث ہو گیا ہے، صحیح یوں ہے۔)

ملا نظام نے متن کی عبارت کے ساتھ شاہ عبدالرحیم صاحب کا حاشیہ بھی پڑھ دیا، وہ تو روانی میں پڑھ گئے لیکن بادشاہ جو پوری توجہ سے سنتے تھے چونک پڑے اور فرمایا "یہ عبارت کیسی ہے؟" ملا نظام گھبرا گئے کہ انھوں نے اس کا مطالعہ نہیں کیا تھا، پھر سنبھل کر کہا کہ میں نے اس مقام کا مطالعہ نہیں کیا، کل تفصیل سے اس کا مطلب عرض کروں گا، گھر آئے تو ملا حامد سے شکایت کی کہ میں نے یہ حصہ تمہارے اعتماد پر چھوڑ دیا تھا تمہاری وجہ سے مجھے بادشاہ کے سامنے خفت اٹھانی پڑی، ملا حامد نے اس وقت تو کچھ نہیں کہا، شاہ صاحب سے اس کی شکایت کی، شاہ صاحب نے کتاب میں کھول کر ان کو دکھایا کہ عبارت میں خلل اور انتشار پیدا ہو گیا ہے، اس سے بعض معاصرین

[1] الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند، از مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب حسنی رحمۃ اللہ علیہ، طبع المجمع العلمی دمشق ص ۱۱

www.ahlehaq.org

اور نقادوں کو حسد پیدا ہوا اور شاہ صاحب کچھ عرصہ اس کام میں شریک ہونے کے بعد اس سے علیحدہ ہو گئے۔[۱]

اخلاق و شمائل و معمولات

شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ وہ خصائل حمیدہ اور اخلاق ستودہ کے جامع تھے شجاعت و فراست اور غیرت ان میں بدرجۂ اتم موجود تھی عقل معاد کی طرح عقل معاش بھی کامل اور وافر طور پر رکھتے تھے ہر معاملہ میں توسط و اعتدال کو پسند کرتے تھے زہد و عبادت میں نہ اتنا تعمق اور غلو تھا کہ رہبانیت سے اس کے حدود مل جائیں اور نہ اتنی بے تکلفی اور وسعت کہ تساہل تک بات پہنچ جائے لباس میں تکلف نہیں تھا نرم اور سخت لباس جو میسر آتا استعمال فرماتے یہاں تک کہتے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ ان کو اچھا ہی لباس مرحمت فرمایا اللہ تعالیٰ ان کی سب ضرورتیں پوری فرما دیتا تھا بازار جا کر کسی چیز کے خریدنے کی مشکل ہی سے نوبت آتی امراء اور رؤساء کے گھروں پر تشریف نہیں لے جاتے تھے اس دروازہ کو کلیۃً بند کر رکھا تھا ہاں اگر اس طبقہ کے لوگ خود زیارت کے لیے آتے تو آپ بڑی خندہ پیشانی اور اخلاق سے پیش آتے ان میں جو زیادہ معزز ہوتا اس کا اسی طرح اعزاز کرتے اور اگر وہ نصیحت کی فرمائش کرتے تو بڑی نرمی کے ساتھ نصیحت فرماتے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض انجام دیتے ہمیشہ علم و علماء کی تعظیم کرتے جہالت اور جاہلوں سے نفور تھے ہر حال میں آثار نبوی کا تتبع کرتے استقامت کی بات یہ ہے کہ کبھی ساری زندگی بغیر عذر کے جماعت فوت نہیں ہوئی بچپن و جوانی میں بھی منہیات کی طرف میلان نہیں ہوا ضروری امور میں بیع و شراء سے بھی احتراز نہ کرتے نہ متقشف علماء کی پر تکلف وضع کی

---

[۱] انفاس العارفین ص ۲۰۲

www.ahlehaq.org

پابندی کرتے تھے۔ زہاد، فقراء اور صوفیاء کے بے قید جامہ کی سی بے تکلف زندگی گزارتے تھے۔ بے ضرورت کے قرض لینا پسند نہیں کرتے تھے، جو لوگ تنعم و تفخر، مذمت، مغروری اور ظلمت کے لئے قرض لیتے اس کو ناپسند فرماتے اور مذمت کرتے۔ طلب میں بھی ذہن رسا پایا تھا۔

روزانہ ایک ہزار بار درود شریف، ایک ہزار بار نفی اثبات، کچھ حصہ جہراً اور کچھ حصہ خفیاً کے ساتھ، بارہ ہزار بار اسم ذات روزانہ کا معمول تھا۔ اپنے بھائی ابوالرضا محمدؒ کے انتقال کے بعد مشکوٰۃ، تحفۃ الطالبین، غنیۃ الطالبین کو سامنے رکھ کر وعظ فرماتے، آخر میں تفسیر کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ زہراوین (سورہ بقرہ و آل عمران) سے فارغ ہوئے تھے کہ ضعف کا غلبہ ہوا اور یہ سلسلہ موقوف ہوگیا۔

حمیت اسلامی

حضرت شاہ عبدالرحیمؒ میں بھی اپنی خاندانی روایت کے مطابق، اور بزرگ شہید شیخ وجیہ الدینؒ کی وراثت میں مجاہدانہ جذبات اور حمیت اسلامی پورے طور پر موجود تھی، اور یہ بات بالکل قرین قیاس ہے کہ ان کے خاندان والا شان میں نسلاً بعد نسل جہاد و عزیمت کا سلسلہ منقطع نہیں ہونے پایا تھا، غیرت و شجاعت ان کو خاندانی ورثہ میں ملی تھی، اگرچہ شخصی و جسمانی طور پر کسی معرکۂ جہاد میں شرکت کا ذکر نہیں ملتا مگر "انفاس العارفین" میں درج واقعات سے ان کے علوِ ہمت، کمال بالعزیمت اور دینی غیرت کا اظہار ہوتا ہے، اور یہی دولت ہے جو ان کی اولاد میں منتقل ہوئی۔

www.ahlehaq.org

ازدواج واولاد

شاہ عبدالرحیم صاحب کا پہلا نکاح اپنے والد صاحب کی زندگی میں ہوا تھا جن سے ایک صاحبزادہ صلاح الدین نام پیدا ہوئے جو کچھ بڑے ہو کر فوت ہو گئے[1]۔ زوجہ محترمہ عرصہ تک حیات رہیں اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی شادی کے بعد ۱۱۳۲ھ یا ۱۱۳۳ھ میں وفات پائی[2]۔

دوسرا نکاح کبر سنی میں بعض بشارات واشارات غیبی کی بناء پر شیخ محمد پھلتی صدیقی کی صاحبزادی سے ہوا جن سے دو صاحبزادے تولد ہوئے شاہ ولی اللہ اور شاہ اہل اللہ۔

وفات

۷۷ سال کی عمر میں رمضان میں آخری بار روزے رکھے، شوال میں بیمار ہو گئے، اور امید زیست منقطع ہو گئی، لیکن اس کے بعد صحت عود کر آئی، لیکن اوائل صفر میں مرض پھر غالب آیا۔ صبح صادق سے پہلے آثار موت ظاہر ہوئے تو پوری توجہ اس طرف تھی کہ نماز فجر فوت نہ ہو، اس ضعف کی حالت میں کئی بار پوچھا کہ صبح ہو گئی یا نہیں؟ حاضرین مجلس نے کہا کہ ابھی نہیں ہوئی، جب وقت آخر بالکل قریب آ گیا تو ان جواب دینے والوں کو سختی سے جواب دیا کہ اگر تہجد کی نماز کا

---

[1] القول الجلی سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کے علاتی بھائی شیخ صلاح الدین جوانی کی عمر تک پہنچے تھے (القول الجلی (قلمی))۔

[2] شاہ صاحب "جزء لطیف" میں لکھتے ہیں کہ ۱۴ سال کی عمر میں میرے والد نے میرا نکاح کر دیا، اور بڑی عجلت فرمائی، جو لوگ منع کرتے تھے ان سے فرمایا کہ اس میں مصلحت ہے، شادی کے بعد ہی مسلسل خاندانی حادثے پیش آئے، ان میں سے کوئی حادثہ پیش آتا تو شادی ملتوی ہو جاتی، ان حوادث میں آخری حادثہ کے طور پر اپنے بڑے بھائی صلاح الدین کی والدہ صاحبہ کی وفات کا ذکر کیا ہے۔ صہ

www.ahlehaq.org

وقت نہیں آیا تو ہماری نماز کا وقت آگیا، فرمایا میرا رخ قبلہ کی طرف کر دو، اس وقت اشارہ سے نماز پڑھی حالانکہ وقت میں شک تھا، اس کے بعد زیر لب اسم ذات کے ذکر میں مشغول ہو گئے اور جان جان آفریں کے سپرد کی۔ یہ واقعہ چہار شنبہ ۱۲ صفر ۱۱۳۱ھ کا ہے۔ یہ فرخ سیر کی حکومت کے آخر کا دور ہے۔ آپ کے انتقال کے بعد فرخ سیر چالیس دن مجبوس رہا اور شہر میں بڑا اضطراب پیدا ہوا۔ انتقال کے وقت عمر شریف ۷۷ سال تھی۔[لہ]

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی نظر میں

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کی اگرچہ کوئی اہم تصنیف جس سے ان کا علمی مرتبہ ظاہر ہو سوائے ایک رسالہ کے موجود نہیں، ان کی شہرت زیادہ تر اپنے لائق اور باکمال فرزند ہی کے ذریعہ ہے اور انھیں نے ان کا تعارف "انفاس العارفین" کے ذریعہ کرایا۔ جہاں تک علم ہے ان کے حالات میں ان کے کسی اور مسترشد کی کوئی کتاب نہیں، لیکن شاہ صاحبؒ کی تصنیفات بالخصوص "انفاس العارفین" سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کے علوئے مرتبہ، قوت باطنی، مقبولیت عند اللہ اور علم و سلوک میں ان کے مراتب عالیہ سے علی وجہ البصیرۃ واقف، ان سے زیادہ معتقد اور متاثر ہیں، جتنا کہ ایک سعادت مند فرزند عام طور پر اپنے باکمال باپ کے کمالات واحسانات کا معترف اور مداح ہوتا ہے۔ شاہ صاحب کو ان کے کمالات باطنی و علمی کے بارے میں علم الیقین اور وجدانی کیفیت، اور ان کے تذکرہ میں ایک تشکر اور سرشاری کی کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحبؒ کی تعلیم و تربیت، کمالات علمی و باطنی کے حصول اور علم و سلوک میں درجۂ امامت ——— و اجتہاد تک پہنچنے میں والد بزرگوار کی

لہ انفاس العارفین ص ۸۸-۸۹

www.ahlehaq.org

نسبت باطنی، قوتِ تاثیر اور شفقت اور دعاؤں کا بڑا حصہ ہے۔

ہندوستان کے عربی النسل خاندان اور ان کی خصوصیات و روایات

شاہ صاحب کے اجداد کرام کے مختصر تذکرہ سے (جس کا خلاصہ ان صفحات میں پیش کیا گیا ہے) اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں تین نمایاں صفتیں قدر مشترک کے طور پر بالعموم متوارث رہیں۔

۱۔ ایک علم و دین، ورع و تقویٰ اور قضا و افتاء سے عمومی تعلق[1] جو علم و دین سے نسلی و خاندانی مناسبت اور عربیت و علویت کی بنا پر (جس کو خاندانی روایات و واقعات اور مخلص و بلند ہمت سرپرستوں اور مربیوں کی تعلیم و تربیت غذا بہم پہنچاتی رہتی تھی) بعید از قیاس نہیں اسلاف کے کارناموں اور ان کی صلاح و تقویٰ کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے بہت سے خاندانوں کی حفاظت فرمائی ہے اور دولت دین کی حفاظت کا ان میں اسی طرح سے انتظام فرمایا ہے جیسا کہ ان دو یتیموں کی دیوار کو اپنے ایک مقبول بندہ کے ذریعہ گرنے سے بچایا اور مستحکم کر دیا جن کا باپ صلاح و دینداری سے متصف تھا "وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا"[2] (ان دونوں کا باپ نیک تھا) ہندوستان کے بیسیوں خاندانوں کی تاریخ اس تسلسل اور حفاظت و عنایت خداوندی کی شہادت دیتی ہے جن میں صدیوں تک علم و دین، قضاء و افتاء، تدریس و تصنیف اور ارشاد و ہدایت کا سلسلہ جاری و قائم رہا۔

۲۔ دوسری حفظ انساب، خاندانی شجروں کی ترتیب و نگہداشت اور "کفاءت" کا

---

[1] ظاہر ہے کہ یہ کوئی کلیہ نہیں جس میں کسی استثناء کی گنجائش نہ ہو، شریف و اہل فضل کے خاندانوں کی طرح اس کو "اکثریہ" ہی کہا جا سکتا ہے۔

[2] ملاحظہ ہو سورۂ کہف کی آیات "وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ" (الکہف ع ۱۰)

www.ahlehaq.org

وہ معیارِ اہتمام جو بلادِ عربیہ اور قدیم اسلامی ممالک میں بھی اس درجہ میں نہیں تھا، غالباً اس کی وجہ یا عجم میں اپنے اس نسب کی حفاظت کا جذبہ ہے (یہ خاندان بلادِ عربیہ سے آیا تھا) اور خود ہندوستان کے طبقاتی نظام اور خاندانی تفاخر کا اثر بھی اس کا باعث تھا، بہرحال اس کے کہ شریعت نے اس اہتمام کا مکلف نہیں کیا ہے اور اس میں بعد کی صدیوں اور غیر عربی ملکوں میں غلو پیدا ہو گیا ہے لیکن اس کے ساتھ اس کا یہ نتیجہ ضرور قابلِ لحاظ ہے کہ صدیوں تک ان خاندانوں میں نسلی خصوصیات قائم رہیں، اور وہ بھی اور غیر اسلامی ملک کے معاشرہ اور تہذیب میں تحلیل نہ ہونے پائے۔

۳۔ تیسری صفت جلالت و شجاعت، سپہ گری کے صفات جس کو عربی میں "فروسیۃ" اور "فتوّۃ" (شہسواری و مردانگی) کے لفظ سے ادا کیا جاتا ہے، جو نسلِ عرب اور قبیلۂ قریش کی نسلی و موروثی صفت ہے اور جس کے نمونے شیخ معظّم اور شیخ وجیہ الدین کے حالات میں واضح طور پر گذر چکے ہیں اور اس کا ظہورِ اتم خود شاہ صاحب کے پوتے مولانا شاہ محمد اسماعیل صاحب شہیدؒ کی زندگی میں دیکھنے میں آتا ہے۔

ان خاندانی صفات کے ظہور و توارث کے نفسیاتی و عقلی اسباب بھی ہیں، جو عربی النسل خاندان تاریخ کے مختلف مرحلوں میں حجاز، عراق، اور ایران و ترکستان سے ہندوستان منتقل ہوتے رہے ہیں ان میں سے اکثر کی ہجرت اور ہندوستان میں توطن کا سبب یا اپنے دین و ایمان کی حفاظت یا عزت و ناموس بچانے کا جذبہ تھا کہ وہ تاتاری حملے کے خطرے میں پڑ گئے تھے یہ سب ہجرت کا حکم رکھتی تھی گویا سب اسلام اور اس کی راہ میں تھی، اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی برکت سے ان کے دینی حالات میں ترقی دی کہ وہ "فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا" (آل عمران۔ ۱۹۵) کا مصداق تھے۔

www.ahlehaq.org

یا جہاد فی سبیل اللہ اور دعوت الی اللہ کا جذبہ تھا جس کا اس وقت (چھٹی ساتویں صدی ہجری کی دنیا میں) ہندوستان میں سب سے بڑا میدان تھا، اس وسیع ملک کے جس کو برِّ صغیر کہنا صحیح ہوگا، بہت سے حصّے سلطنت اہلِ اسلام کے ابھی زیرِ نگیں نہیں آئے تھے اور وہاں مختلف حاکم و راجہ حکومت کرتے تھے، اور بعض اوقات احکامِ شرعی کی تعمیل اور شعائرِ اسلام کے اظہار میں مخلّ انداز ہوتے تھے، ان میں سے بہت سے وقتاً فوقتاً سرکشی اور بغاوت بھی کرتے رہتے تھے، ہر جگہ لشکرِ سلطانی کا پہنچنا مشکل بھی تھا، باہر سے آنے والے ان شریف و نجیب اور حوصلہ مند اور جہاد و عزم کے شائق عربی النسل خاندانوں اور ان کے سربرآوردہ افراد کے لئے ان علاقوں کا فتح کرنا اور ان کو مرکزی سلطنت کے حوالہ کرنا، ان کی حوصلہ مندیوں کی تسکین کا سامان بھی تھا، دینی جذبات کی آسودگی کا ذریعہ بھی، اور دنیاوی وجاہت و امارت کا وسیلہ بھی، ان کو ان علاقوں میں معافیاں دی جاتی تھیں، ان کے افراد منصب قضا و نیابت پر مامور بھی ہوتے تھے چنانچہ ان عربی و ایرانی النسل خاندانوں کی تاریخوں میں بکثرت ایسے واقعات ملتے ہیں کہ ان کے پیشروؤں نے ہندوستان کے بعض ایسے دور دراز علاقے اور مجہول اور غیر اہم مقامات فتح کئے، جو باقاعدہ ممالکِ محروسہ میں داخل نہیں ہو سکے تھے۔[1]

---

[1] اس کی ایک مثال امیر کبیر سید قطب الدین محمد المدنی (م ۶۷۷ھ) ہیں جو اودھ کے خاندانِ قطبیہ حسنی کے بانی اور حضرت سید احمد شہیدؒ کے جدِ اعلیٰ ہیں، یہ غزنی کے راستے سے ساتویں صدی ہجری کے اوائل میں اعزہ و منسوبات اور غزنی کے رؤساء و شرفاء و مجاہدین کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ دہلی تشریف لائے، دہلی سے اودھ کا قصد کیا اور اولاً قنوج، پھر مانک پور اور کڑہ پر (جو اس زمانہ میں ایک مستقل حکومت کا مرکز تھا) حملہ کیا اور اس تمام علاقہ کو فتح کر کے اسلامی حکومت میں شامل کیا۔ (سیرت سید احمد شہیدؒ اول ص ۹)

www.ahlehaq.org

ان خاندانوں کو اس کا احساس تھا کہ ہم ہندوستان میں ایک بلند مقصد کے لئے آئے تھے، ہمارے دین، ہماری تہذیب اور ہماری سعادت کا اصل سرچشمہ مرکز اسلام جزیرۃ العرب اور حجاز مقدس ہے، ہم کو اپنی اس اصل سے کلی طور پر کبھی منقطع نہیں ہونا چاہئے، اور اپنے نسلی، تہذیبی اور اخلاقی امتیازات کو ہر قیمت پر برقرار رکھنا چاہئے، ہم جب ہی دنیا کے اس دور افتادہ حصہ اور بیگانہ تہذیب و ماحول میں جو اپنے اندر ایسی تحلیلی طاقت اور ایک طرح کا تیزاب رکھتا ہے جس نے باہر سے آنے والی قوموں اور نسلوں کو اپنے اندر کلی طور پر جذب اور ان کی خصوصیات کو فنا اور سوخت کر دیا، محفوظ اور باعزت رہ سکتے ہیں، اس احساس نے ان کے اندر دینی و نسلی غیرت اور خارجی اثرات کے مقابلہ میں غیر معمولی قوتِ مقابلہ پیدا کر دی جس سے ان کی انفرادی شخصیت بہت حد تک محفوظ اور ان کی خصوصیات صدیوں تک نسلاً بعد نسل منتقل ہوتی رہیں۔

اس حقیقت کا اظہار بڑے واضح طریقہ پر خود حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے اس وصیت نامہ میں ہوا ہے جو "المقالۃ الوضیۃ فی النصیحۃ والوصیۃ" کے نام سے انھوں نے قلم بند فرمایا، جس میں ان کے مخاطب سب سے پہلے ان کے خاندان کے لوگ ہیں پھر تمام اہل تعلق اور ملت اسلامیہ ہندیہ، شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ ہم پردیسی لوگ ہیں، ہمارے اجداد نے ہندوستان میں ہجرت کی، نسب اور زبان کی عربیت ہمارے لئے دو بڑی فخر کی باتیں ہیں، یہ ہم کو سید الاولین والآخرین، افضل الانبیاء والمرسلین، فخر کائنات و فخر موجودات محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قریب کرتی ہیں، اس نعمت عظمیٰ کے شکریہ کا تقاضا ہے کہ ہم امکانی حد تک ——

www.ahlehaq.org

اہل عرب اولین کے عادات و روایات سے یکسر بے تعلق نہ ہونے پائیں جن میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نشو و نما ہوا تھا، اور عجمیوں کے رسوم اور ہندوؤں کے طور طریق کو اپنے اندر پھیلنے نہ دیں۔

آگے چل کر فرماتے ہیں :-

ہم میں خوش نصیب وہ ہے جس کو عربی زبان میں کچھ درخور حاصل ہو، صرف نحو، ادب میں دخل ہو، اور حدیث و قرآن سے واقفیت رکھتا ہو، ہمیں حرمین شریفین میں بھی حاضری دیتے رہنا چاہئے، اور اس سے قلبی وابستگی رہنی چاہئے، اس میں ہماری سعادت کا راز ہے، اور اس سے اعراض اور گریز کرنے میں شقاوت و محرومی پنہاں ہے۔[۱]

عربی النسل اور عالی نسب ہونے کے ما سوا اس خاندان کو فاروقیت کا شرف بھی حاصل تھا، دیار عجم میں اس خاندان سے اللہ تعالیٰ نے بار بار حفاظت دین، شعائر اسلام کے اعلاء اور دشمن اسلام تحریکوں کے مقابلہ کا مجددانہ کام لیا، جس میں فاروقی غیرت کا بھی دخل تھا، اور فاروق اعظم سے نسبت و نسبی تعلق کا احساس و افتخار بھی کام کرتا ہوگا، جو ایک طاقتور نفسیاتی محرک بھی ہے، دسویں صدی ہجری میں اسی خاندان کے ایک فرد فرید نے اکبری فتنہ کا استیصال کیا، اور ہندوستان کو کفر و الحاد، وحدت ادیان کے فتنہ اور "نیا دور" "نیا آئین" "نیا ہزارہ" "نئی امت" کی خطرناک سازش کا شکار بننے سے بچا لیا،[۲] حضرت شیخ احمد فاروقی (مجدد الف ثانیؒ) کو اس نسبت پر فخر تھا، اور وہ

---

۱ "المقالۃ الوضیہ فی النصیحۃ والوصیۃ" فارسی مطبع دہلی ص ۲۳۶

۲ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تاریخ دعوت و عزیمت" حصہ چہارم ص ۱۱۲-۱۲۳ اور ص ۱۵۰-۱۶۰

www.ahlehaq.org

دینی حمیت کو اس کا تقاضا اور قدرتی تحریک سمجھتے تھے۔ جمہور اہل سنت اور عقائد اسلامیہ کے خلاف ایک مشہور معاصر شیخ کی ایک تحقیق سن کر ان کے قلم سے بے اختیار یہ الفاظ نکلے ہیں۔

مخدوما! این فقیر را تاب استماع امثال	مخدوم! اس فقیر میں ایسی باتوں کے
این سخنان نیست بے اختیار رگ	سننے کی تاب نہیں، بے اختیار میری
فاروقیم در حرکت می آید[1]	فاروقی رگ حرکت میں آجاتی ہے۔

اسی طرح یہ سن کر کہ متعصب سامانہ کے خطیب نے خطبہ جمعہ میں خلفائے راشدین کا ذکر عمداً ترک کر دیا، تحریر فرمایا۔

چوں استماع این خبر وحشت انگیز	جب اس خبر وحشت اثر سے
در شورش کردہ رگ فاروقیم بحرکت	طبیعت میں اضطراب پیدا ہوا،
آمد و چند کلمات اقدام نمودہ[2]	اور اس نے میری فاروقی رگ کو
	حرکت دی تو یہ چند لفظ میرے
	قلم سے نکل گئے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی تجدید و احیاء دین کے وسیع اور کثیر الانواع کام میں (جس میں اصلاح عقائد، رد شرک و بدعت، اشاعت کتاب و سنت، ترویج فن حدیث، اثبات خلافت خلفاء راشدین، اور رفض و شیعیت کی تردید شامل ہے) یقیناً یہ نسبت اور اس کے شرف و ذمہ داری کے احساس کو بھی دخل ہوگا، جو نفسیات، علم الحیات اور نسلی اصول و تجربات کے لحاظ سے (جس کے شواہد بکثرت نسلوں اور

---

[1] مکتوب ۸۰ دفتر اول بنام ملا حسن کشمیری۔

[2] مکتوب ۱۵ حصہ ہشتم دفتر دوم۔

www.ahlehaq.org

خاندانوں کی تاریخ میں پائے جاتے ہیں) ہر طرح قرین قیاس اور مطابق عقل ہے حدیث میں بھی آتا ہے کہ "الناس معادن کمعادن الذهب والفضة خیارهم فی الجاهلیة خیارهم فی الاسلام اذا فقهوا"[1]

---

[1] لوگ اسی طرح سے (جواہرات کی) کانیں ہیں جیسے سونے چاندی کی کانیں ہوتی ہیں، جو لوگ جاہلیت کے زمانہ میں بہتر تھے وہ اسلام میں بھی بہتر ہیں بشرطیکہ وہ (دین کا) سمجھ حاصل کریں۔

(روایت صحیح مسلم)

www.ahlehaq.org

باب چہارم

مختصر حالاتِ زندگی[1]

ولادت

شاہ صاحب کی ولادت چہارشنبہ کے دن ۴ شوال ۱۱۱۴ھ طلوعِ آفتاب کے وقت اپنے ننہیال قصبہ پھلت (حالی ضلع مظفرنگر) میں ہوئی۔ تاریخِ ولادت عظیم الدین سے نکلتی ہے۔[2]

شاہ ولی اللہ صاحب کی ولادت کے وقت آپ کے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کی عمر ساٹھ سال تھی۔ شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کو اس مبارک فرزند کی ولادت سے پہلے بہت سے مبشرات نظر آئے تھے۔ شاہ عبدالرحیم صاحب نے ساٹھ سال کی عمر میں پہلی اہلیہ کی موجودگی میں جو شیخ صلاح الدین کی والدہ تھیں، شادی کا ارادہ کیا۔ اس میں اشاراتِ غیبی اور بشارات کو دخل تھا۔ جب شیخ محمد پھلتی کو معلوم ہوا تو

۱؎ خوش قسمتی سے حضرت شاہ صاحبؒ کے قلم سے اختصار کے ساتھ اپنی زندگی کے ضروری حالات، تعلیم و تکمیل اور کتابیں جو انھوں نے پڑھیں، والد صاحبؒ کی تعلیم و تربیت کے بعض خصوصی انداز، بیعت و اجازت، سفرِ حجاز، وہاں کے مشائخ سے استفادہ اور ان کا تعارف و تذکرہ، وطن و گھر کے بعض اہم واقعات محفوظ ہو گئے ہیں۔ ان کا خود نوشت رسالہ الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف ہے، نیز رسالہ انفاس العارفین میں جو شاہ صاحبؒ کی زندگی کے مختصر حالات ملتے ہیں، دونوں کتابوں الجزء اللطیف اور انفاس العارفین سے ماخوذ اور مقتبس ہیں، کہیں کہیں تفصیلات کے لیے القول الجلی سے استفادہ کیا گیا ہے۔

۲؎ الجزء اللطیف ص۔ مطبوعہ لاہور۔

www.ahlehaq.org

انھوں نے اپنی صاحبزادی کو نکاح میں دینے کا فیصلہ کیا[1] اور اوائل ۱۱۱۲ھ میں یہ مبارک عقد ہو گیا۔

"القول الجلی" سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اسم گرامی فخر النساء تھا، اور وہ علوم دینیہ میں ایسا درک رکھتی تھیں جس کا خواتین کو بہت کم موقع اور شرف حاصل ہوتا ہے کتاب کے مصنف شیخ محمد عاشق پھلتی لکھتے ہیں جو ان کے حقیقی بھائی کے فرزند تھے[2] و صاحب البیت ادری بما فیہ۔

والدۂ شریفۂ ایشان کہ عالم شریعت
از تفسیر و حدیث و ماہر و بامہ طریقت
شناور بحار اسرار حقیقت و عارف
و مصداق اسم خود فخر النساء بودند[3]

آپ کی والدۂ ماجدہ تفسیر و حدیث
جیسے علوم شرعیہ کی عالم، آداب طریقت
سے آراستہ پیراستہ، اسرار حقیقت کی
معرفت رکھنے والی اور ان وجوہ سے
حقیقتاً طبقۂ اناث کے لیے باعث فخر
اور اسم با مسمیٰ تھیں۔

ولادت سے پہلے شاہ عبدالرحیم صاحب نے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی خواب میں زیارت کی، انھوں نے فرزند کی بشارت دی، اور فرمایا کہ اس کا نام میرے نام پر قطب الدین احمد رکھنا، شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ میری ولادت ہوئی تو والد صاحب کے ذہن میں یہ بات نہیں رہی، اور انھوں نے ولی اللہ نام رکھا، کچھ مدت کے بعد یاد آیا تو میرا دوسرا نام قطب الدین احمد بھی رکھ دیا۔[4]

شاہ صاحب سات سال کے تھے کہ والدین کے ساتھ تہجد میں شریک ہوئے اور دعا کرتے وقت ان دونوں کے ہاتھوں میں اپنے ہاتھ ٹیکے، اور اس طرح وہ خواب پورا ہوا جو ان کے والد ماجد نے ان کی ولادت سے قبل دیکھا تھا۔[5]

۱۔ انفاس العارفین ص ۱۷۳ ۲۔ القول الجلی (قلمی) محفوظ کتب خانہ ندوۃ العلماء ۳۔ القول الجلی ۴۔ انفاس العارفین ص ۲۲۴ ۵۔ ایضاً ص ۲۲۵

www.ahlehaq.org

تعلیم

شاہ صاحب کی عمر جب پانچ سال کی ہوئی تو مکتب میں داخل کئے گئے، سات سال کی عمر میں سنت ابراہیمی ادا ہوئی اور ختنہ ہوا، اور اسی عمر سے نماز کی عادت ڈال دی گئی، اس سال کے آخر میں قرآن مجید کے حفظ سے فراغت ہوئی اور فارسی کتابیں اور عربی کے مختصرات پڑھنا شروع کئے، اور کافیہ ختم کیا۔ دس سال کی عمر میں شرح جامی شروع کی، فرماتے ہیں کہ مجھ کو باجمال مطالعہ کی استعداد پیدا ہو گئی، چودہ سال کی عمر میں بیضاوی کا ایک حصہ پڑھا، پندرہ سال کی عمر میں ہندوستان میں رائج علوم متداولہ سے فراغت کی، والد صاحب نے اس خوشی میں بہت بڑی دعوت کی اور بڑے پیمانہ پر کھانا تیار کیا جس میں خواص و عوام شریک ہوئے۔

اسی پندرہ برس کی عمر میں والد صاحب سے مشکوٰۃ کا درس لیا، جس کا صرف تھوڑا حصہ (کتاب البیوع سے آداب تک) رہ گیا، کتاب کی قراءت دوسرے ساتھی نے کی تھی جو حصہ رہ گیا تھا اس کی بھی اجازت والد صاحب سے حاصل ہوئی، والد صاحب ہی سے صحیح بخاری کتاب الطہارت تک، شمائل ترمذی مکمل، تفسیر مدارک و بیضاوی کا کچھ حصہ پڑھا، فرماتے ہیں کہ خدا کا ایک بڑا انعام یہ ہوا کہ والد صاحب کے درس قرآن میں کئی بار شریک ہوا، جس سے معانی قرآن کا ایک دروازہ کھل گیا۔

شاہ صاحب کا پڑھا ہوا نصاب

شاہ صاحب نے الجزء اللطیف میں اپنے پڑھے ہوئے نصاب کا تفصیل سے ذکر کیا ہے،

لے الجزء اللطیف ص [illegible] ؎ ایضاً ؎ ایضاً ؎ ایضاً ص [illegible] ؎ ایضاً ؎ ایضاً۔

www.ahlehaq.org

فقہ میں شرح وقایہ اور ہدایہ (کچھ حصہ چھوڑ کر) اصول فقہ میں حسامی اور توضیح وتلویح کا بڑا حصہ، منطق میں شرح شمسیہ مکمل اور ایک حصہ شرح مطالع کا، علم کلام میں شرح عقائد مکمل خیالی کے حاشیہ کے ایک حصہ کے ساتھ، کچھ حصہ شرح مواقف کا پڑھا، سلوک میں ایک حصہ عوارف اور رسائل نقشبندیہ وغیرہ کا، حقائق میں شرح رباعیات مولانا جامی اور لوائح، مقدمہ شرح لمعات، مقدمہ نقد النصوص، خواص اسماء وآیات میں وہ مجموعہ جو خاص اس موضوع پہ ہے اور فوائد اللہ وغیرہ، والد صاحب نے کئی بار مجھے ان خواص وفوائد کی اجازت دی۔

طب میں موجز، فلسفہ میں شرح ہدایۃ الحکمت وغیرہ، معانی میں مطول کا بڑا حصہ اور مختصر المعانی کا اتنا حصہ جس پر ملا زادہ کا حاشیہ ہے، ہندسہ اور حساب میں بعض مختصر رسائل۔

شاہ صاحب کے اس نصاب میں ان کے والد ماجد اور استاد حقیقی شاہ عبد الرحیم صاحب کے اجتہاد و انتخاب کو بھی کچھ دخل تھا، ساتویں صدی ہجری سے ہندوستان میں جو نصاب درس رائج تھا اور جس میں نویں صدی ہجری کے آخر میں شیخ عبد اللہ اور شیخ عزیز اللہ کے ملتان سے دہلی آنے پر علم کلام و بلاغت و معقولات کی بعض کتابوں کا اضافہ ہوا، پھر دسویں صدی میں امیر فتح اللہ شیرازی کی آمد ہندوستان پر ایران کے علمائے متاخرین محقق دوانی، میر صدر الدین شیرازی اور میر غیاث الدین منصور اور مرزا جان کی تصنیفات داخل نصاب ہوئیں، مگر شاہ عبد الرحیم صاحب کی حقیقت پسندی اور اپنے ہونہار فرزند کی ذکاوت پر اعتماد کر کے ان پیچ کش کتابوں کو جن میں اکثر فرسودہ مضامین تھے، حذف کر دیا گیا، مثلاً نحو میں مصباح و لب الالباب (مصنفہ قاضی ناصر الدین بیضاوی) ارشاد (مصنفہ قاضی شہاب الدین دولت آبادی) کے بجائے صرف کافیہ اور شرح جامی پڑھائی گئی، اصول فقہ میں منار اور اس کی شرحیں، اور اصول بزدوی کے بجائے حسامی اور توضیح وتلویح کا کچھ حصہ، تفسیر میں کشاف ترک کر دی گئی۔

www.ahlehaq.org

حدیث میں مشارق الانوار شامل نہیں ہے، ادب میں مقامات حریری کا عام رواج تھا اور بعض بزرگوں کے حفظ کرنے کا بھی ذکر آتا ہے، لیکن شاہ صاحب کے نصاب درس میں وہ نظر نہیں آتی، یہ ممکن ہے کہ ان میں سے بہت سی کتابیں بارہویں صدی کے اوائل تک بہت حلقوں کے درس میں متروک ہو گئی ہوں۔

واضح رہے کہ بارہویں صدی ہجری ہی میں استاذ الاساتذہ ملا نظام الدین سہالوی فرنگی محلی نے جو حضرت شاہ صاحب کے کبیر السن معاصر تھے، اور جنھوں نے شاہ صاحب کی وفات سے پندرہ سال پہلے ۱۱۶۱ھ میں رحلت کی، اس نصاب درس میں بہت عظیم اضافہ کیا، خاص طور پر صرف و نحو، منطق و فلسفہ، ریاضی و بلاغت، اور علم کلام میں کثیر التعداد کتابوں کا اضافہ کیا، جن میں مزید اضافہ کے بعد (جو ان کے تلامذہ اور تلامذہ کے تلامذہ کے دور میں بغیر کسی منصوبہ کے ہوا) اس نصاب نے درس نظامی کی وہ آخری شکل اختیار کی جو ابھی تک قدیم مدارس میں رائج ہے۔[1]

شاہ صاحب کے بیان کیے ہوئے نصاب درس میں ادب عربی کی کوئی کتاب نظر نہیں آتی، حالانکہ شاہ صاحب کی عربی تالیفات بالخصوص "حجۃ اللہ البالغہ" شہادت دیتی ہے کہ ان کو عربی زبان اور اس میں تحریر و انشاء پر بے نظیر قدرت تھی (بلکہ جہاں تک حجۃ اللہ البالغہ کا تعلق ہے) وہ اس میں ایک ایسے طرز و اسلوب کے بانی ہیں جو علمی مضامین و مقاصد کے شرح و بیان کے لیے موزوں ترین اسلوب ہے، اور جس میں علامہ ابن خلدون کے بعد ان کا کوئی

---

[1] نصاب درس کی عہد بعہد تبدیلیوں، معیار فضیلت کے بدلنے اور ایک ہی کتاب کے متعدد شروح و حواشی کے اضافہ اور ان کے اسباب و محرکات سے واقف ہونے کے لئے والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند" مطبوعہ المجمع العلمی دمشق، اور اردو میں ان کا ترجمہ اور محققانہ مضمون "ہندوستان کا نظام تعلیم اور اس کے تغیرات" مطبوعہ دارالعلوم ندوۃ العلماء ملاحظہ ہو۔

www.ahlehaq.org

ہم پایہ اور ہمسر نظر نہیں آتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے بطور خود عربی ادب اور نثر و نظم کی ان قدیم معیاری کتابوں کا مطالعہ کیا، جو سلاست و حلاوت کا نمونہ ہیں، اور جو عجمی عربی کے اثرات سے بہت کچھ محفوظ تھیں، اور حجاز کے قیام میں خاص طور پر عربی میں اس عظیم تصنیفی کام کی تیاری کی جس کو تدبیر الٰہی نے شاہ صاحب کے لئے مخصوص کر رکھا تھا۔[۱] اگر مقامات حریری کا ذکر سہواً نہیں چھوٹ گیا ہے تو اس کے شاہ صاحب کے نصاب میں داخل نہ ہونے سے بجائے نقصان کے فائدہ ہوا ہوگا کہ متاخرین عام طور پر اس کے زخم خوردہ ہیں، اور اس کی وجہ سے سجع و قوافی کے ایسے پابند کہ بے تکلفی اور روانی کے ساتھ مطالب عالیہ کے ادا کرنے اور اظہار مافی الضمیر سے عام طور پر قاصر نظر آتے ہیں، حریری کے بعد جس نے بھی کسی مضمون پر قلم اٹھایا حریری ہی کے قلم سے لکھا جس کا قط پڑا ہو گیا تھا، رسائل و خطوط اور کتابوں کی تقریظیں حتیٰ کہ فرمانوں کی طویل عبارتیں بھی حریری کے اس اثر سے آزاد نہیں۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ طالب علمی ہی کے زمانہ میں مضامین عالیہ ذہن میں آتے تھے جن میں برابر ترقی محسوس ہوتی تھی، والد صاحب کی وفات کے بعد بارہ سال تک دینی کتب اور عقلی علوم کی کتابیں پڑھانے کی پابندی کی اور ہر علم میں غور و خوض اور اشتغال کا موقع ملا۔

والد ماجد کی شفقت و تربیت اور اجازت و خلافت

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ والد صاحب کی شفقت میرے حال پر ایسی تھی کہ کم کسی

---

[۱] صاحب الیانع الجنی لکھتے ہیں "ونقب افناء الحجاز سنین و زاحم العرب وجمع من اهل البادیه وحضرها حتی صار منهم احسن حالا منهم فی زماننا" (حجاز میں کئی سال قیام فرمایا، عربوں سے اختلاط و صحبت رہی اور اہل بادیہ سے جو اس زمانہ کے مقابلہ میں بہتر تھے صحیح و فصیح زبان سیکھی) ص ۲ ... مطبع

www.ahlehaq.org

باپ کی بیٹے پر، کسی استاد کی شاگرد پر اور کسی شیخ کی مرید پر ہوگی۔[1] حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کی تربیت کا انداز بھی بڑا حکیمانہ تھا، شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ایک روز زمانہ طفولیت میں احباب و اعزہ کی ایک جماعت کے ساتھ ایک باغ کی سیر کو چلا گیا، جب واپس آیا تو والد صاحب نے فرمایا: ولی اللہ! تم نے اس دن رات میں وہ کیا حاصل کیا جو باقی ہے؟ ہم نے اس مدت میں اتنا درود پڑھا۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں یہ سن کر میرا دل باغات کی سیر و تفریح سے بالکل سرد ہو گیا، اس کے بعد پھر اس کا شوق نہیں پیدا ہوا۔[2] شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ والد صاحب مجھے حکمت عملی، آداب مجلس اور تہذیب و دانشمندی کی باتیں بہت سکھاتے تھے اور اکثر یہ شعر پڑھتے ؎

آسائش دو گیتی تفسیر این دو حرف است
با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

فرماتے تھے کہ مجھے ہدایت فرمائی کہ جو لوگ مرتبہ میں کم ہوں ان سے ہمیشہ سلام میں سبقت کرنا اور ان سے ہمیشہ خوش اخلاقی سے پیش آنا اور ان کی خیریت و احوال دریافت کرنا اور اس کو معمولی بات نہ سمجھنا ؎

صد ملک دل بہ نیم نگہ می تواں خرید
خوباں دریں معاملہ تقصیر می کنند

یہ بھی فرماتے تھے کہ بعض لوگ کسی خاص پوشاک یا عادت کے پابند ہو جاتے ہیں، کوئی تکیہ کلام مقرر کر لیتے ہیں، بعض کھانوں سے ایسے متنفر ہو جاتے ہیں کہ ان کی وہ چڑھ مقرر ہو جاتی ہے، ان سب چیزوں سے پرہیز کرنا چاہیے، اپنی کسی خواہش کی تکمیل میں

---

[1] الجزء اللطیف ص۳ [2] انفاس العارفین ص۲۰۳ [3] ایضاً ص۲۰۴

www.ahlehaq.org

صرف نذرت جو اُن مقصود نہ ہو اس میں کسی ضرورت کی تکمیل کسی فضیلت کا حصول، یا ادائے سنت مقصود ہونی چاہیے، جہاں وضع اور نشست و برخاست کسی سے مختلف یا حسن مذاق کا اظہار نہیں ہونا چاہیے۔ شاہ عبدالرحیم صاحب شاہ صاحب کے بیان کے مطابق شجاعت، فراست، خوش انتظامی اور غیرت کے اوصاف عالیہ سے متصف تھے۔ عقل معاش بھی عقل معاد کی طرح کامل و وافر رکھتے تھے۔ ہر معاملہ میں اعتدال کو پسند کرتے تھے۔ شاہ صاحب کی سیرت و اخلاق میں انھیں چیزوں کا پرتو تھا۔[1]

والد صاحب ہی سے چودہ سال کی عمر میں بیعت کی اور اشغال صوفیہ بالخصوص مشائخ نقشبندیہ کے اشغال میں مشغول ہوئے، توجہ اور تلقین حاصل کی، والد صاحب نے آداب طریقت کا ایک حصہ تعلیم کیا اور خرقہ پہنایا۔[2] شاہ صاحب کی عمر سترہ سال کی تھی کہ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ نے اس دنیا سے رحلت فرمائی۔ آپ نے مرض موت میں بیعت و ارشاد کی اجازت دی اور بار بار فرمایا کہ یدہ کیدی (اس کا ہاتھ میرے ہاتھ کی طرح ہے)۔[3]

شادی

شاہ ولی اللہ صاحب کی عمر چودہ سال کی تھی کہ آپ کے والد ماجد نے آپ کی شادی آپ کے ماموں شیخ عبید اللہ صدیقی پھلتی کی صاحبزادی سے کر دی۔ سسرال والوں نے جب مہلت کا تقاضا کیا تو شاہ عبدالرحیم صاحب نے معذرت کی اور کہا کہ اسی میں مصلحت ہے بعد کے پے در پے خاندانی حوادث نے ثابت کر دیا کہ اگر اس زمانہ میں شادی نہ ہو جاتی تو دیر

---

۱ انفاس العارفین ص ۲۰۴ ۲ الجزء اللطیف ص ۱۷ ۳ ایضاً ص ۳

بہت دنوں کے لئے ملتوی کرنا پڑا[1]۔ ان زوجہ سے آپ کے بڑے صاحبزادے شیخ محمد پیدا ہوئے جنھوں نے آپ ہی سے تعلیم پائی۔ شاہ صاحب نے ان کے لئے ایک ابتدائی رسالہ بھی تصنیف فرمایا تھا۔ شمائل ترمذی کے درس میں شاہ عبدالعزیز کے شریک اور ساتھی تھے[2]۔ شاہ صاحب کی وفات کے بعد قصبہ بڑھانہ منتقل ہوگئے تھے اور مدۃ العمر وہیں رہ کر ۱۲۰۸ھ میں وفات پائی اور قصبہ کی جامع مسجد کے صحن میں مدفون ہوگئے[3]۔ اسی بنا پر شاہ صاحب ابو محمد کنیت کرتے تھے[4]۔ شیخ محمد کے دو صاحبزادوں کا تذکرہ جو ان کے ساتھ ہی مدفون ہیں، مقالات طریقت میں آتا ہے۔ لیکن کتابوں میں ان کو منقطع العقب لکھا ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے حضرت شاہ ابوسعید حسنی رائے بریلوی کے نام تین خطوط میں برادر بزرگ شیخ محمد بن شاہ ولی اللہ صاحب کا سلام لکھا ہے۔ ان میں کہیں برادر صاحب بزرگ شیخ محمد صاحب اور کسی خط میں الشیخ الکبیر محمد کے نام سے سلام لکھا ہے۔ ان خطوط سے بھائیوں کی باہمی مودت و تعلق کا بھی اندازہ ہوتا ہے[5]۔

دوسرا عقد

شاہ صاحب کا دوسرا عقد پہلی اہلیہ کی وفات کے بعد سید ثناء اللہ سونی پتی کی

---

[1] شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ عقد کے چند دنوں کے بعد میری ہونے والی خوشدامن نے انتقال کیا۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد نانی نے۔ پھر میرے چچا زاد بھائی شیخ محمد امین نے پھر میری پہلی والدہ ماجدہ الرحمۃ کی ماں نے انتقال کیا۔ [2] نزہۃ الخواطر ج ۶ [3] ایضاً [4] تاریخ بہارستان الاسناد

[5] مکتوب المعارف (قلمی) ص ۱۶-۱۷

www.ahlehaq.org

صاحبزادی بی بی ارادت سے ہوا جو سونی پت کے رہنے والے تھے اور سید ناصر الدین شہید سونی پتی کی اولاد میں تھے۔ ان زوجہ محترمہ سے آپ کے چار نامور صاحبزادے (حضرت شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالغنی) تولد ہوئے جو ہندوستان میں

؎ سید ناصر الدین شہید کا تذکرہ کی کتاب "تحفہ [illegible]" تالیف مولوی احمد علی [illegible] میں (جو ڈاکٹر محمد باقر کے اہتمام میں [illegible] میں شائع ہوئی ہے) ملتا ہے۔ مصنف نے ان کو امام باقر بن امام زین العابدین کا فرزند اور امام جعفر صادق کا بھائی لکھا ہے۔ مصنف نے ان کا سفر شہر واسط سے خراسان اور خراسان سے غزنی [illegible] ہے جہاں [illegible] سواروں کے ساتھ (جن کے مصنف نے نام بھی دیئے ہیں) ہندوستان کی طرف رخ کرنے کا ذکر لکھا ہے۔ مصنف کے بیان کے مطابق [illegible] میں ان کا سونی پت میں ورود ہوا۔ یہ سلطان شہاب الدین غوری کا زمانہ اور امیر الملک نصیر الدین کی حکومت کا دور تھا۔ [illegible] راجہ [illegible] نے [illegible] گھوڑوں کو خریدار [illegible] کی پیش کش کی جس کو امام نے قبول نہیں کیا۔ جس پر گفتگو نے طول کھینچا اور جنگ کی نوبت آئی۔ امام کے رفقاء نے راجہ [illegible] کو شکست دی لیکن اس کے بعد [illegible] کے ساتھ [illegible]۔ [illegible] میں امام جلال [illegible] نے اپنے رفقاء سمیت [illegible] جام شہادت نوش فرمایا۔ یہ بیان [illegible] میں [illegible] کے [illegible] سونی پت [illegible] شہید [illegible] حاصل کی [illegible] روایت [illegible] مسلمات کے خلاف ہے کہ سلطان محمود [illegible] ہندوستان کے [illegible] تک [illegible] نہیں تھی۔ [illegible] اسلامی حکومت [illegible] صدی کی ابتداء میں اسلامی سلطنت کا مرکز [illegible] محمود غزنوی [illegible] ہندوستان [illegible] شہاب الدین محمد غوری کا [illegible] جس کے عہد میں امام ناصر الدین کی [illegible] ہے [illegible] ہندوستان کا رخ کیا [illegible] پرتھوی راج کو شکست دے کر ہندوستان میں مستقل حکومت قائم کی۔ [illegible] امام محمد باقر کے صاحبزادوں میں کسی کا نام [illegible] امام ناصر الدین [illegible] بعض مرتبین [illegible] مصنف تحفہ [illegible]
(باقی صفحہ [illegible] پر)

www.ahlehaq.org

دہلی کی نشاۃ ثانیہ کے ارکان اربعہ ہیں رحمہم اللہ تعالیٰ اور ایک صاحبزادی امۃ العزیز بھی پیدا ہوئیں، ان کا عقد مولوی محمد فائق ابن مولانا محمد عاشق پھلتی سے ہوا، وہ صاحب اولاد تھیں ان کا سلسلہ جاری رہا۔

سفرِ حج

شاہ صاحبؒ کی علمی، فکری اور دعوتی و تجدیدی زندگی میں حجاز مقدس کا سفر اور قیام ایک تاریخ ساز واقعہ اور ان کی کتابِ زندگی کا ایک نیا باب اور حدِ فاصل ہے، حجاز کے اسی طویل قیام میں جو ایک سال سے زیادہ رہا، ان کے ملکات ذہنی و علمی نے ارتقاء کے وہ منازل طے کئے جو بظاہر ہندوستان میں ممکن نہ تھے اور اس کے لئے حرمین ہی جیسی مرکزی و عالمی جگہ درکار تھی، اسی سفر میں انھوں نے علم حدیث کا وسیع اور گہرا مطالعہ کیا اور اس کے شیوخ کاملین سے جو دیار و امصار سے وہاں جمع ہوگئے تھے اس فن شریف کی تکمیل کی، یہ ان کی تجدید و اصلاح کے ایوان بلند میں حجر الزاویہ (کونے کے پتھر) کی حیثیت رکھتا ہے، اور جس سے وہ تحقیق و اجتہاد کے اس مقام پر پہونچے جس پر ان آخری صدیوں میں کم لوگ (اور جہاں تک مقاصد و اسرار شریعت اور تطبیق بین الفقہ والحدیث کا تعلق ہے) کئی صدیوں سے کوئی نہیں پہونچا تھا۔

(باقی ص ۱۰۶ کا) کے خلاف اور مشہور تاریخ سے کم و بیش مختلف ہے اور قابل اعتبار نہیں، البتہ ان کا بصراحت یہ کی شہادت (جس کے سنہ کا تعین مشکل ہے) ایک تاریخی حقیقت ہے، یہ تواتر کے ساتھ اس خاندان میں چلی آئی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے خاندان کو اس خاندان والاشان سے قرابتیں قدیم سے چلی آرہی تھیں اور آپ کی دوسری شادی جیسا کہ اوپر گذرا اسی خاندان میں ہوئی۔

www.ahlehaq.org

سفرِ حج کے وقت شاہ صاحب کی عمر تیس سال تھی۔[1] اس وقت کے سیاسی حالات، استیلا کے اس ولایت کی کیفیت، بعض غیر ملکی طاقتوں کے تسلط، بیرونی اور بحری خطرات اور قزاقی کے پیش نظر یہ سفر ان کی عالی ہمتی، شوقِ کامل اور حرمین شریفین سے قلبی وابستگی کی روشن دلیل ہے، نیز ان کی حمیتِ اسلامی، دور بینی و بلند نگاہی پر بھی دلالت کرتا ہے کہ ہندوستان میں حفاظتِ دین اور ملتِ اسلامیہ ہندیہ کے عروج و استقلال کے لئے ان کی نگاہ صرف ہندوستان ہی کے حالات کے مطالعہ اور وہیں اس کی تدبیر و علاج کی تلاش میں محدود نہیں تھی، وہ قرآن مجید کے اشارۂ بلیغ "لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ"[2] پر عمل کر کے عالمِ اسلام کے اس قطب و مرکز اور دنیا کے گوشہ گوشہ سے آئے ہوئے وفود الاسلام و ضیوف الرحمٰن کے علوم و معارف، عقول و اذہان اور تجربات و مساعی سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔

اس وقت سورت ہندوستان کی بندرگاہ اور بابِ مکہ تھا، راستہ کے مقامات بالخصوص مالوہ و گجرات مرہٹوں کی غارت گری اور استحصال کی آماجگاہ بنے ہوئے تھے، شمالی ہند سے جنوبی ہند تک کے اس طویل راستہ کو اس وقت کی سواریوں، بہلیوں اور اونٹ گاڑیوں سے طے کرنا آسان نہ تھا۔[3] بحرِ ہند اور بحرِ احمر کے تمام سواحل پر انگریزی و لندیزی (ڈچ) قزاقوں اور

---

[1] القول الجلی سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے اس سفر حج سے پہلے جو مکمل ہوا، ایک مرتبہ بیس سال کی عمر میں اچانک سفر کا ارادہ اور ہجرت کا عزم فرمایا تھا، اور بعض عزیزوں کے زور دینے پر کوچ فرمایا، جب ساحلِ ہند پر پہونچے تو معلوم ہوا کہ جہاز روانہ ہو چکے ہیں، اب کوئی جہاز باقی نہیں، مجبوراً شہر کھمبات میں قیام فرمایا، ایک مرتبہ مراقبہ میں ایک ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ دل سفر سے سرد ہو گیا اور واپسی کا فیصلہ فرمالیا، اس میں کچھ بارگاہِ رسالت پناہ کا اشارہ بھی شامل تھا۔ (القول الجلی نسخہ مخطوطہ کتب خانہ تکیہ قلندریہ، کاکوری) [2] الحج۔ ۲۸

[3] شاہ عبدالعزیز صاحب کے ملفوظات سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب اس سفر میں اپنے بھتیجے کو بھی ساتھ لے گئے تھے۔

www.ahlehaq.org

فرنچ یا انگریز بحری لٹیروں کے بحری حملوں کے خطرہ سے محفوظ نہ تھے۔ حجاج کی ان مصیبتوں اور حوادث کی تفصیل اس وقت کے سفرناموں میں (جو بہت کم مرتب و محفوظ رہ سکے ہیں) دیکھی جا سکتی ہے خود ہندوستان کے راستہ کا حال یہ تھا کہ راستے کو اگر کوئی ساتھی کسی گاؤں یا آبادی میں چھوٹ جاتا تھا تو شاہ صاحب یا بدیع العجائب یا بدیع العجائب کا وظیفہ شروع کر دیتے تھے۔

سورت سے جدہ چالیس[۱] روز میں پہنچنا ہوا، اور ذیقعدہ کو داخل مکہ معظمہ ہوئے علماء اور طلبہ کی درخواست پر مسجد حرام میں مصلے حنفی کے پاس درس شروع کیا، جس میں بہت مجمع ہوتا شاہ صاحب الجزء اللطیف میں لکھتے ہیں کہ ۱۱۴۳ھ میں حرمین شریفین کی زیارت سے خوش وقت ہوا۔ ۱۱۴۳ھ کے آخر ذی الحجہ میں حج سے مشرف ہوا، ۱۱۴۴ھ تک بیت اللہ کی مجاورت کی اور زیارت مدینہ سے مشرف ہوا، شیخ ابو طاہر مدنی اور دوسرے مشائخ حرمین سے حدیث کی روایت کی، علمائے حرمین سے مجالس درس میں، شیخ ابو طاہر مدنی نے خرقہ پہنایا جو غالب صوفیہ کے تمام خرقوں کا جامع ہے، اسی سال ۱۱۴۴ھ کے اختتام پر دوبارہ مناسک حج ادا کئے، اور ۱۱۴۵ھ کے اوائل میں ہندوستان روانہ ہوا اور ۱۴ رجب ۱۱۴۵ھ کو جمعہ کے دن صحت و سلامتی کے ساتھ اپنے مستقر (دہلی) پر پہنچ گئے۔[۲]

شاہ صاحب کے مشائخ و اساتذۂ حرمین

شاہ صاحب نے مشائخ و اساتذۂ حرمین کے تعارف اور تذکرہ میں مستقل رسالہ انسان العین فی مشائخ الحرمین تصنیف فرمایا، اس رسالہ میں اپنے شیخ خاص اور اپنے محسن المحبوب استاد شیخ ابو طاہر محمد بن ابراہیم الکردی المدنی کا تذکرہ تفصیل سے شروع کیا ہے جو

---

۱ اتحاف النبلاء (قنوجی) ۲ الجزء اللطیف ص

www.ahlehaq.org

خصوصی اساتذہ و مشائخ کی عالی استعداد و تلامذہ پر گہری چھاپ ہوتی ہے اور ان کے رجحانات و تحقیقات کا ان شاگردانِ رشید پر انقلاب انگیز اثر ہوتا ہے اس لئے ان کا تذکرہ تفصیل ہی کے ساتھ تذکرہ مناسب ہے۔

شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ شیخ ابو طاہر محمد بن ابراہیم نے اپنے والد شیخ ابراہیم الکردی سے علم احادیث کی تحصیل کی اس کے بعد شیخ حسن عجیمی[1] سے زیادہ تر استفادہ کیا اس کے بعد احمد نخلی، شیخ عبد اللہ بصری سے شمائل نبوی اور مسند امام احمد دو حصے سے کم میں پڑھی، حرمین میں آنے والے علماء سے استفادہ کرتے رہے، شیخ عبد اللہ لاہوری سے ملا عبد الحکیم سیالکوٹی اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی کتابوں کی روایت کی اجازت پائی، شیخ سعید کوکنی سے بعض کتب عربیہ اور فتح الباری کا ایک ربع پڑھا[2]۔

انسان العین میں علامہ حسن بن عجیمی ترکی نے لکھا ہے کہ شیخ ابو طاہر کہا کرتے تھے کہ شیخ ولی اللہ مجھ سے لفظ کی سند لیتے ہیں اور میں ان سے حدیث کے معانی میں استفادہ کرتا ہوں، اپنی اجازت میں بھی ایسا ہی لکھا ہے[3]۔

شیخ ابو طاہر محدث کبیر ہونے کے باوجود صوفیہ کے بڑے معتقد اور ان پر تنقید سے گریزاں تھے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں شیخ ابو طاہر سے رخصت ہونے گیا تو انھوں نے یہ شعر پڑھا

نسیتُ کلَّ طریقٍ کنتُ أعرفُہ — إلّا طریقاً یؤدّینی لربعکمُ

(میں چلنے کا ہر راستہ بھول گیا سوائے اس راستے کے جو آپ کے گھر تک پہنچاتا ہے)

---

[1] شاہ صاحب نے انسان العین میں ان کا لقب عجیمی لکھا ہے جو غالباً طباعت کی غلطی ہے، تذکرہ کی عام کتابوں میں ان کا عجیمی (تصغیر کے ساتھ) ہی لکھا گیا ہے (ملاحظہ ہو زرکلی کی الاعلام جلد ۲ ص ۲۰۵) [2] انسان العین ص۱۲

[3] انسان العین فی مشائخ الحرمین مجموعہ کشف الغین عن جمال معانی ... با حاشیہ مطبع ... دیوبند

www.ahlehaq.org

یہی جواب شاہ صاحب کا بھی تھا۔ شاہ عبد العزیز صاحب فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحب جب مدینہ طیبہ سے رخصت ہونے لگے تو استادِ محترم سے عرض کیا اور وہیں کر خوش ہوئے کہ جو کچھ پڑھا تھا سب بھلا دیا سوائے علمِ دین و حدیث کے۔[1]

شاہ صاحبؒ کی بعد کی زندگی اور مشاغل نے جن کی تفصیل آئندہ اوراق میں آئے گی اس کی تصدیق کر دی کہ انھوں نے جو کچھ کہا تھا اس کو کر کے دکھا دیا۔ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ (سورۃ الاحزاب - ۲۳)

رمضان ۱۱۴۵ھ میں شیخ ابو طاہرؒ[2] نے اس دارِ فانی سے رحلت فرمائی گویا شاہ صاحبؒ کی مدینہ طیبہ سے روانگی کے کچھ عرصہ اور ان کے دہلی پہونچنے کے ڈیڑھ دو مہینے بعد ان کی وفات ہوئی، اور شاہ صاحب کی آمد ہندوستان کے بعد ان کو افادہ و تربیت کا بہت مختصر وقت ملا ۔ وَذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ

ان کے تذکرہ میں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ ان کے والد شیخ ابراہیم کورانیؒ[3] امام ابن تیمیہؒ کی طرف سے مدافعت کیا کرتے تھے، علامہ سید نعمان خیر الدین آلوسی بغدادی اپنی مشہور کتاب "جلاء العینین فی محاکمۃ الاحمدین" میں لکھتے ہیں:-

وكان سلفي العقيدة ذابًّا عن	وہ سلفی العقیدہ تھے شیخ الاسلام ابن تیمیہ
شيخ الاسلام ابن تيمية وكذا	کی طرف سے مدافعت کرتے تھے،
يذب عما وقع في كلمات	اسی طرح سے ان صوفیہ کے ان الفاظ
الصوفية مما ظاهره الحلول	کی تاویل کرتے تھے جن سے حلول ظاہر ہو۔

---

[1] ملفوظات حضرت شاہ عبد العزیز ص۸۲ [2] انسان العین ص۱۲

[3] ولادت ۱۰۲۵ھ وفات ۱۱۰۱ھ شیخ ابراہیم الکردی سو سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں۔

www.ahlehaq.org

اولا تعتد أو العينية[1]۔ حلول و اتحاد یا عینیت کا اظہار ہوتا تھا۔

اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ شیخ الاسلام کی کتابوں سے تعارف ان کی حمایت و مدافعت کا جو اظہار شاہ صاحب کی تحریروں سے ہوا، نیز اس تطبیقی رجحان میں جو شاہ صاحب کی خاندانی روایت و وراثت تھی، شیخ ابو طاہر کی گفتگو کا بھی اثر اور حصہ ہوگا جس کا رجحان انھوں نے اپنے والد ماجد شیخ ابراہیم کورانی سے وراثتاً پایا ہوگا۔

شاہ صاحب کے دوسرے شیخ جن سے شاہ صاحب کو اجازت حاصل ہوئی شیخ تاج الدین قلعی حنفی مفتی مکہ تھے، حدیث میں ان کی اکثر تعلیم شیخ عبداللہ بن سالم بصری سے ہوئی، صحیحین شیخ عجیمی سے پڑھی، اور ان سے اجازت مطلقہ حاصل ہوئی، ان کو شیخ احمد نخلی وغیرہ سے بھی اجازت ہے، شاہ صاحب نے تین روز ان کے درس بخاری میں شرکت کی، کتب ستہ کے اطراف اور مؤطا کا ایک حصہ، مسند دارمی، امام محمد کی کتاب الآثار اور مؤطا ان سے سنی، شیخ نے ان سب کتابوں کی اہل مجلس کو اجازت دی، شاہ صاحب بھی شریک تھے، شاہ صاحب نے حدیث مسلسل بالاولیہ بھی ان سے سنی۔[2]

شاہ صاحب نے حافظ حدیث اور جامع کمالات شیخ محمد بن محمد بن سلیمان المغربی کے (جو نسخۂ جمع الفوائد کے ناقل تھے اور اس کو استنبول سے حرمین میں لائے تھے اور جمہور اہل حرمین کے استاد تھے) صاحبزادہ شیخ محمد وفد اللہ سے بھی اپنے والد کی تمام مرویات کی اجازت حاصل کی، اس کے علاوہ مؤطا یحییٰ بن یحییٰ کا قرأت ان سے پڑھی اور اس کی اجازت لی۔[3]

۱؎ مجلۂ العلمین مطبوعہ مطبعۃ الامرائی مصر ص۲۷   ۲؎ انسان العین ص۱۹-۱۱   ۳؎ ایضاً ص۶

www.ahlehaq.org

شاہ صاحب زمانۂ تعلیم ہندوستان میں اپنے زمانہ کے امام حدیث شیخ محمد افضل سیالکوٹی کے درس میں بھی شریک ہوئے تھے[1] جنھوں نے حدیث کی سند شیخ سالم بن عبداللہ بصری سے حاصل کی تھی اور ان سے حدیث پڑھی تھی، وہ شیخ عبدالاحد ابن خواجہ محمد سعید سرہندی کے بھی شاگرد تھے، غازی الدین خاں کے مدرسے میں دہلی میں حدیث کا درس دیتے تھے، حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ نے حدیث و سلوک دونوں میں ان سے استفادہ کیا۔[2]

اس سفر میں آپ کے ماموں شیخ عبیداللہ پھلتی اور ماموں زاد بھائی شیخ محمد عاشق پھلتی (مصنف القول الجلی) بھی ساتھ تھے، شاہ صاحب نے اپنی والدہ ماجدہ کی خبر وفات اسی سفر حج میں واپسی پر مکہ معظمہ میں پائی تھی۔[3]

شاہ صاحب کے لئے فن حدیث کے خصوصی ذوق، حرمین میں اس کی تدریس و اشاعت کے آسان مواقع اور دنیا کے مختلف ممالک سے آنے والے طالبین علم اور علماء کو مستفید کرنے کا امکان، پھر مجاورت بیت اللہ اور جوار نبوی کی برکت و سعادت اور ہندوستان کے غیر یقینی حالات، سلطنت اسلام کے اکھڑتے ہوئے قدم اور غیر ملکی طاقتوں کے روز افزوں تسلط کا علم، حجاز میں مستقل قیام و ہجرت کی نیت کے قوی اسباب و محرکات تھے، اور نہ صرف اس کے جواز کے دلائل بلکہ دینی و علمی مصالح کی تائید بھی فراہم کرتے تھے، لیکن آپ نے ہندوستان کی واپسی کا وہ فیصلہ کیا جس میں اللہ تعالیٰ نے وہ خیر مقدر فرما رکھی تھی، جس کا آپ کے تجدیدی و اجتہادی کارناموں میں ظہور ہوا، اور اس بشارت نبوی کا تحقق جو آپ کو مدینہ طیبہ کے قیام میں حاصل ہوئی تھی۔

رأی مراد الحق فیک ان یجمع   خیر کا ارادہ ہو چکا ہے کہ تمہارے

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۶ [2] ایضاً [3] القول الجلی (قلمی)

www.ahlehaq.org

شعاع من شمس الامة المرحومة بلغۃ[1] -	ذریعہ امت مرحومہ کی ایک خاص شیرازہ بندی کا ہو۔

شاہ صاحب کے نہ صرف اپنے بارے میں بلکہ اپنے خواص اصحاب کے بارے میں بھی یہ رجحان تھا کہ وہ ہندوستان کو اپنی سرگرمیوں اور علمی و دینی خدمات کا مرکز بنائیں، جس ملک پر ان کے اسلاف نے اپنی بہترین علمی و دینی صلاحیتیں اور توانائیاں صرف کی تھیں اور جس نے ہر دور میں محقق و عالم پیدا کئے، اور اس کو مستقبل میں علم حدیث اور دوسرے علوم دینیہ کا مرکز بننا تھا۔ آپ کے ایک تلمیذ خاص مخدوم معین الدین سندھی نے حجاز جاکر حبیب وہیں رہ جانے کا ارادہ ظاہر کیا، تو شاہ صاحب نے ان کو اس سے منع کیا اور لکھا ہے۔

أما عزم تركك الرجوع إلى الوطن فلا تستعجل وأبطئ يشرح الله صدركم أو صدر ويجعل لكم[2]	جہاں تک وطن کی طرف مراجعت نہ کرنے کے ارادہ کا تعلق ہے تو اس اس بارے میں قطعی فیصلہ اور اس پر اصرار نہ کیجئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کا یا آپ کے کسی خاص تعلق والے کا شرح صدر نہ فرما دے۔

شاہ صاحب کا درس حدیث

شاہ صاحب نے حجاز سے واپس آنے کے بعد اپنے والد صاحب کے مدرسہ رحیمیہ میں

---

[1] فیوض الحرمین، مطبع احمدی، دہلی ص[illegible] [2] حیات ولی از مکتوبات حضرت شاہ ولی اللہ

المکتوب الماضی ص[illegible] مطبوعہ مجتبائی [illegible]۔

www.ahlehaq.org

جو اس وقت پرانی دلی میں اس محلے میں جو اب مہندیاں کہلاتا ہے واقع تھا، درس شروع کر دیا لیکن چند ہی دنوں میں اطراف و اکناف سے طلبہ کھنچ کھنچ کر پہنچنے لگے۔ اس وقت یہ جگہ ناکافی ثابت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت (بہت سی بے توفیقیوں اور کمزوریوں کے ساتھ) محمد شاہ بادشاہ کے مقدر میں رکھی تھی۔ اس نے شاہ صاحب کو شہر میں ایک عالی شان مکان دے کر شہر میں بلا لیا اور آپ نے وہاں درس شروع کر دیا۔[1] مولوی بشیر الدین لکھتے ہیں:۔

"یہ مدرسہ زمانہ میں نہایت عالی شان اور خوبصورت تھا اور بڑا دار العلوم کہا جاتا تھا۔ غدر تک وہ اپنی اصلی حالت پر قائم تھا۔ غدر میں مکانات لوٹ لئے گئے، کڑی تختے تک بک گئے، کھنڈر ہو گئے۔"

مولوی صاحب مزید لکھتے ہیں:۔

"اب متفرق لوگوں کے مکانات اس جگہ بن گئے ہیں مگر محلہ شاہ عبد العزیز صاحب کے مدرسہ کے نام سے آج تک پکارا جاتا ہے۔"

شاہ عبد العزیز صاحب کے ملفوظات میں ایک جگہ اس مدرسہ کی مسجد کا تذکرہ ہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا:۔

و در آں ہنگام بزرگان بسیار او بیامد	(میری ولادت کے وقت) بہت سے
بسیار آنجا یاران والد ماجد مثل شاہ	بزرگ دوست والد صاحب کے احباب
محمد عاشق و مولوی نور محمد وغیرہ معتکف	و خواص میں سے تھے مثلاً شاہ محمد عاشق
مسجد بودی بودند۔[2]	مولوی نور محمد وغیرہ اس مسجد میں معتکف ہوا کرتے تھے۔

---

[1] واقعات دار الحکومت دہلی جلد دوم ص [illegible] مؤلفہ مولوی بشیر الدین۔

[2] ملفوظات شاہ عبد العزیز صاحب (فارسی) ص [illegible] مطبع مجتبائی میرٹھ

www.ahlehaq.org

مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب مصنف "نزہۃ الخواطر" نے ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء میں دہلی اور اس کے اطراف کا سفر کیا تھا، ۲۰ رجب کے روزنامچہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہاں سید نذیر حسین صاحب کے درس سے آنے کے بعد میں نے ارادہ کیا کہ حضرت مولانا وحید الکل مقتدائے ارباب تمیز شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ کی زیارت کروں جس کی نسبت سنا ہے کہ ہمارے بزرگوں نے یکے بعد دیگرے استفادہ کیا ہے،[1] اور جس کی خاک کو اہل نظر و سعادت سمجھتے ہیں۔ یہاں سے جامع مسجد اور اس کے آگے چتلی قبر تک گیا، چتلی قبر سے دو راستے ہیں، ایک داہنے ہاتھ کو وہ سید صاحب تک چلا گیا ہے،[2] دوسرا بائیں ہاتھ کو، اس راستہ پر بہت دور تک چلا گیا، آگے بڑھ کر بائیں ہاتھ کو کوچہ فولاد خاں کو سڑک گئی ہے، وہ سیدھی کلاں محل تک چلی گئی ہے، کلاں محل میں بابائے شیخ المشائخ مولانا و مقتدانا رحمہ اللہ تعالیٰ کا مدرسہ ہے، اس کی حالت کو دیکھ کر خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّىٰ يُحْيِي هَٰذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا[3] کی آیت یاد آئی، افسوس کیا، کارخانۂ قدرت کی نیرنگیاں ہیں، ایک وہ دن تھا کہ عرب و عجم کے لوگ اس مدرسہ میں رہتے تھے اور فائدہ حاصل کرتے تھے، اور آج اس کی یہ حالت ہے کہ ویران اور خراب پڑا ہے کوئی رہنے والا نہیں[4]"

پھر اسی خاندان کی ایک بزرگ مولوی سید ظہیر الدین احمد صاحب کی روایت نقل کی ہے کہ

۱؎ یہ بزرگ مولانا نے اپنے خاندان حسنی قطبی کے متعدد بزرگوں کے نام لکھے ہیں جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے وقت سے حضرت شاہ عبدالعزیز کے وقت تک یہاں آئے اور استفادہ کرتے رہے۔

۲؎ اسی کے قریب حضرت شاہ غلام علی صاحب کی خانقاہ ہے، اس محلہ کو اب شاہ ابوالخیر مارگ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

۳؎ البقرہ۔ ۲۵۹ ۴؎ دہلی اور اس کے اطراف" مطبوعہ انجمن ترقی اردو ص ۲۲-۲۳

www.ahlehaq.org

مہندیوں میں جہاں ان حضرات کے مزار ہیں، وہاں مدرسہ بھی تھا۔ شاہ عبدالرحیم صاحب کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب نے شہر میں تشریف لانے پر مدرسہ ان کو دیا گیا اور وہ یہیں رہ پڑے۔[1]

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی زبانی حضرت شاہ صاحبؒ کے بعض خصائص و معمولات

افسوس ہے کہ کوئی معاصر تذکرہ، سفرنامہ یا روزنامچہ ایسا سامنے نہیں ہے جس سے شاہ صاحب کے خصائص، معمولات، نظام الاوقات اور نشست و برخاست کے حالات تفصیل سے معلوم ہوں۔ ملفوظات حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ (فارسی)[2] میں کہیں کہیں کچھ اشارے آئے ہیں۔

فرمایا کہ میں نے اپنے والد ماجد کا جیسا قوی الحافظہ نہیں دیکھا، دیکھنے کا انکار تو نہیں کر سکتا لیکن شنیدہ میں نہیں آیا۔[3] علوم و کمالات کے باوصف اوقات میں بھی اپنی شان نہیں رکھتے تھے، اشراق کے بعد جو نشست رکھتے تو دوپہر تک نہ زانو بدلتے نہ کھجاتے نہ تھوکتے۔[4] ہر فن میں ایک ایک آدمی کو تیار کر دیا تھا، اس فن کے طالب کو اسی کے سپرد فرما دیتے اور خود بیان حقائق و معارف اور ان کی تدوین و تحریر میں مصروف رہتے، حدیث کا مطالعہ اور درس فرماتے تھے، جس چیز کا کشف ہوتا تھا اس کو لکھ لیتے تھے۔ بیمار بہت کم ہوتے تھے۔[5] جد بزرگوار اور عم محترم (جو طبیب بھی تھے) لوگوں کا علاج کرتے تھے، والد صاحب نے اس شغل کو موقوف کیا، البتہ طب کی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے۔[6] طبیعت میں بچپن سے لطافت و نظافت تھی۔[7] اشعار صوفیانہ کم پڑھتے، کبھی کبھی مصرعہ یا کوئی شعر پڑھتے۔[8]

---

[1] دہلی اور اس کے اطراف۔ مطبوعہ انجمن ترقی اردو ص ۷۵ [2] کتاب کے علاوہ از مترجم محمد بشیر الدین صدیقی صاحب ترجمان ملفوظات کا مسودہ کی بوسیدگی اور کرم خوردگی کی وجہ سے نام نہیں معلوم ہو سکا لیکن کتاب میں ایسی داخلی شہادتیں موجود ہیں کہ ان ملفوظات کی نسبت میں کسی شک کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ [3] ملفوظات ص ۱۰

[4] ایضاً ص ۲۲ [5] ایضاً ص ۱۰ [6] ایضاً ص ۶ [7] ایضاً ص ۱۴

وفات

بالآخر اس بیش قیمت و بابرکت مدت حیات کے جس کا ایک ایک لمحہ قیمتی اسلام اور مسلمانوں کے لیے مفید اور احیاء سنت، قرآن و حدیث کی نشر و اشاعت، تعلیم و تربیت، یادِ الٰہی اور اعلاء کلمۃ اللہ کی فکر میں مصروف تھا، خاتمہ بالخیر کا دن آ گیا جس سے "کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ"[1] کے اعلان و وعدہ کے مطابق نہ کوئی نبی مستثنیٰ ہے نہ کوئی ولی نہ پیغمبر، ۱۲۴۰ھ شروع ہوا تھا، محرم کی آخری تاریخ تھی کہ یوم موعود آ پہونچا اور حضرت شاہ صاحب نے مختصر علالت کے بعد باسٹھ سال کی عمر[2] میں اس دارِ فانی کو خیرباد کہا، اور جانِ جان آفریں کے سپرد کی۔

چیست ازیں خوب تر در ہمہ آفاق کار
دوست رسد نزد دوست یار بنزدیک یار

کسی تذکرہ میں علالت اور واقعۂ وفات کی تفصیلات نہیں ملتیں، ناچیز مصنف کے لئے یہ بات قابل فخر و شکر ہے کہ اس سلسلہ میں جو کچھ معلومات و تفصیلات ملتی ہیں ان کا واحد ذریعہ رائے بریلی کے سادات حسنی قطبی اور خاندان علم اللّٰہی کے ایک ممتاز فرد سید محمد نعمان حسنی کا مکتوب ہے جو انھوں نے اسی خاندان کے دوسرے بزرگ و نامور فرد حضرت شاہ سید ابو سعید کے نام شاہ صاحبؒ کی وفات کے چند ہی دنوں بعد دہلی سے لکھا تھا، کاتب حضرت سید محمد نعمان[3] بجا طور پر

---

[1] آل عمران ۱۸۵ [2] ملفوظات شاہ عبدالعزیز ... شاہ صاحب کی زبانی بیان کیا گیا ہے کہ عمر شریف باسٹھ برس چار ماہ کی ہوئی ... [illegible]

[3] ... حضرت شاہ علم اللہ ... سید محمد نعمان ... رائے بریلی میں ولادت ہوئی ... [illegible] ... (نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ...)

www.ahlehaq.org

حضرت سید احمد شہیدؒ کے حقیقی چچا اور مکتوب الیہ (حضرت شاہ سید ابو سعیدؒ) حضرت سید صاحبؒ کے حقیقی نانا تھے، حضرت شاہ ابو سعیدؒ شاہ صاحب کے مریدین اور اصحاب با اختصاص میں سے تھے جن کے نام شاہ صاحب کے خود متعدد مکاتیب موجود ہیں، یہ خط بکتب خانہ عالی مجموعہ مکاتیب مکتوب المعارفؒ (قلمی) سے نقل کیا جاتا ہے۔

الحمد لله على القضاء والرضاء	باسمہ سبحانہ تعالیٰ شانہ۔ اللہ تعالیٰ
على القضاء والصبر على المصيبة	کا شکر ہے اس کی نعمتوں اور تقدیر
والبلاء والصلاة والسلام على	پر راضی رہنے اور بلاء و مصیبت پر
سيد الشاكرين ونبية الراضين	صبر کی توفیق پر۔ صلوٰۃ و سلام ہو سید
وقدوة الصابرين شفيع المذنبين	الشاکرین و نبیۃ الراضین قدوۃ
ورحمة للعالمين محمد وآله وصحبه	الصابرین شفیع المذنبین اور رحمۃ للعالمین
الطيبين الطاهرين وعلى ورثته	محمد رسول اللہ اور ان کی آل و اصحاب
العلماء الراسخين والأولياء	پر جو طیب و طاہر تھے اور آپ کے وارث
المرشدين إلى يوم الدين	علمائے راسخین اور اولیائے مرشدین پر
بعد ہذا اگر شرح سوگواری و بیان	قیامت تک۔ اس کے بعد عرض ہے کہ

ان کی بیٹی کا ان کے انتقال کے بعد ان کے کمال تربیت صاحبزادہ حضرت سید محمد عارف شاہ علی صاحب سے استفادہ اور اخذ فیض کیا، ان کے انتقال کے بعد ہجرت سفر باندھا اور حضرت شاہ علم اللہ کے مشتاق نانا اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب سے فیض و برکت حاصل کئے، خوش قسمتی سے حضرت شاہ صاحب کی وفات کے وقت موجود تھے، ان کی تجہیز و تکفین میں شریک تھے، ... اختیار کیا، حج ادا کر کے بیت المقدس اور مدینۃ الخلیل (حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا مسکن و مدفن) کا رخ کیا، راستہ میں وقت موعود آپہنچا اور سرزمین انبیاء بیت المقدس میں مدفون ہوئے، ... (۹۵)

www.ahlehaq.org

غزا ای وماتم روزی با قصہ ارتحال امام
سنت وجماعت ومقتدای ارباب کرامت
پیشوای عرفاء زمان سر آمد اولیاء جہان
قطب الاقطاب محبوب سبحانی سیدنا ومرشدنا
ولی اللہ فاروقی مجدد مائتہ ثانی
رضی اللہ عنہ ازین عالم بہ لقاء محبوب
دار الاتصال وجمال بے زوال وجلال بے حد
روزگار ترتیب یافتہ بود مانند حال او نیز
غرض دلکشان سر دست

امام اہل سنت وجماعت مقتدائے
ارباب کرامت پیشوائے عرفائے
زمان اسرز تمام اولیائے جہان
قطب زمان محبوب سبحانی سیدنا
ومرشدنا شاہ ولی اللہ فاروقی
مجدد قرن دوازدہم رضی اللہ عنہ
کے واقعہ ارتحال کی تفصیل اگر
صفحہ روزگار پر ثبت ہو تو ہم سکو لیں
کے حسب حال ہے یہ

چہ بجا طور رسید یار مرا
کہ بجوار کشید کار مرا

چہ بجا طور رسید یار مرا
کہ بجوار کشید کار مرا

واعجبا! این چہ بے نیازی و غیرت
سازی است کہ چنین رفیع مقتدای
را در کمتر وقت بعمر شصت و دو سالگی ندا
یا ایتہا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ
(الفجر۔ ۲۸) فادخلی مخاطب بدست
ضلال واہل بدعت را خوش نمودند و اہل
دین را اندوہگین کردند یعنی بتاریخ
سلخ محرم الحرام سنہ ۱۱۷۶ یک ہزار

واعجبا! اللہ تعالیٰ کی یہ عجیب
شان بے نیازی ہے کہ ایسے مقتدی کی
عمر کو صرف ۶۲ سال کی مختصر عمر میں
یا ایتہا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ
(الفجر۔ ۲۸) کی پکار سنا دی گئی اور اہل
بدعت وضلالت کو خوش اور دینداروں
کو اندوہگین کر دیا گیا یعنی محرم کی آخری
تاریخ سنہ ۱۱۷۶ھ جمعہ کے دن ظہر کے

www.ahlehaq.org

[illegible] شنبہ المبارک
وقت الظہر بامر الٰہی روح مطہر
آنحضرت از قالب عنصری مفارقت
نمودہ با اعلیٰ علیین نشیمن ساخت
بمقتضائے وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ
مِنَ الْأُولَىٰ ۝ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ
رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ۝ (الضحیٰ ۴-۵)
الی لقاء رفیق اعلیٰ روان پرداخت
و حالت تمام اصحاب و احباب
از مفارقت آنجناب چنان تباہ و
خراب بود کہ از حیز تحریر بیرون است
یقینیکہ استیلاء و کاہش آلام
بر متعلقان و پیروان ستمہا [illegible] یافتہ
باشد رضینا بقضاء اللہ انا للہ
وانا الیہ راجعون رحمۃ اللہ
علیہ وعلیٰ من یعتنا بہ و توسلوا
آمدیم باینکہ از فضل الٰہی و تصدق
جناب حضرت رسالت پناہی
صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ

وقت حق تعالیٰ کے حکم سے حضرت
کی روح پاک نے قالب عنصری کو
چھوڑ کر اعلیٰ علیین پر اپنا نشیمن
بنا لیا ۔۔۔ تمام اصحاب و احباب
کی حالت آنجناب کی فرقت سے
ایسی تباہ و خراب تھی جو احاطہ
تحریر سے باہر ہے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا
اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اللہ کی رحمت
آپ پر اور آپ کے متوسلین پر
نازل ہو مقصد تحریر یہ ہے کہ
فضل الٰہی اور حضرت رسالت
پناہی صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم
کے صدقے میں حضرت کی کشش
نے [illegible] بیخبری زیر قدم کے
سینے میں بٹھا دیا کر آستان بوسی
کی سعادت حاصل کی اور جناب
قدسی القاب کی صحبت سے مشرف ہوا
اور اپنے حال پر حضرت کی بلند توجہ
میں بہت اضافہ دیکھا وہاں سے

www.ahlehaq.org

حضرت ایشان علیہ الرحمۃ این جا ہم
باسوی خود کشیدہ شہر ذیقعدہ بدہلی
رفتہ بتقبیل آستانہ متبرکہ استسعاد
یافتہ و بملازمت جناب قدسے
القاب بشرف گردیدہ بحالات خود
توجہات عالیات بیش از بیش یافتہ
و از آنجا حضرت ایشان جہت تداوی
و بندہ اسیر بیمار و ذی الحجہ تاریخ نہم شہر
دہلی بمکان بابا فضل اللہ بمسجد روشن
الدولہ کہ چوک سعد اللہ خان نزول
فرمودند و فرزندان گرامی میاں محمد صاحب
و میاں عبد العزیز و میاں رفیع الدین
سلمہم اللہ تعالیٰ و میاں محمد عاشق صاحب
و میاں اہل اللہ صاحب و میاں محمد فائق
و میاں محمد جواد و محمد امین و غیرہم یاران
حاضر خدمت بودند و این غلام
و میر محمد عتیق و میر قاسم علی کہ در وقت
آخرین شرف انتساب بیعت یافتہ
ہر روز بشرف حضور و بدولت خدمت گزاری

حضرت دوا علاج کے سلسلے میں
اور ذی الحجہ کو دہلی میں بابا فضل اللہ
کے مکان پر مسجد روشن الدولہ کے
احاطے میں (جو چوک سعد اللہ خاں
میں ہے) مقیم ہوئے فرزندان گرامی
میرے میاں محمد صاحب میاں عبد العزیز
و میاں رفیع الدین سلمہم اللہ تعالیٰ اور
مریدین و متعلقین میں سے میاں
محمد عاشق صاحب میاں محمد فائق
میاں محمد جواد اور خواجہ محمد امین وغیرہ
احباب حاضر خدمت تھے یہ غلام
اور میر محمد عتیق اور میر قاسم علی
(جنھوں نے حضرت سے ان کے
آخری ایام میں شرف بیعت
حاصل کیا تھا) ہر روز حاضری
و خدمت گزاری کی سعادت حاصل
کرتے تھے مشفق من! یہ آخری
مجلسیں عجب پر فیض مجلسیں تھیں
ملائکہ و ارواح طیبہ کا برابر نزول

www.ahlehaq.org

وسیلہ حضور پر حضور سعادت اندوز	محسوس ہوتا تھا نفحات انس و محبت
می شدیم خصوصاً این مجلس آخرین عجیب	اور نفحات قدس و برکت بارش
مجلسے بود پرفیض و شاہ پیدا بود ملکوت	کی طرح برستے تھے اکثر اہل نسبت
و نزول ارواح طیبہ ارکان عالم ناسوت	احباب اپنے وجدان صحیح سے
میگرسید نفحات انس و محبت و نفحات	اس کو محسوس کرتے تھے واحسرتا
قدس و برکت بمثال نزول غیث	اہل اللہ اور عارفین ہر زمانے
می بارید اکثر یاران اہل نسبت بوجدان سلیم	میں ہوتے ہیں مگر ایسا مرد حقانی
میفہمیدند و دریافتند واحسرتا اہل اللہ	جو ایک طرف اوصاف حمیدہ کا
و عرفا لا زال در ہر زمان پیدا شوند	جامع ہو دوسری طرف کتاب
اما این چنین مرد با جمعیت اوصاف حمیدہ	و سنت کے علم میں مجتہد مطلق کا
علم کتاب و سنت با اجتہاد مطلق و در	درجہ رکھتا ہو حقائق و معارف
حقائق و معارف بحر مواج و در علوم	کا بحر مواج اور دیگر علوم کا
دیگر بحر فیاض است از صدہا سال	دریائے فیاض ہو کہیں صدیوں
بوجود آمدہ	میں پیدا ہوتا ہے
دور ہا باید کہ تا یک مرد حق آگاہ شود	دور ہا باید کہ تا یک مرد حق آگاہ شود
بایزید اندر خراسان یا اویس اندر قرن	بایزید اندر خراسان یا اویس اندر قرن
یاران را می باید کہ مصابرت و شکیبائی	دوستوں کو چاہئے کہ صبر و شکیبائی
ورزیدہ نسبت رابطہ حضرت شیخ را	اختیار کر کے حضرت شیخ کی نسبت رابطہ کو
بجانب ہمت و در تصور نہادہ مراقبات	پوری ہمت کے ساتھ تصور میں رکھ کر مراقبات

www.ahlehaq.org

معلوم مشغول باختصار انشاء اللہ تعالیٰ
فیض صحبت و رابطہ بار بر خواہد بود
کما یفیض من بعض رسائلہ
رحمۃ اللہ علیہ۔
والحمد للہ رضامندی حضرت صاحب
قدس سرہ از ایں حقیر و قرب تمام یافت
بحال ایشان بندہ زیادہ از صد بیان است
اکثر اوقات استفسار احوال ما می
فرمودند و اجرای عنایات بیکران بود
در بیماری آخر در حضور بسیار انتظار
یافتم اما اسباب جمع نشد
آنجناب را بندہ خیال مودت ساختند
شاید منظور لقای آخرین بخاطر شریف بود
باخود مرۃ فرمودند کہ میرزا ابو سعید ارادہ
آمدن دارند اگر زود برسند بہتر
باشد۔
صاحب من! ظاہر صحبت ایشان
رو باستتار کشیدہ تصنیفات آنحضرت

معلوم میں مشغول ہوں، ان شاء اللہ
فیض صحبت و رابطہ برابر جاری
رہے گا جیسا کہ حضرت کے بعض
رسائل سے معلوم ہوتا ہے۔
الحمد للہ کہ حضرت قدس سرہ کی آپ سے
رضامندی اور آپ کے حال پر توجہ کا یہ
حد بیان سے باہر ہے اکثر اوقات آپ کے
حالات دریافت فرماتے تھے ابتداء میں کی
جگہ بندہ آپ کے ہمراہ پہنچا اور نقد
کو لگا کہ آپ کے قدم گرامی سے فیض پہنچا
کہ ان کو ان کے خیال سے بیان فرماتے
تھے شاید آپ کے آخری ملاقات کی
تمنا حضرت کے دل میں تھی کیونکہ
ایک بار فرمایا کہ میرا ابو سعید آنے کا
ارادہ رکھتے ہیں اگر جلد آ جائیں تو
بہتر ہوتا
صاحب من! آنحضرت کی ظاہری
صحبت سے تو اب محرومی ہے

لہ اس میں کسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے اس کی تفصیل معلوم نہ ہو سکی۔

www.ahlehaq.org

قریب بصد جلد زیادہ در علوم دین
از تفسیر و اصول و فقہ و کلام و حکمت
مثل حجۃ اللہ البالغہ و اسرار فقہ و تفسیر
و ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء
و ترجمہ قرآن کہ بہر واحد قریب بہ پنجاہ
و دو جلد باشد بخواہد بود و دیگر رسائل
در حقائق و معارف مثل لطائف القدس
و لمعات و فیوض الحرمین و انفاس
العارفین و غیرہم کہ تخلق از صحبت
و برکت خدمت سید سندی یافتہ کہ
عزیمت برپا آمدہ کہ ہر یکے را
نویسانیدہ را گاہ تمامہ را باید کہ
توجہات سرانجام خواہد یافت
و مثل این چنین تصنیفات و اکثر
اعلم در اسلام تصنیف شدہ
باشند چنانچہ ارباب بصیرت
عبرت یافتہ اعتراف دارند کلام
ایشان در ہر باب کہ نوشتہ اند

البتہ حضرت کی تصنیفات کی تعداد
نوشتے بکمال اس سے بھی زیادہ ہے
علوم دین یعنی تفسیر و اصول فقہ و
کلام اور حدیث میں حجۃ اللہ البالغہ
اسرار فقہ و تفسیر[1] ازالۃ الخفاء عن
خلافۃ الخلفاء اور ترجمہ قرآن کہ
ان میں سے ہر ایک کی ضخامت پچاس
نوشتے جزو کی ہوگی حقائق و معارف میں
دیگر رسالے جیسے الطاف القدس لمعات
فیوض الحرمین اور انفاس العارفین
وغیرہ جو حضرت کی صحبت و برکت کی
خدمتگاری میں ان کے بارے میں یہ
ہمت کریں کہ ان سب کو لکھوا کر اپنی
کریں یہ کام تھوڑی سی توجہ سے انجام
پا جائے گا ان شاء اللہ بہتر جانتا ہے کہ
تاریخ اسلام میں ایسی کتابیں لکھی گئی ہیں
یا نہیں جیسا کہ ارباب بصیرت ان کا
اعتراف کرتے ہیں حضرت نے

---

[1] اس سے کونسی کتاب مراد ہے اس کی وضاحت نہ ہو سکی۔

www.ahlehaq.org

"احصول است" اللهم ارزقنا
علاوہ مشہورہ
وتعیین این فقیر و دیگر صاحبزادہا
ویاران حضرت بملاحظہ فرو نمیت
معانی بجناب حضرت انیست کہ بمجرد
شنیدن این حادثہ عظیمہ جہت
فاتحہ و دعائیت و زیارت مرقد
مطہر راہی این صوب خواہند شد
لہذا منتظر قدوم ہستم اگر زود تشریف
بیارند باری بملاقات معانی مسرور
الوقت خواہم شد اگر توقف در آمدن
باشد اعلام نمایند کہ فقیر ہم عزم
مراجعت وطن دارد۔
و دیگر آنکہ میاں محمد عاشق صاحب
بعد سلام فرمودہ اند کہ میر ابوسعید
جیو را بنویسند کہ ہر مکاتیب کہ حضرت
ایشان بجانب آنصاحب شریف
صدور یافتہ باشد نقل آنہا البتہ
بفرستند کہ داخل مکاتیب نمودہ شود

جس مضمون پر بھی لکھا ہے وہ احصول
حیثیت رکھتا ہے۔
اس فقیر اور صاحبزادگان اور حضرت
کے احباب کو حضرت سے آپ کی عنایت
تعلق کو دیکھتے ہوئے یقین ہے کہ
آپ اس حادثہ عظیمہ کی خبر سنتے ہی
فاتحہ خوانی اور مرقد مطہر کی زیارت
کے لئے یہاں کے لئے روانہ ہو جائیں گے
اسی لئے میں منتظر قدوم ہوں اگر جلد تشریف لائیں گے
تو ملاقات سے اس وقت میں بھی خوش وقت
ہو جاؤں گا اگر آنے میں دیر ہو تو اطلاع
فرمائیں کہ فقیر بھی وطن واپسی کا ارادہ
رکھتا ہے۔
دوسری بات یہ کہ میاں محمد عاشق
صاحب نے بعد سلام کے فرمایا ہے کہ
میر ابو سعید کو لکھ دیجئے کہ آپ کے
نام حضرت کے جتنے بھی مکتوبات ہوں
ان کی نقل ضرور بھیج دیں تاکہ انہیں
مکاتیب کے مجموعے میں داخل کیا جائے

www.ahlehaq.org

فارسی	اردو
از حضرت میاں اہل اللہ صاحب	حضرت میاں اہل اللہ صاحب
و دیگر یاران و صاحبزادہا سلام اتم	دوسرے احباب اور صاحبزادوں
باسم مطالعہ فرمایند و کیفیت ارتحال	کی طرف سے نام بنام سلام پہنچے
و وصال مرحومی مغفوری غفران پناہ	بھائی محمد معین کی کیفیت
بھائی محمد معین صاحب[1] رحمۃ اللہ علیہ	ارتحال و وصال کو میں نے حضرت
رحمۃ واسعۃ بجناب عالی حضرت	سے بزرگانہ میں عرض کر دیا تھا
صاحب قبلہ در مقام بزرگانہ عرض	حضرت نے ان کی روح کو
کردم فاتحہ بر روحانیت خواندند	ثواب بخشا تھا، اور افسوس کا
و تاسف ہا نمودند[2]	اظہار کیا تھا۔[3]

شاہ صاحب کی وفات ۲۹ محرم ۱۱۷۶ھ بروز شنبہ (۲۱ اگست ۱۷۶۲ء) بوقت ظہر ہوئی، جیسا کہ مکتوب مذکورۃ الصدر سے معلوم ہوا، شاہ عبدالعزیز صاحب کے ملفوظات میں ہے۔

فارسی	اردو
کہ در بست نہم محرم وفات یافت	۲۹ محرم کو وفات پائی آپ کی تاریخ
...... تاریخ وفاتش "او بود امام اعظم دین"	وفات "او بود امام اعظم دین" اور

---

۱ سید محمد معین بن سید محمد ضیاء بن آیۃ اللہ بن شاہ علم اللہ، حضرت شاہ ابو سعید صاحب کے ننھیالی بھائی اور عمر میں بڑے تھے۔ ۱۱۷۶ھ کی کسی تاریخ میں انتقال ہوا، ان کا سلسلۂ اولاد و خاندان ابھی چل رہا ہے۔

۲ مکتوب المعارف (فارسی) ۱۱۷۶ھ قلمی

۳ ترجمہ از فارسی بقلم مولوی شمس تبریز خان صاحب۔

www.ahlehaq.org

دیگر "ہائے دل روزگار رفت"[1] "ہائے دل روزگار رفت" سے
بست نہم محرم وقت ظہر[2] نکلتی ہے ۲۹ محرم وقت ظہر
وفات کا دن اور وقت تھا۔

مدفن

تدفین دلی دروازہ کے بائیں جانب اس مقام پر ہوئی، جو مہندیان کہلاتا ہے،[3] جس جگہ یہ قبرستان واقع ہے یہاں کبھی حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کے جد مادری شیخ عبدالعزیز شکر بار کی خانقاہ تھی، اب بھی ان کا مزار اس سے کچھ فاصلہ پر ہے، بعد میں شیخ رفیع الدین صاحبؒ نے یہیں قیام اختیار کیا، خاندان ولی اللّٰہی کے مکانات بھی اسی جگہ تھے، شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس جگہ قیام ترک کر کے اندرون شاہجہان آباد قیام اختیار کیا، یہیں مہندیان

---

[1] صحیح "ہائے دل روزگار رفت" ہے جس سے صحیح سنہ وفات نکلتا ہے (انتقاد مولوی نور الحسن راشد کاندھلوی بر بیان جولائی ۱۹۸۰ء) [2] ملفوظات حضرت شاہ عبدالعزیزؒ ص۸۵ (مطبع مجتبائی میرٹھ ۱۳۱۴ھ) [3] سرسید احمد خاں "آثار الصنادید" میں لکھتے ہیں۔

"یہ ایک مہندیان تھی، پیچھے آکر مکانات اور مدرسے بنے ہوئے تھے اور روڑی پڑی رہتی کیونکہ یہ جا درجہ بنا تھی، کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ عمارت کب تعمیر ہوئی اور کب بنی تھی اور کس نے بنائی تھی، مگر عوام الناس میں یہ مشہور ہے کہ کوئی نواب تھے کہ جناب حضرت الاعظمؒ کی مہندی اٹھا کرتے ہیں یعنی جیسے کہ ایک مہندی باندھی ہوئی کی آب رسانی کا جلوس نکال کر اس کو روشن کرتے ہیں۔ ان نواب صاحب کے یہاں بھی مہندی روشن ہونے کی رسم تھی، جو بعد میں اس جگہ کا نام مہندیاں کے مشہور ہو گیا، مگر نہیں معلوم کہ وہ نواب کون تھے جن کے مہندی بنائی تھی (آثار الصنادید ص ۱۹۵ مطبع نول کشور ۱۸۰۳)

www.ahlehaq.org

کے قبرستان میں شاہ صاحبؒ کے چاروں صاحبزادگان خود شاہ صاحبؒ کے والد محترم حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کی قبور ہیں جن پر کتبے نصب ہیں جن میں ان کے سنین وفات ہیں ان حضرات کے علاوہ خاندان کے دوسرے افراد ذکور واناث کی قبریں ہیں، متصل مسجد ہے جس کے قرب وجوار میں بہت سے علماء وصالحین اور خاندان ولی اللّٰہی کے عقیدت مندوں کی کثیر التعداد قبریں ہیں جن میں اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے۔

www.ahlehaq.org

www.ahlehaq.org

باب پنجم

شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے تجدیدی کارنامے

اصلاحِ عقائد و دعوت الی القرآن

شاہ صاحبؒ کے دائرۂ تجدید کی وسعت اور تنوع

شاہ صاحبؒ سے اللہ تعالیٰ نے تجدید و اصلاحِ امت، دین کے فہم صحیح کے احیاء، علومِ نبوت کی نشر و اشاعت اور اپنے عہد و ملت کے فکر و عمل میں ایک نئی زندگی اور تازگی پیدا کرنے کا جو عظیم الشان کام لیا، اس کا دائرہ ایسا وسیع اور اس کے شعبوں میں اتنا تنوع پایا جاتا ہے جس کی مثال معاصرین ہی نہیں دورِ ماضی کے علماء و مصنفین میں بھی کم نظر آتی ہے۔ اس کی وجہ (توفیق اور تائیدِ الٰہی کے سوا) اس عہد کے حالات کا تقاضا بھی ہو سکتی ہے، جو شاہ صاحب کے حصہ میں آیا، اور وہ جامعیت، علوِ ہمت اور مخصوص تعلیم و تربیت بھی جو شاہ صاحبؒ کے خصائص میں سے ہے، اس سب کا نتیجہ تھا کہ شاہ صاحبؒ نے علم و عمل کے اتنے میدانوں میں تجدیدی و اصلاحی کارنامہ انجام دیا کہ ان کے سوانح نگار اور اسلام کی تاریخ دعوت و عزیمت پر قلم اٹھانے والے کے لئے ان کا احاطہ، اور ان سب کا تفصیلی و تحلیلی جائزہ لینا دشوار ہو گیا ہے، اور جو اس کا ارادہ کرے اس کی زبان بے اختیار فارسی کے اس مشہور شعر کے ساتھ

www.ahlehaq.org

شکوہ سنج ہوجاتی ہے

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار
گلچینِ بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

ہم ان کو اگر علیحدہ علیحدہ بیان کریں تو ان کے حسب ذیل عنوانات ہوں گے۔

۱۔ اصلاح عقائد و دعوت الی القرآن۔

۲۔ حدیث و سنت کی اشاعت و ترویج اور فقہ و حدیث میں تطبیق کی دعوت و سعی

۳۔ شریعت اسلامی کی مربوط و مدلل ترجمانی اور اسرار و مقاصد حدیث و سنت کی نقاب کشائی

۴۔ اسلام میں خلافت کے منصب کی تشریح، خلافت راشدہ کے خصائص اور اس کا اثبات اور رد رفض۔

۵۔ سیاسی انتشار اور حکومت مغلیہ کے دور احتضار میں شاہ صاحب کا مجاہدانہ و قائدانہ کردار۔

۶۔ امت کے مختلف طبقات کا احتساب اور ان کو دعوت اصلاح و انقلاب۔

۷۔ علمائے راسخین اور مردان کار کی تعلیم و تربیت جو ان کے بعد اصلاح امت اور اشاعت دین کا کام جاری رکھیں۔

ہم سب سے پہلے اصلاح عقائد و دعوت الی القرآن کے عنوان کو لیتے ہیں کہ تجدید دین و اصلاح امت کا کام کسی دور اور کسی ملک میں بھی شروع کیا جائے تو اس کو اولیت حاصل ہوگی اور اس کے بغیر احیائے دین و ملت کی جو کوشش بھی کی جائے گی وہ نقش برآب اور عمارت بے اساس ہوگی۔ قرآن نے انبیاء علیہم السلام کے واقعات و مکالمات سے اور مستند تاریخ نے داعیان انبیاء اور علماء ربانیین کے طرز عمل اور ترتیب کار سے اسی حقیقت کو ثابت کیا

www.ahlehaq.org

اور قیامت تک یہ اس اصلاح و تجدید کا دستور العمل رہے گا جس کا مزاج نبوی اور جس کا نظام قرآنی ہوگا۔

عقائد کی اہمیت

مصنف یہاں پر اپنی ایک سابقہ تحریر کا اقتباس پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہے۔

اس دین کا سب سے پہلا امتیاز اور نمایاں شعار عقیدہ پر زور اور اصرار اور سب سے پہلے اس کا مسئلہ حل کر دینے کی تاکید ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تمام انبیائے کرام ایک متعین عقیدہ کی (جو ان کو وحی کے ذریعہ ملا تھا) دعوت دیتے اور اس کا مطالبہ کرتے رہے اور اس کے مقابلہ میں کسی مفاہمت یا دست برداری پر تیار نہ ہوئے۔ ان کے نزدیک بہتر سے بہتر اخلاقی زندگی، اور اعلیٰ سے اعلیٰ دماغی کارکردگی، اعلیٰ تمدنی صلاحیت، سلامت روی اور معقولیت کا ذخیرہ بیکراں اور مثالی تجربہ، خواہ اس سے کسی بہتر حکومت کا قیام، کسی صالح معاشرہ کا وجود اور کسی عظیم انقلاب کا ظہور ہوا ہو[1] اس وقت تک کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتا جب تک وہ اس عقیدہ کا تابع نہ ہو جس کو وہ لے کر آئے، اور جس کی دعوت ان کی زندگی کا نصب العین ہے اور جب تک اس کی یہ ساری کوششیں اور کارنامے صرف اس عقیدہ کی بنیاد پر تعمیر نہ ہوں، یہی وہ حقیقی اصلی و واضح اور روشن خط ہے جو انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت اور قومی رہنماؤں، سیاسی لیڈروں، انقلابیوں اور مصلحین کی

---

[1] اگرچہ اس پر تعجب ہے کہ صحیح عقیدہ کی اساس کے بغیر یہ ممکن بھی ہے۔

www.ahlehaq.org

درمیان کھینچ دیا گیا ہے جس کا سرچشمہ فکر و نظر انبیاء کرام کی تعلیمات اور ان کی سیرتوں کے بجائے کوئی اور ہو۔[1]

حقیقت یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ جو علوم و معارف انسانوں تک پہونچے ہیں ان میں سب سے اعلیٰ اور ضروری و اہم علم خدا تعالیٰ کی ذات صفات اور افعال کا علم اور اس مخصوص تعلق کا تعین ہے جو خالق و مخلوق اور عبد و معبود کے درمیان ہونا چاہیے، یہ علم سب سے برتر و افضل علم ہے، اس لئے کہ اس پر انسانوں کی سعادت و فلاح دنیوی اور نجات اخروی موقوف ہے اور یہی عقائد و اعمال اور اخلاق و تمدن کی بنیاد ہے، اسی کے ذریعہ انسان اپنی حقیقت سے واقف ہوتا، کائنات کی پہیلی بوجھتا اور زندگی کا راز معلوم کرتا ہے اسی سے اس عالم میں اپنی حیثیت کا تعین کرتا، اور اس کی بنیاد پر اپنے ہم جنسوں سے اپنے تعلقات استوار کرتا ہے اور اپنے مسلک زندگی کے بارے میں فیصلہ اور پورے اعتماد و بصیرت اور وضاحت کے ساتھ اپنے مقاصد کا تعین کرتا ہے۔[2]

خصوصیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا اس امت کے ساتھ جو خصوصی رابطہ اور تائید و نصرت، رضا و محبت اور غلبہ و عزت کا جو موکّد وعدہ ہے، وہ محض عقائد صحیحہ، ایمانی صفات و خصوصیات اور خاص طور پر خالص اور بے آمیز عقیدۂ توحید کی بنا پر ہے، ارشاد ہے:۔

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ — اور (دیکھو) بے دل نہ ہونا اور

الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم — نہ کسی طرح کا غم کرنا اگر تم مومن (صادق) ہو

---

[1] دستور حیات صفحہ ۱۳۷، کتاب میں آیات قرآنی اور انبیاء علیہم السلام کے اسوہ کی مدد سے اس کے شواہد و دلائل پیش کئے گئے ہیں اور حدیث و سیرت کے واقعات سے اس کو مدلل کیا گیا ہے۔ [2] ایضاً صفحہ

www.ahlehaq.org

مُّؤْمِنِیْنَ ○ (آل عمران - ۱۳۹) — ہو تو تم ہی غالب ہو گے۔

نیز کھلے لفظوں میں فرمایا گیا ہے:-

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ — جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ — نیک کام کرتے رہے ان سے خدا کا
فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ — وعدہ ہے کہ ان کو ملک کا حاکم بنا دیگا
مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ — جیسا ان سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا
دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰى لَهُمْ — تھا اور ان کے دین کو جسے اس نے
وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ — ان کے لئے پسند کیا ہے مستحکم و پائدار
اَمْنًا یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِكُوْنَ — کرے گا اور خوف کے بعد ان کو امن
بِیْ شَیْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ — بخشے گا وہ میری عبادت کریں گے
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ — (اور) میرے ساتھ کسی اور کو شریک
(النور - ۵۵) — نہ بنائیں گے اور جو اس کے بعد کفر کرے
تو ایسے لوگ بدکردار ہیں۔

انبیاء کے تابعین برحق، اور علمائے ربانی جو دین اللہ کی فطرت اور اس کے مزاج سے واقف ہوتے ہیں وہ اس کو کسی جگہ پر قائم کرنے کے لئے پہلے زمین کو پورے طور پر صاف و ہموار کرتے ہیں وہ شرک اور جاہلیت کی جڑیں اکھاڑ دیتے ہیں، خواہ وہ تہذیب قدیمہ کی یادگار ہو یا قومی وطنی امتیازات کا نتیجہ، بعض چیزیں جو شرک کا ذریعہ تھیں اور ان کا ایک ایک بیج چن چن کر پھینکتے ہیں اور شرک کو بالکل اس طرح مٹا دیتے ہیں چاہے ان کو اس کام میں کتنی ہی دیر لگے اور کیسی ہی زحمت اٹھانی پڑے، وہ نتیجہ کے حصول میں کبھی عجلت اور بے صبری سے کام نہیں لیتے۔

www.ahlehaq.org

"شرک (مختلف شکلوں میں) نوعِ انسانی کی سب سے خطرناک اور پرانی بیماری ہے، وہ اللہ کی غیرت اور اس کے غضب کو بھڑکانے کے ماسوا بندوں کے روحانی، اخلاقی اور تمدنی ترقی کی راہ کا سب سے بڑا روڑا ہے، وہ انسان کی قوتوں کا گلا گھونٹ دیتا ہے، ان کی صلاحیتوں کا خون کرتا ہے، قادرِ مطلق پر اس کے یقین، اس کی خود اعتمادی اور خود شناسی کا خاتمہ کر دیتا ہے اور سمیع و بصیر اور صاحبِ قدرت و علم، صاحبِ جود و عطا اور مغفرت و رحمت والے خدا کی محفوظ و مستحکم پناہ سے نکال کر اور اس کے لامحدود صفات اور نہ ختم ہونے والے خزانوں کے فوائد سے محروم کر کے کمزور و عاجز، فقیر و حقیر مخلوقات کے زیرِ سایہ پناہ لینے پر مجبور کر دیتا ہے جن کی جھولی میں کچھ نہیں۔"[1]

عقیدۂ توحید کی از سرِ نو تبلیغ و تشریح کی ضرورت

مصنف نے "تاریخِ دعوت و عزیمت" کے حصہ دوم میں جو شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ کے ساتھ مخصوص ہے، امام ابن تیمیہؒ کے زمانہ میں مشرکانہ عقائد و رسوم کے عنوان کے ذیل میں لکھا تھا:-

"غیر مسلم و عجمی اقوام کے اختلاط، اسماعیلی و باطنی حکومت کے نفوذ و اثر نیز جاہل و گمراہ صوفیوں کی تعلیم و عمل سے عام مسلمانوں میں مشرکانہ عقائد و رسوم کا رواج ہو چلا تھا، بہت سے مسلمان اپنے دینی پیشواؤں و مشائخِ طریقت اور اولیاء و صالحین کے بارے میں اسی طرح کے غالیانہ اور مشرکانہ خیالات اور عقیدہ رکھنے لگے تھے جو یہود و نصاریٰ حضرت عزیرؑ و مسیحؑ اور اپنے احبار و رہبان کے

---

[1] منصبِ نبوت اور اس کے عالی مقام حاملینؑ از مصنف ص

www.ahlehaq.org

متعلق رکھتے تھے۔ بزرگانِ دین کے مزارات پر جو کچھ ہونے لگا تھا، وہ ان سب
اعمال و رسوم کی ایک کامیاب نقل تھی جو غیر مسلموں کی عبادت گاہوں اور
مقدس شخصیتوں کی قبروں پر ہوتے تھے۔ اہلِ قبور سے حاجات طلب کرنا، استعانت
و استغاثہ کا معاملہ ہونے لگا تھا، ان سے فریاد و زاری کی دہائی دینے، سوال
اور دعا کرنے کا رواج ہو گیا تھا، ان کی قبور پر بڑی بڑی مسجدیں تعمیر کرنے اور
خود قبور کو سجدہ گاہ بنانے، ان پر سالانہ میلے لگانے اور دور دور سے
سفر کر کے وہاں آنے کا عام دستور تھا، کھلی قبر پرستی، خدا سے بے خوفی، اور
صاحبِ مزار سے خوف و خشیت، اللہ اور شعائر اللہ سے استہزاء و استخفاف
بے باکی اور فسق و فجور، شیخ پرستی، بزرگوں کے ساتھ اعتقاد و عبودیت کے درجہ تک
مشاہد و مزارات کا حج، اور بعض اوقات حج بیت اللہ پر اس کی ترجیح،
کہیں کہیں مساجد کی ویرانی اور کس مپرسی اور مشاہد کی رونق و اہتمام، اسی
زمانہ کی جاہلانہ زندگی کے وہ خط و خال تھے جن کے دیکھنے کے لئے بہت دور
جانے اور بہت غور سے کام لینے کی ضرورت نہ تھی۔[1]

یہ مصر و شام و عراق جیسے ممالک کا حال تھا جن کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے
مبارک ہاتھوں سے فتح کیا تھا جو مرکزِ اسلام، مہبطِ وحی اور مسکنِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم سے بہت قریب اور مربوط تھے، جو ان کی زبان عربی تھی جس میں قرآن مجید نازل
ہوا، جہاں قرآن و حدیث کے درس کا سلسلہ ایک دن کے لئے موقوف نہیں ہوا اور جہاں
علومِ حدیث اور شرحِ حدیث پر عظیم ترین کتابیں لکھی گئیں۔

---

[1] تاریخ دعوت و عزیمت حصہ [illegible] باختصار و ترمیم۔

www.ahlehaq.org

اس کے مطالعہ میں ہندوستان (اور وہ بھی دسویں صدی ہجری کے ہندوستان) کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں ہے، جہاں اسلام ترکستان، ایران اور افغانستان کا چکر کاٹ کر اور اپنی بہت کچھ تازگی اور توانائی کھو کر ان لوگوں کے ذریعہ پہنچا جو براہ راست فیضانِ نبوت سے مستفیض نہیں ہوئے تھے، اور جن میں سے بہت اپنے نسلی اور قومی اثرات سے بالکلیہ آزاد نہیں ہو سکے تھے، پھر ہندوستان میں ہزاروں برس سے ایک ایسا مذہب، فلسفہ اور تہذیب حکمرانی کر رہے تھے، جن کے رگ و ریشہ میں وثنیت اور شرک جاری و ساری تھا اور جو ان آخری صدیوں میں وثنیت کا سب سے بڑا نمائندہ اور جاہلیت قدیم کا امین و محافظ رہ گیا تھا، یہاں بہ حیثیت اور دوسرے شہروں اور مرکزوں سے منتقل ہو کر ہندوستان کی مسلمان آبادی کا ایک بڑا حصہ آغوشِ اسلام میں آیا تھا، پھر یہ بھی ذہن میں رہنا چاہیے کہ اس ملک کا (طویل مدت میں) قرآن و حدیث سے براہ راست وہ ربط نہیں رہا تھا جو ایران کے اثر سے علوم حکمت و فلسفہ یونان سے رہا، خصوصاً دسویں صدی میں اگر اس کا مستقل و ذاتی طور پر رابطہ رہا تو فقہ، اصولِ فقہ و علم کلام سے جن کا موضوع اور میدانِ بحث مسائل و جزئیات اور اصول مسائل یا مباحثِ ذات و صفات پر فلسفیانہ بحث ہے، عقائد کی اصلاح اور توحید کی اشاعت مقصود نہیں۔

ہندوستان کے مذاہب، فلسفوں اور تہذیبوں کے رسوم و عادات کا دسویں صدی ہجری کے مسلم معاشرہ پر جو اثر پڑ چکا تھا اس کا اندازہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس مکتوب سے لگایا جا سکتا ہے جو انھوں نے اپنی ایک ارادت مند نیک خاتون کے نام لکھا ہے[1] جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مراسم شرک کی تعظیم، غیر اللہ سے استمداد اور طلب حوائج کے شرکیہ عقیدہ

---

[1] ملاحظہ ہو مکتوب ۴۱ جلد اول دفتر سوم۔

www.ahlehaq.org

اہل کفر کے تہواروں کی تعظیم، اور ان کے رسوم و عادات کی تقلید، بزرگوں کے نذر حیوانات کو نذر اللہ ذبح کرنے، پیروں اور نبیوں کی نیت سے روزے رکھنے، اور بیتلا سے خوف اور اس کی تعظیم (جس کو چیچک کی بیماری کی ذمہ دار دیوی سمجھا جاتا تھا)، ملک کی مشرکانہ ذہنیت اور توہم پرستی کا اندازہ ہوتا ہے جو مسلمانوں کے گھروں میں داخل ہو چکی تھی، اس عہد پر اور شعور پر گزر جانے کے بعد اور قرآن و حدیث سے براہ راست قومی اور عام رابطہ نہ پیدا ہونے کی وجہ سے عقائد میں جو خلل غیر اسلامی بلکہ منافی اسلام، معتقدات و اعمال کا جو اثر اچھے اچھے گھرانوں پر پڑا ہوا اس کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں۔

شاہ صاحب کے زمانہ میں غیر مسلموں کے اثرات، قرآن و حدیث سے ناواقفیت اور دوری اور نتائج و خطرات اور عوام کی نیشہ بدگی اور ناپسندیدگی سے آنکھیں بند کر کے موثر کوشش کے طویل خلا نے ہندوستان میں جو صورت حال پیدا کر دی تھی، اور دین حنیفی کے (جس میں شرک کی کسی پرچھائیں کی گنجائش نہ تھی) متوازی جو نظام عقائد اور مسلم معاشرہ کی زندگی کے میدان میں جاہلیت کا جو سبزۂ خود رو پیدا ہو گیا تھا اس کا کچھ اندازہ خود شاہ صاحب کی کتابوں کے بعض اقتباسات سے ہو سکتا ہے۔

"تفہیمات" میں ایک جگہ فرماتے ہیں :-

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے کہ تم مسلمان بھی آخرکار اپنے سے پہلے کی امتوں کے طریقے اختیار کرو گے، اور جہاں جہاں انھوں نے قدم رکھا ہے، وہاں تم بھی قدم رکھو گے حتیٰ کہ وہ اگر کسی گوہ کے بل میں گھسے ہیں تو تم بھی ان کے پیچھے جاؤ گے صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلی امتوں سے آپ کی مراد یہود و نصاریٰ ہیں؟

www.ahlehaq.org

حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اور کون؟ اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔

سچ فرمایا اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم نے اپنی آنکھوں سے وہ ضعیف الایمان مسلمان دیکھے ہیں جنھوں نے صلحاء کو ارباب من دون اللہ بنا لیا ہے اور یہود ونصاریٰ کی طرح اپنے اولیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا رکھا ہے ہم نے ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جو کلام شارع میں تحریف کرتے ہیں اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف یہ قول منسوب کرتے ہیں کہ نیک لوگ اللہ کے لئے ہیں اور گنہگار میرے لئے، یہ اسی قسم کی بات ہے جیسی یہودی کہتے تھے کہ لَن تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّا اَیَّامًا مَّعْدُوْدَۃً (البقرہ - ۸۰) (ہم دوزخ میں نہ جائیں گے اور گئے بھی تو بس چند روز کے لئے) سچ پوچھو تو آج ہر گروہ میں دین کی تحریف پھیلی ہوئی ہے صوفیہ کو دیکھو تو ان میں ایسے اقوال زبان زد ہیں جو کتاب وسنت سے مطابقت نہیں رکھتے خصوصاً مسئلہ توحید میں اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ شریعت کی انھیں بالکل پرواہ نہیں ہے۔[1]

اپنے شہرۂ آفاق رسالہ "الفوز الکبیر" میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اگر تم کو (عہد جاہلیت کے) مشرکین کے عقائد واعمال کے اس بیان[2] کی صحیح تسلیم کرنے میں کچھ توقف ہو تو اچھا ہے کہ اس زمانہ کے تحریف کرنے والوں کو عملیاً خصوصاً جو دارالاسلام کے نواح میں رہتے ہیں دیکھو کہ انھوں نے

---

[1] التفہیمات الالٰہیہ جلد دوم ص۲۴۴-۲۴۵ [2] شاہ صاحب نے اس سے پہلے مشرکین جاہلیت کے شرک کی حقیقت و نوعیت اور اس کے مظاہر کا تذکرہ کیا ہے۔

www.ahlehaq.org

ولایت کی نسبت کیا خیال باندھ رکھا ہے، وہ لوگ باوجودیکہ متقدمین کی ولایت کے معترف ہیں، مگر اس زمانہ میں اولیاء کے وجود کو قطعاً محال شمار کرتے ہیں، اور قبروں اور آستانوں پر پھرتے ہیں، اور طرح طرح کے شرک میں مبتلا ہیں، اور تحریف و تشبیہ نے ان کے اندر کس قدر راہ پالی ہے، بموافق حدیث صحیح "لتتبعن سنن من کان قبلکم" (تم اپنے پیشرو لوگوں کے نقش قدم پر چلو گے) ان آفات میں سے کوئی آفت بھی نہیں ہے جس پر آج مسلمانوں کا کوئی نہ کوئی جماعت کاربند اور اس کے مانند دیگر امور کی معتقد نہ ہو، عافانا اللہ سبحانہ من ذلک[۱]۔

مرض کا علاج اور اصلاحِ حال کا مؤثر طریقہ، اشاعتِ قرآن

شاہ صاحبؒ نے اس مرض بلکہ وبائے عام کے علاج کے لئے قرآن مجید کے مطالعہ و تدبر اور اس کے فہم کو سب سے مؤثر علاج سمجھا، اور یہ بات محض ذہانت، قوتِ مطالعہ اور قیاس پر مبنی نہیں تھی، بلکہ ایک ایسی بدیہی حقیقت تھی جس پر قرآن مجید خود شاہد اور نہ صرف عہدِ بعثت کی تاریخ بلکہ اسلام کی پوری تاریخِ دعوت اور سرگزشتِ اصلاح و تجدید گواہ ہے، خاص طور پر حقیقتِ توحید اور حقیقتِ شرک کو ظاہر کرنے کے لئے اس سے زیادہ واضح، اس سے زیادہ طاقتور اور دلنشیں ذریعہ کا تصور نہیں ہو سکتا، ترجمانِ قرآن شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے اپنے مقدمہ موضح القرآن میں جتنے سادہ اور دلنشیں انداز میں اس حقیقت کا اظہار کیا ہے اس سے زیادہ مشکل ہے، فرماتے ہیں:-

---

۱؎ الفوز الکبیر ص ۹ مکتبہ ندوی۔

www.ahlehaq.org

"بتلانے والے بھی ایسا بتائیں جیسا خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں آپ بتایا ہے ویسا کوئی نہیں بتا سکتا اور جیسا اثر اور راہ پانا خدا کے کلام میں ہے کسی کے کلام میں نہیں۔"[۱]

حجاز مقدس کے قیام میں شاہ صاحبؒ کو ہندوستان کی اس دینی صورت حال اور اس کے تعلیمات قرآن اور تعلیمات اسلام سے بُعد اور منافات کا احساس اور شدت سے پیدا ہوا ہوگا، اور وہاں کی نورانی، روحانی اور قرآنی فضا میں جہاں سے توحید کا زمزمہ سب سے پہلے بلند ہوا شاہ صاحبؒ کے قلب میں بیدار ہی اس کا داعیہ کہ وہ ہندوستان میں قرآن مجید کی دولت کو عام کریں ایسی وضاحت اور شدت سے پیدا ہوا ہوگا جس کو اس الہام اور اشارۂ غیبی سے تعبیر کر سکتے ہیں جو نفوس زکیہ پر ہر عہد میں کسی ضروری دینی کام کی تکمیل کے لئے وارد ہوا کرتا ہے اور جس کی مقاومت اور جس پر قابو پانا ناممکن ہو جاتا ہے، اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ شاہ صاحب نے قرآن مجید کے فارسی ترجمہ کا کام جس نے "فتح الرحمٰن" کے نام سے تکمیل پائی حجاز سے واپسی پر شروع فرمایا۔[۲]

۱؎ مقدمہ ترجمۃ القرآن حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ ۲؎ مصنف "حیات ولی" نے ایک عام کے حوالے سے ترجمۂ قرآن کے قصور میں علماء کی شورش اور مفسدوں کے شاہ صاحب پر قاتلانہ حملہ کی پُراثر کہانی بیان کی ہے اور اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ شاہ صاحب نے اس شورش سے بچنے کے لئے حجاز کا سفر اختیار کیا۔ (صفحہ ۳۰۶-۳۰۷) لیکن کسی معتبر تاریخی ماخذ سے اس کی تائید نہیں ہوتی، خود فتح الرحمٰن کے مقدمہ میں اس کی تصریح ہے کہ شاہ صاحب نے ترجمہ کا کام سنہ ۱۱۵۰ھ کو شروع کیا اور سنہ ۱۱۵۱ھ میں اس کی تکمیل ہوئی، جس سے صاف طریقہ پر ثابت ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کا یہ مبارک کام سفر حجاز سے واپسی کے بھی چار پانچ سال بعد کا ہے، ہمارے خاندانی ذخیرۂ کتب میں فتح الرحمٰن کا ایک قلمی نسخہ دو جلدوں میں محفوظ ہے، یہ نسخہ خود شاہ صاحبؒ کے ہمارے خاندان کے (باقی صفحہ ۱۴۲ پر)

www.ahlehaq.org

اس وقت ہندوستان کیا تقریباً تمام عجمی ممالک میں جن میں ترکستان و ایران اور افغانستان ہندوستان کے قریبی ہمسایہ تھے ــــــــــ اور انھیں کے رجحانات، مشاغل، ذوق اور تعلیم شدہ حقائق کا سایہ ہندوستان کے علمی و دینی حلقوں پر پڑتا تھا، یہ تسلیم کر لیا گیا تھا کہ قرآن مجید اخص یا کم از کم اس حیثیت سے مطالعہ فہم و فکر اور فہم و تفہیم کی کتاب ہے جس کا سمجھنا ایک درجن سے زیادہ علوم پر موقوف ہے، اس کو عوام میں لانا، عوام کو براہ راست اس کے مطالب سے واقفیت پیدا کرنے اور اس سے ہدایت اور روشنی حاصل کرنے کی دعوت دینا سخت خطرناک، ایک بڑی گمراہی اور فتنہ کا دروازہ کھولنے کے مرادف ہے، اور عوام میں ذہنی انتشار، خود رائی اور علماء سے بے نیازی، بلکہ بغاوت اور سرکشی کی دعوت دینا ہے، اس طرز خیال اور دلیل کو ایک مختصر رسالہ "تحفۃ الموحدین" میں بڑی خوبی سے بیان کیا گیا ہے:-

• بعض لوگ کہہ بیٹھتے ہیں کہ قرآن مجید اور حدیث کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو بہت

باقی حاشیہ ص ۱۴۱) ایک بزرگ تھے میاں محمد اعظم حقانی تفسیر ابادی کو بعض شاہ صاحب سے ارادت کا تعلق رکھتے تھے انھوں نے فرمایا:

میاں محمد اعظم حضرت سید محمد نعمان (مرحوم حقیقی حضرت سید احمد شہید) کے پروردہ اور تربیت یافتہ تھے، یہ نسخہ مولانا سید قطب الہدیٰ صاحب شاگرد حضرت شاہ عبدالعزیز کی ملکیت میں آیا، اور منتقل ہوتے ہوتے والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحی کے پاس پہونچا، اس نسخہ کی کتابت ۱۲۵۱ھ میں مکمل ہوئی یعنی شاہ صاحب کی وفات سے ۵ سال پہلے، یہی اس بات کا ثبوت ہے کہ تحفۃ الموحدین کا نسخہ معتبر ہے، جہاں تک کہ بعد کا کا نام ہے مشہور محقق مولانا قمر وفا کا ترجمہ ہو الحمد للہ یہ رسالہ شاہ صاحب کے نام اور نسبت کے ساتھ شائع ہوا ہے، لیکن چونکہ شاہ صاحب کی تصنیفات و رسائل کے قدیم تذکروں اور فہرست تالیفات میں عام طور پر اس کا نام نہیں آتا، اس لئے ہم جزم و وثوق سے نہیں کہہ سکتے کہ وہ شاہ صاحب کا لکھا ہوا ہے، البتہ جو مضمون نقل کیا جا رہا ہے وہ اس طرز خیال کی صحیح ترجمانی ہے جو عام طور پر پھیلا ہوا تھا، اور اس میں اس کا جواب شافی بھی موجود ہے۔

www.ahlehaq.org

علم اور بے شمار کتابیں پڑھا ہوا ہو اور اپنے زمانہ کا علامہ ہو ان کے جواب میں
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ
اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ
مُّبِیْنٍ ۝ (الجمعہ - ۲) خدا تعالیٰ وہ ہے جس نے ان پڑھوں میں پیغمبر بھیجا انہیں
ان پڑھوں میں سے پڑھتا ہے وہ پیغمبر ان ان پڑھوں پر خدا کی آیتیں اور ان کو
گناہوں کے میل سے پاک کرتا اور کتاب اور اس کی تدبیر سکھاتا ہے) یعنی رسول خدا
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان پڑھ اور آپ کے اصحاب بزرگوار بھی ان پڑھ تھے مگر
جب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کے سامنے قرآن کی آیتیں پڑھیں
تو وہ ان کو سن کر ہر قسم کی برائی اور بگاڑ سے پاک صاف ہو گئے پس اگر ناخواندہ آدمی
قرآن وحدیث نہیں سمجھ سکتا اور اس کی سمجھ کی استعداد نہیں رکھتا تو صحابہ برائی اور
عیبوں سے کیونکر پاک صاف ہو گئے واس قوم پر سخت افسوس ہے جو قصیدہ سمجھنے اور
قاموس جاننے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر قرآن وحدیث کو سمجھنے میں اپنے آپ کو محض نادان
ظاہر کرتے ہیں اور بعضے یوں کہتے ہیں کہ ہم پچھلے لوگ ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے زمانہ کی برکت اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دل کی صفائی کہاں سے
لائیں جو قرآن وحدیث کے معنی کو خوبی سمجھ سکیں ان کے جواب میں حق تعالیٰ فرماتا ہے
وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۝ (الجمعہ - ۳) یعنی
پچھلے لوگ خواہ کتنے پیچھے ہوں یا ان پڑھ مگر جبکہ وہ مسلمان ہوں اور صحابہ کے
طریقہ کی پیروی کا ارادہ کریں اور قرآن وحدیث کو سنیں تو انہیں بھی پاک کرنے کے لئے
یہی قرآن وحدیث کافی ہو سکتی ہیں اور فرماتا ہے وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ

www.ahlehaq.org

لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (القمر ۱۷) اور البتہ ہم نے قرآن کو نصیحت کے واسطے آسان کر دیا ہے پس کیا کوئی نصیحت لینے والا ہے؟) یہ کیونکر آسانی ہو سکتی ہے کہ فقہ پڑھنے والے اور شافعیہ جاننے والے تو اس کے معنی سمجھنے سے عجز ظاہر کرتے اور عرب کے جنگلی لوگ اس کی حقیقت سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک جگہ یوں فرمایا ہے ﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ﴾ (محمد ۲۴) (کیا قرآن میں کیوں نہیں فکر کرتے) پس اگر قرآن مجید آسان نہ ہو تو اس میں غور کیونکر کیا جائے۔ ﴿أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا﴾ (محمد ۲۴) (یا ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں) یعنی باوجودیکہ دلوں پر قفل نہیں لگے ہوئے ہیں پھر بھی کیسی گمراہی ہے قرآن کے فکر میں دوڑ نہیں لگاتے۔[1]

لیکن بقول شاعر ؎

نوا را تلخ تر می زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی
حُدی را تیز تر می خواں چو محمل را گراں بینی

شاہ صاحب نے اس بدمذاقی، بے توفیقی اور غلط اندیشی کو دیکھ کر جس کے عُقدِ ذہنیہ [illegible] (الاعراف ۱۸۹) سے مل جاتے تھے فیصلہ کیا کہ قرآن مجید کا اسے سلیس فارسی زبان میں ضرور ترجمہ کرنا چاہیے، جو ہندوستان میں قیام حکومت اسلامیہ کے بعد سے ملک کی دفتری، علمی، تصنیفی اور خط و کتابت کی زبان تھی اور تقریباً ہر پڑھا لکھا مسلمان اگر اسے بول لکھ نہیں سکتا تھا تو اس کو سمجھتا ضرور تھا۔ ہندوستان میں فارسی زبان کی اس عمل عملداری میں جس کی مدت سات صدیوں سے کم نہ تھی، قرآن مجید کے فارسی میں ایک دو ترجمے بھی

---

[1] تحفۃ الموحدین ص ۱۲-۱۳ مطبوعہ المکتبۃ السلفیۃ، شیش محل روڈ، لاہور۔

www.ahlehaq.org

ترجمے ہوتے تو تعجب کی بات نہ تھی۔ لیکن حسن بن محمد قمی المشہور بہ نظام نیشاپوری ثم دولت آبادی کے ترجمہ سے پہلے جو آٹھویں صدی ہجری کے علماء میں تھے کسی فارسی ترجمہ کا سراغ نہیں لگتا نیشاپوری کا یہ فارسی ترجمہ ان کی عربی تفسیر "غرائب القرآن" میں شامل ہے۔[1]

ہندوستان میں شیخ سعدیؒ کے ترجمہ کے نام سے ایک ترجمہ مشہور تھا اور اگرچہ وہ بھی شیخ کی مقبول "تصنیفات گلستان اور بوستان" کی طرح رائج اور متداول نہیں تھا لیکن پھر بھی کہیں کہیں پایا جاتا تھا، مگر اس کا انتساب شیخ سعدیؒ کی طرف صحیح نہیں ہے تحقیقی بات یہ ہے کہ وہ علامہ سید شریف علی الجرجانی (م ۸۱۶ھ) کا کیا ہوا ہے تفسیر حقانی کے مؤلف مولانا عبدالحق حقانی کا چشم دید بیان ہے کہ:-

"جس کو آج کل جہلاء سعدیؒ کا ترجمہ کہتے ہیں، وہ دراصل سید شریف کا ترجمہ ہے، صاحب مطبع نے میرے سامنے رواج دینے کے لئے سعدیؒ کی طرف منسوب کر دیا ہے"[2]

الغرض شاہ صاحب نے سفر حجاز سے واپسی کے پانچ سال بعد (غالباً اصلاح عقائد کی ان کوششوں کا نتیجہ دیکھنے کے بعد جو خصوصی درس و تدریس اور وعظ و ارشاد کے ذریعہ جاری تھیں) یہ فیصلہ کیا کہ ہدایت عام، اصلاح عقائد اور اللہ تعالےٰ سے طاقتور رابطہ پیدا کرنے کا کوئی ذریعہ قرآن مجید کی ہدایات و تعلیمات کی براہ راست اشاعت و تبلیغ سے زیادہ موثر نہیں ہو سکتا اور اس کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ قرآن مجید کا فارسی ترجمہ اور اس کی اشاعت خود شاہ صاحب کی زبان سے اس کے محرکات و اسباب

---

[1] معاصرہ تراجم قرآنی" شائع کردہ مجلس معارف القرآن، دارالعلوم دیوبند ص ۱۲۱

[2] البیان فی علوم القرآن مقدمہ تفسیر حقانی از مولانا عبدالحق صاحب حقانی ص ۵۸

اور اس اقدام کی تاریخ مصنفؒ تفسیر فتح الرحمٰن کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:-

"یہ زمانہ جس میں کہ ہم لوگ موجود ہیں اور یہ ملک جس کے ہم باشندے ہیں اس میں مسلمانوں کی خیر خواہی تقاضا کرتی ہے کہ ترجمہ قرآن سلیس اور بامحاورہ فارسی میں بغیر اظہار فضیلت اور عبارت آرائی کے اور متعلق قصوں اور توجیہات کے ذکر کئے ہوئے بغیر کیا جائے، تاکہ عوام و خواص یکساں طور پر سمجھ سکیں، اور چھوٹے بڑے سبھی معانی قرآن کا ادراک کر سکیں، اس لئے اس اہم کام کا داعیہ فقیر کے دل میں ڈالا گیا اور اس کے لئے مجبور کیا گیا۔

پہلے ترجموں پر غور کیا گیا تاکہ جس ترجمہ کو معیار کے مطابق پایا جائے اس کی ترویج کی جائے اور یہ ترجمہ حتی الامکان اہل زمانہ کے ذوق کے مناسب ہو، مگر ان ترجموں میں یا تو بے کیف طوالت ہے یا مخل انداز تقصیر و اجمال ہے،

اس عرصہ میں زہراوین (سورہ بقرہ و نساء) کا ترجمہ ہو گیا اس کے بعد سفر حرمین کا اتفاق ہو گیا، اور وہ سلسلہ ختم ہو گیا، کئی سال بعد ایک عزیز ترجمہ قرآن پڑھنے لگے، اور یہ کام اس گزشتہ عزم کا محرک بن گیا، اور یہ فیصلہ ہوا کہ سبق کے بقدر ترجمہ لکھ دیا جائے، جب ثلث قرآن مجید تک ترجمہ ہو گیا، تو ان عزیز کو سفر پیش آ گیا اور ترجمہ پھر موقوف ہو گیا۔ ایک مدت کے بعد پھر ایک تقریب پیدا ہوئی اور وہ پرانا خیال تازہ ہوا اور دو ثلث تک ترجمہ ہو گیا۔

بعض دوستوں کو مسودہ صاف کرنے کے لئے کہا گیا اور یہ کہ اس کے ساتھ متن قرآن بھی لکھ دیں تاکہ مستقل نسخہ تیار ہو جائے، اس سعادت مند دوست نے ابتدائے محرم ۱۱۵۱ھ سے تبییض شروع کی، اس کے بعد پھر اس عزم کو تحریک ہوئی

اور اخیر تک ترجمہ مکمل ہو گیا، اور اوائل شعبان میں تسوید ختم ہوئی اور ۱۱۵۱ھ میں سودہ صاف ہو گیا، اور ۱۲۹۴ھ میں برادر دینی عزیز القدر خواجہ محمد امین اکرمہ اللہ تعالیٰ نے بشمولہ کے اہتمام سے اس کتاب کی ترویج ہوئی اور اس کا درس شروع ہوا، اور اس کے متعدد نسخے پیدا ہو گئے، اور معاصرین اس طرف متوجہ ہوئے۔[۱]

للہ الحمد کہ آں نقش کہ خاطر می خواست
آمد آخر ز پس پردۂ تقدیر پدید

شاہ صاحب نے ترجمہ اور تفسیر فتح الرحمن کے علاوہ اصول ترجمہ پر ایک مقدمہ بھی لکھا ہے جو مختصر ہونے کے باوجود بڑا بصیرت افروز اور عالمانہ ہے، ابتدا میں لکھتے ہیں:۔

"یقول الفقیر الی رحمۃ اللہ الکریم ولی اللہ بن عبد الرحیم
ایں رسالہ ایست در قواعد ترجمہ مسماۃ بالمقدمۃ فی قوانین الترجمۃ
کہ در وقت تسوید ترجمۂ قرآن قلم بہ ضبط آں جاری شدہ"[۲]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترجمہ اور قرآن مجید کی تبلیغ عام کے راستہ میں جو چٹان حائل ہو گئی تھی، شاہ صاحب جیسی عظیم المرتبت ہستی کے (جس کے علمی تبحر، جامعیت، اعلیٰ درجہ اور اخلاص پر تقریباً اس عہد کے صحیح الخیال اور صاحب علم طبقہ کا اتفاق تھا) اقدام سے یہ چٹان ہٹ گئی اور راستہ صاف ہو گیا، اسلام کی تاریخ میں مسلسل ایسا ہوتا رہا ہے کہ کسی مسلّم الثبوت اور بلند شخصیت کے کسی کام کے آغاز کر دینے سے غلط فہمیوں اور

---

۱ دیباچہ فتح الرحمن مطبوعہ دہلی ۱۲۹۴ھ۔

۲ مخطوطہ محفوظہ کتب خانہ ندوۃ العلماء مشتمل بر شش صفحات تقطیع کلاں۔

www.ahlehaq.org

بدگمانیوں کا بادل چھٹ گیا ہے اور شاہراہ عام کھل گئی ہے۔ امام ابوالحسن اشعری کا متکلمانہ مباحث میں حصہ لینا اور عقلی استدلال سے کام لینا، حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کا فلسفہ کا مطالعہ اور اس کی تنقیح و تردید، اور ایسے بہت سے اقدامات جو اپنے عہد کی ضرورت کے مطابق اسلام کی حفاظت یا مدافعت میں کیے گئے، اس کی روشن مثالیں ہیں۔

شاہ صاحب کے بعد کے اردو تراجم

شاہ صاحب کے فارسی ترجمہ کے بعد بہت جلد اردو میں ترجمۂ قرآن کی ضرورت محسوس ہوئی کیونکہ بارہویں صدی کے آخری ہی حصہ میں اردو نے فارسی کی جگہ لینی شروع کر دی تھی، اور اردو میں تحریر و تصنیف کا کام شروع ہو گیا تھا۔[1] اس ضرورت اور انقلاب زمانہ کو سب سے پہلے خود شاہ صاحب کے فرزند ارجمند حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ دہلوی (م ۱۲۳۰ھ) نے محسوس کیا اور ۱۲۰۵ھ میں گویا شاہ صاحب کے ترجمہ کے پچاس برس بعد انھوں نے بامحاورہ اردو میں اس کا ایسا ترجمہ کیا جس کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید کا کسی غیر عربی زبان میں ایسا کامیاب اور شگفتہ ترجمہ جس میں زیادہ سے زیادہ قرآنی الفاظ کی روح آ گئی ہو، ابھی تک علم میں نہیں۔ شاہ صاحبؒ اپنے ترجمہ کی تمہید میں لکھتے ہیں:۔

"اس بندۂ عاجز عبدالقادر کے خیال میں آیا کہ جس طرح ہمارے باپ بڑے حضرت شاہ ولی اللہ عبدالرحیم کے بیٹے سب حدیثیں جاننے والے ہندوستان کے رہنے والے نے فارسی زبان میں قرآن کے معنی آسان کر کے لکھے، الحمدللہ کہ

---

[1] ملاحظہ ہو تاریخ نثر اردو از مولوی احسن مارہروی صفحہ ۳۳ تا ۵۴

یہ آرزو ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء میں جا کر حاصل ہوئی۔[1]

شاہ عبدالقادر صاحب کے بعد انہیں کے برادر بزرگ شاہ رفیع الدین (م ۱۲۳۳ھ) نے قرآن مجید کا تحت اللفظ ترجمہ کیا، جو اپنی احتیاطوں اور مصنف کے علمی تبحر و اخلاص کی وجہ سے بہت مقبول ہوا، اور بعض حلقوں میں شاہ عبدالقادر صاحب کا بامحاورہ ترجمہ اور بعض حلقوں میں شاہ رفیع الدین صاحب کا تحت اللفظ ترجمہ رائج اور قابل ترجیح قرار پایا۔

یہ دونوں ترجمے مسلمانوں کے گھروں میں ایسے عام ہوئے اور قرآن مجید کی تلاوت کے ساتھ اس کے پڑھنے کا ایسا رواج ہوا جس کی مثال کسی دوسری دینی کتاب کے بارے میں نہیں مل سکتی، جہاں تک اصلاح عقائد اور عقیدۂ توحید کی اشاعت کا تعلق ہے، ان دونوں ترجموں سے فائدہ اٹھانے والوں کی کوئی تعداد نہیں بیان کی جا سکتی کہ وہ لاکھوں سے متجاوز ہوگی، حقیقت میں کوئی اسلامی حکومت بھی اپنے وسائل کے ساتھ دعوت و اصلاح کا اتنا بڑا کام انجام نہیں دے سکتی تھی جو ان تین ترجموں نے انجام دیا، جو ایک ہی شجرۂ طوبیٰ کی شاخیں ہیں، ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ۔

اس کے بعد اردو ترجموں کا ایک سیلاب رواں ہو گیا جس کی تعداد کا استقصاء ایک دشوار کام اور مستقل تحقیقی تصنیف کا طالب ہے۔[2]

---

[1] موضح القرآن جلد اول ص ۲

[2] اس وقت ہمارے سامنے جائزہ تراجم قرآنی کے نام کی کتاب ہے، اس میں شاہ عبدالقادر صاحب اور شاہ رفیع الدین صاحب کے ترجموں کے بعد کے جن ترجموں کا جائزہ لیا گیا اور مختصر تعارف کرایا گیا ہے ان کی تعداد [illegible] ہے۔

www.ahlehaq.org

درس قرآن

قرآن مجید کے ان اردو تراجم کے علاوہ جو اسی خاندان والا شان کے دو برگزیدہ افراد حضرت شاہ عبد القادر دہلویؒ اور حضرت شاہ رفیع الدین دہلویؒ نے کیے اور ہندستان میں جہاں جہاں اردو بولی جاتی تھی گھر گھر پڑھے جانے لگے، قرآن مجید کے ذریعہ تطہیر عقائد اور اصلاح اعمال و اخلاق کی سب سے طویل سنجیدہ وسیع اور مؤثر و وقیع کوشش خاندان ولی اللّٰہی کے سب سے بڑے فرد اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے کاموں کی تکمیل و توسیع کی سعادت حاصل کرنے والے بزرگ حضرت شاہ عبد العزیزؒ (م ۱۲۳۹ھ) کے ذریعہ انجام پائی، جنھوں نے تقریباً ۶۲-۶۰ سال تک دہلی جیسے مرکزی شہر اور تیرھویں صدی ہجری جیسے اہم زمانہ میں درس قرآن کا سلسلہ جاری رکھا، اس کو خواص و عوام میں جو مقبولیت حاصل ہوئی، اور اس سے اصلاح عقائد کا جو عظیم الشان کام انجام پایا، ہمارے علم میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

الفوز الکبیر

دعوت الی القرآن اور خواص و اہل علم کے حلقہ میں تدبر قرآن کی صلاحیت پیدا کرنے اور اس کے ذریعہ سے امت کی اصلاح کا جذبہ بیدار کرنے کے سلسلہ میں شاہ صاحب کی ایک تجدیدی و انقلابی خدمت اور کارنامہ "الفوز الکبیر" کی تصنیف ہے جو اپنے موضوع پر ہمارے علم میں پورے اسلامی کتب خانہ میں منفرد کتاب ہے۔

اصول تفسیر پر کوئی چیز عام طور پر نہیں ملتی بجز چند اصول و قواعد تفاسیر کے

www.ahlehaq.org

مقدمہ میں یا اپنا طرزِ تصنیف بیان کرنے کے لئے بعض مصنفین چند سطروں میں لکھ دیتے ہیں؛ شاہ صاحب کی کتاب "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" بھی اگرچہ مختصر ہے لیکن پوری کتاب سراسر نکات و کلیات ہے اور در حقیقت ایک جلیل القدر عالم کی جس کو فہم قرآن کے مشکلات کا عملی تجربہ ہے ایک قیمتی اور نادر بیاض ہے۔

اس کی قدر وہی لوگ جان سکتے ہیں، جن کو ان مشکلات سے واسطہ پڑا ہو، بعض بعض اصول جو شاہ صاحب نے اپنے ذوق و وجدان اور فہم قرآن کی بنا پر لکھ دیئے ہیں، دوسری کتابوں کے سیکڑوں صفحات کے مطالعہ سے نہیں حاصل ہو سکتے۔ اسی رسالہ کے مقدمہ میں شاہ صاحب کا یہ فرمانا حرف بحرف صحیح ہے کہ:

می‌گوید فقیر ولی اللہ بن عبد الرحیم	فقیر ولی اللہ بن عبدالرحیم (اللہ ان کے ساتھ
عاملہما اللہ تعالیٰ بلطفہ العظیم چوں	اپنے لطف عظیم کا معاملہ فرمائے) کہتا ہے کہ
بریں فقیر درے از فہم کتاب اللہ	جب اللہ نے اس فقیر پر کتاب اللہ کے
کشادہ شد خواست کہ بعضے نکات	فہم کا دروازہ کھولا تو اس کی خواہش
نافعہ کہ در تدبر کلام اللہ یاراں را	ہوئی کہ بعض مفید نکات (جن سے
بکار آید در رسالہ مختصرے ضبط	لوگوں کو تدبر قرآن میں مدد ملے گی)
نماید امید واری از عنایت حضرت	ایک مختصر رسالے میں لکھ دیئے جائیں
باری آں است کہ طالب علماں را	عنایت خداوندی سے امید ہے کہ
بمجرد فہم ایں قواعد راہے واسع	طالب علموں کے لئے ان قواعد کے
در فہم معانی کتاب اللہ کشادہ گردد کہ	فہم کے بعد فہم مطالب قرآن کی
اگر عمرے در مطالعہ تفاسیر بگزرانید	ایسی کشادہ راہ کھل جائے گی کہ اگر

www.ahlehaq.org

آنچہ اکثر مفسران علی الظاہر اتفاق قلیل فی ھذا الزمان بسر برند بآن ضبط و ربطے بدست نیامدہ[1]

مطالعہ تفاسیر از مفسرین (جن کی تعداد آجکل بہت ہی کم ہے) سے رجوع کرنے میں ایک عمر بھی گزار دیں گے تب بھی فہم قرآن سے ایسا ربط وضبط نہ پیدا کر سکیں گے۔

قرآن کے مضامین و مقاصد اس کے طرز و اسلوب کی خصوصیت اور انسانی تالیفات خصوصاً متاخرین کی کتب درسیہ سے اس کے اختلاف و امتیاز اور شانِ نزول کے متعلق چند لفظوں میں جو کچھ لکھا ہے آج اس میں ممکن ہے کوئی ندرت نہ معلوم ہو لیکن بارہویں صدی میں یہ قطعاً نئے خیالات تھے اور آج بھی کتنے حلقوں میں یہ خیالات نامانوس ہیں۔ شانِ نزول کی روایتوں کی کثرت اور ان کی اہمیت پر زیادہ زور دینے سے (جو قرونِ متاخرہ کا شعار بن گیا تھا) قرآن کریم کے مضامین و قصص اور مواعظ و عبر سے ہر زمانہ میں جو فائدہ اٹھایا جانا چاہیئے اور اپنے اپنے زمانہ اور حالات پر ان کا جس طرح انطباق ہوتا رہتا ہے اس میں بڑا فرق ہو گیا تھا۔ شاہ صاحب کی اس تحقیق و تنقیح سے وہ پردہ ہٹ جاتا ہے اور قرآن مجید کا جمالِ جہاں آرا سامنے آجاتا ہے۔ "الفوز الکبیر" کے باب اول میں شاہ صاحب لکھتے ہیں:-

"عام مفسرین نے ہر ایک آیت کو خواہ مباحثہ کی ہو یا احکام کی ایک قصے کے ساتھ ربط دیا ہے اور اس قصے کو اس آیت کے لئے سببِ نزول مانا ہے لیکن حق یہ ہے کہ نزولِ قرآنی سے مقصود اصلی نفوسِ بشریہ کی تہذیب اور ان کے باطل عقائد اور فاسد اعمال کی تردید ہے۔ اس لئے آیاتِ مناظرہ کے نزول کے لئے متکلمین میں

---

[1] الفوز الکبیر

www.ahlehaq.org

عقائد باطلہ کا وجود اور آیاتِ احکام کے لئے اور بیہ اعمال فاسدہ اور مظالم کا شیوع، اور آیاتِ تذکیر کے نزول کے لئے ان کا بغیر ذکر آلاء اللہ و ایام اللہ اور موت و واقعات بعد الموت کے بیدار نہ ہونا اصلی سبب ہو۔ رہا ان واقعات کو جن کے بیان کرنے کی عام مفسرین نے زحمت اٹھائی ہے اسباب نزول میں چنداں دخل نہیں ہے، مگر سوائے چند آیات کے جن میں کسی ایسے واقعہ کی جانب اشارہ ہے، جو رسول اللہؐ کے زمانے میں یا اس سے پیشتر واقع ہوا ہو۔[1]

قرآن مجید نے جن فرقوں کی تردید کی ہے ان کے اصلی اور صحیح خیالات و عقائد اور گروہ کا بیان ان کی گمراہیوں اور غلط فہمیوں کے حقیقی اسباب اور ان کی تاریخ، نفاق کی تشریح اور مسلمانوں کی بعض جماعتوں پر ان کی تطبیق فہم قرآن کی اساس ہے، جو اختصار کے باوجود اس وضاحت کے ساتھ کسی بڑی سے بڑی تفسیر میں نہیں ملے گی۔

نسخ میں متقدمین و متاخرین کے اصطلاحی فرق کی توضیح اور منسوخ و ناسخ آیات میں تطبیق صحابہ و تابعین کے تفسیری اختلافات کا حل شاہ صاحبؒ کی عمدہ تحقیقات میں سے ہے۔

نحو کے مشہور اور ظاہری قواعد کی بعض آیات سے بظاہر عدم مطابقت کی جو توجیہ شاہ صاحبؒ نے کی ہے اس کی قدر وہ لوگ کر سکتے ہیں جو نحو کی تدوین کی تاریخ سے واقف اور بصرہ و کوفہ کے دبستان کے اختلافات پر نظر رکھتے ہیں، رسالہ کا بڑا امتیاز یہ ہے کہ اس کو پڑھ کر ہدایات سابقہ، فرقِ ضالہ اور اقوام و ملل کی پرانی بیماریوں اور گمراہیوں کی نشاندہی ہوتی ہے اور اس کی توفیق ملتی ہے کہ قرآن کے آئینہ میں مسلمانوں کی نسلیں اور اپنے اپنے عہد کا مسلم معاشرہ اور طبقات اپنا چہرہ دیکھیں اور اس کی فکر کریں کہ مذاہب و فرق کی سابقہ بیماریوں اور گمراہیوں نے پاؤں ان میں تو

[1] الفوز الکبیر باب اول ص ۲

داخل نہیں ہو گئی ہیں :-

لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ (سورۂ انبیاء ۱۰)

ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں تمہارا تذکرہ ہے کیا تم نہیں سمجھتے۔

مسئلۂ توحید کی علمی تنقیح و تحقیق

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اصلاح عقائد اور توحید خالص کی دعوت کے سلسلہ میں قرآن مجید کے ترجمہ اور درس قرآن ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ ایک عالم و محقق کے انداز سے اس کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیا۔ عقیدۂ توحید ملت ابراہیمیؑ کا سب سے بڑا شعار اور حضرت ابراہیمؑ کی دعوت اور جد و جہد کا سب سے بڑا مقصد، خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی بنیاد اور ابتدا اور انتہا تھی، سارا قرآن اور احادیث کا دفتر اور سیرت نبوی اس پر شاہد ہے۔ آپ نے توحید و شرک کے درمیان ایسا خط امتیاز کھینچا، توحید کی حقیقت کو اس طرح عیاں کیا، شرک کے ادنیٰ سے ادنیٰ شائبہ اور اس کی ہلکی سے ہلکی پرچھائیں کے خلاف ایسا جہاد کیا، امت کے عقائد میں شرک کے داخل ہو جانے اور عقائد میں فتور واقع ہونے کے ذرائع کا ایسا سد باب کیا جس سے زیادہ کا تصور ممکن نہیں[1]۔ یہ سب حقائق ایسے متواتر اور بدیہی ہیں جن کے لئے دلائل اور مثالوں کی ضرورت نہیں، جس کی قرآن و حدیث پر ذرا بھی نظر ہے،

---

[1] ترجمہ [illegible] پر اعتماد ہے ... اخبار کے اہتمام [illegible] عظیمی [illegible] مخالفت کے احکام ایک [illegible] ... اللہ [illegible] اور آپ [illegible] مجھے [illegible] مجھے خدا کا [illegible] اس بات کی شاہد ہیں۔

www.ahlehaq.org

وہ اس کا قائل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

پھر اس امت میں قرونِ مشہود لہا بالخیر کے گزرنے، نئے نئے ملکوں کے فتح ہونے وہاں کی آبادی کے قبولِ اسلام، غیر مسلم اقوام کی مخالطت و مجاورت اور مرورِ زمانہ کے اثر سے عوام کے ایک بڑے طبقہ میں یہ مشرکانہ عقائد و اعمال کہاں سے داخل ہو گئے، اور ان کو توحید کے بہت سے شعائر و علامات کے ساتھ مسلم معاشرہ میں اپنی جگہ بنا لینے کا کیسے موقع مل گیا اور بہت سے مدعیانِ علم کو ان کی تاویل اور توجیہ کی اور ان کو گوارہ کرنے اور جائز قرار دینے کی جرأت کیسے ہوئی، اور بہت سے پڑھے لکھے مسلمان کیسے اس مغالطہ کے شکار ہو گئے؟

شاہ صاحبؒ کے نزدیک اس کی وجہ توحید کی حقیقت اور مشرکین جاہلیت اور اہلِ عرب کے خدا کے خالقِ کائنات اور مدبرِ امورِ عالم ہونے کے بارے میں عقیدہ کو صحیح طور پر نہ سمجھنا ہے۔ عوام کے ایک بڑے طبقہ نے شرک کی حقیقت یہ سمجھی کہ کسی ہستی کو (خواہ وہ زندہ ہو یا فوت شدہ) خدا کا بالکل ہمسر اور ہم پایہ بنا لیا جائے، خدا کی تمام صفات اور افعال اس کی طرف منسوب کئے جائیں، اسی کو خالق، رازق، اور محیی و ممیت (زندہ کرنے والا اور مارنے والا) حقیقتاً و اصالتاً سمجھ لیا جائے، باقی اللہ تعالیٰ کی بعض صفات کا اس کے کسی مقبول بندہ کی طرف منسوب کرنا اور بعض افعال کا (جو خدا کے ساتھ مخصوص ہیں) ان سے صدور، تنا قدرت کے بعض کارخانوں کا ان سے متعلق ہو جانا، اور اللہ کا اپنی مرضی سے اپنے بعض اختیارات ان کے سپرد کر دینا، یہ توحید کے منافی اور شرک کے مرادف نہیں ہے۔ اسی طرح کسی کو محض تقرب الی اللہ اور شفاعت عند اللہ کے لئے ایسی حد سے بڑھی ہوئی تعظیم کرنا اور ان کے ساتھ ایسے اعمال و حرکات سے پیش آنا جو عبادت کے حدود میں داخل ہیں، داخلِ شرک نہیں کہ یہ محض رضائے خداوندی کے حصول کا ایک ذریعہ اور اس بارگاہ بے چون و بے چگون تک

www.ahlehaq.org

پہونچنے کا، جس کے یہاں عقول بشری کی رسائی نہیں، ایک مفید اور موثر طریقہ ہے کفار عرب کہتے تھے :۔

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ (الزمر-۳)

وہ کہتے ہیں کہ ہم ان کو اس لئے پوجتے ہیں کہ ہم کو خدا کا مقرب بنا دیں ۔

یہ وہ مغالطہ اور التباس تھا جس کی وجہ سے اس امت کے بھی کثیر التعداد افراد شرک کی ارض ممنوعہ میں جا پڑے تھے اور اس سرحدی لکیر کو پار کر گئے تھے جو توحید و شرک کی حد فاصل (LINE OF DEMARCATION) ہے اس لئے سب سے پہلی اور اہم ضرورت یہ تھی کہ معلوم کیا جائے کہ اہل جاہلیت اور مشرکین عرب کا عقیدہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کیا تھا، وہ اس کی ذات و صفات کے بارے میں کن کن چیزوں کے قائل تھے اللہ تعالیٰ کو خالق کائنات، خالق ارض و سماوات، اور قادر مطلق سمجھنے کے باوجود آپ کے رسول نے ان کو کیوں مشرک گردانا، اور قرآن نے ان کے مشرک ہونے کا کیوں اعلان کیا؟

شاہ صاحبؒ اپنی بے نظیر کتاب "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" میں لکھتے ہیں :۔

" شرک یہ ہے کہ ماسوا اللہ کے لئے ان صفات کو ثابت مانا جائے جو خدا تعالیٰ کے ساتھ مختص ہوں، مثلاً عالم کے اندر تصرفات ارادی جس کو کن فیکون سے تعبیر کرتے ہیں، یا علم ذاتی جس کا اکتساب نہ حواس کے ذریعہ سے ہو نہ عقل کی رہنمائی سے اور نہ خواب اور الہام وغیرہ کے واسطے سے، یا مریضوں کو شفا دینا یا کسی شخص پر لعنت کرنا اور اس سے ناراض ہونا جس کے باعث اس کو تنگ دستی اور بیماری اور شقاوت گھیر لیں یا رحمت بھیجنا جس سے اس کو فراخ دستی، تندرستی اور سعادت حاصل ہو۔

مشرکین بھی برابر اجسام اور عظیم الشان امور کے پیدا کرنے میں کسی کو
خدا تعالیٰ کا شریک نہیں جانتے تھے ان کا اعتقاد تھا کہ جب خدا تعالیٰ کسی کام
کے کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو کسی میں اس کے روکنے کی قدرت نہیں ہے ان کا
شرک فقط ایسے امور کی نسبت تھا جو کہ بعض بندوں کے ساتھ مخصوص تھے
ان لوگوں کا گمان تھا کہ جیسے شاہان عظیم الشان اپنے مقربان خاص کو ملک کے
مختلف حصوں کا فرماں روا مقرر کرتے ہیں اور بعض امور خاص کے فیصل کرنے
میں (جب تک کوئی شاہی حکم صریح موجود نہ ہو) ان کو مختار بنا دیتے ہیں اور
اپنی رعایا کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا خود انتظام نہیں کرتے اور اپنی کل رعایا کو
حکام کے سپرد کر دیتے ہیں اور حکام کی سفارش ان کے ماتحت ملازمین اور رعایا
کے حق میں قبول کی جاتی ہے ایسے ہی بادشاہ علی الاطلاق جل مجدہ نے بھی
اپنے خاص بندوں کو رتبۂ الوہیت کے خلعت سے سرفراز کیا ہے اور ایسے
لوگوں کی رضا مندی و ناراضی دوسرے بندوں کے حق میں مؤثر ہے اس لئے
وہ ان بندگان خاص کے تقرب کو ضروری خیال کرتے تھے تاکہ بادشاہ حقیقی کی
درگاہ میں مقبولیت کی صلاحیت پیدا ہو جائے اور جزائے اعمال کے وقت
ان کے حق میں شفاعت درجۂ قبولیت حاصل کرے اور ان خیالی ضرورتوں
کو دیکھتے ہوئے وہ لوگ ان کو سجدہ کرنا اور ان کے لئے قربانی کرنا اور ان کے
نام کی قسم کھانا اور ضروری امور میں ان کی قدرت کن فیکون سے مدد لینا
جائز سمجھتے تھے انہوں نے پتھر پیتل اور سیسہ وغیرہ کی مورتیں بنا کر ان
(بندگان خاص) کی روحوں کی طرف متوجہ ہونے کا ایک وسیلہ قرار دیا تھا

www.ahlehaq.org

لیکن رفتہ رفتہ جہلاء نے ان پتھروں ہی کو اپنا اصلی معبود سمجھنا شروع کر دیا اور غلط عظیم واقع ہوا۔[1]

نیز حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:۔

"شرک کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کسی ایسے شخص کے بارے میں جو قابلِ تعظیم سمجھا جاتا ہے یہ عقیدہ رکھے کہ اس سے جو غیر معمولی افعال و واقعات ظہور پذیر ہوتے ہیں یا وہ اس بناء پر ہیں کہ وہ شخص صفاتِ کمال میں سے کسی ایسی صفت کے ساتھ متصف ہے جس کا مشاہدہ نوعِ انسانی کے افراد میں نہیں ہوا، وہ صفت واجب الوجود جل مجدہٗ کے ساتھ مخصوص ہے اس کے سوا کسی میں نہیں پائی جاتی۔ اس کی چند ہی شکلیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ وہ واجب الوجود اپنے کسی مخلوق کو خلعتِ الوہیت سے سرفراز کرے، یا وہ مخلوق ذاتِ الٰہی میں فنا ہو کر باقی باللہ بن کر رہ جائے، یا اسی طرح کی کوئی شکل جو اس عقیدہ کے حامل نے اپنی طرف سے گھڑ لی ہو۔ حدیث میں مشرکین کے جس تلبیہ (حج میں لبیک لبیک کہنا) کے الفاظ نقل کئے گئے ہیں وہ اسی عقیدہ کا ایک نمونہ اور اس کی مثال ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ مشرکین عرب زمانہ جاہلیت میں اور اسلام قبول کرنے سے پہلے ان لفظوں میں لبیک کہتے تھے

لبیک لبیک لا شریک لک	خدایا! حاضر ہوں، حاضر ہوں!
الا شریکا ھو لک تملکہ	تیرا کوئی شریک نہیں سوائے اس
وما ملک۔	شریک کے جو تیرا بندۂ خاص ہے تو

[1] الفوز الکبیر ماخوذ از ترجمہ مولوی رشید احمد صاحب انصاری صفحہ ۹

www.ahlehaq.org

اس کا بھی مالک ہے اور اس کی مملوکات

کا بھی مالک۔

اسی بناء پر یہ عقیدہ اس ہستی کے لئے جس کو وہ خدا کے بعض صفات کا حامل اور خلعت الوہیت سے سرفراز سمجھتا ہے اپنے انتہائی تذلل اور فروتنی کا اظہار کرتا ہے اور اس کے ساتھ وہ معاملہ کرتا ہے جو بندوں کو خدا کے ساتھ کرنا چاہئے![1]

حجۃ اللہ البالغہ میں ایک دوسری جگہ مشرکین کے شرک کی حقیقت بیان کرتے ہوئے اور اس بات کی وضاحت فرماتے ہوئے کہ اللہ تبارک وتعالے کے بارے میں ان کے اور مسلمانوں کے درمیان (جو صحیح عقیدہ کے حامل ہیں) کن باتوں پر اتفاق تھا مشرکین عرب وجود باری اور اس کی یگانہ شان اور قدرت مطلقہ کے منکر نہیں تھے صرف بعض صفات اور اختیارات میں وہ اور خدا ان کی طرح اور خیالات سے ان کے بعض مقربین و محبوبین کو شریک اور صاحب اختیار سمجھتے تھے اور اس لئے ان کے ساتھ عبودیت اور بندگی کا معاملہ کرتے تھے ابواب التوحید کے عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں:-

"مشرکین اس بارے میں مسلمانوں کے ہم خیال اور ہم عقیدہ تھے کہ امور عظام کے سرانجام دینے جن چیزوں کا اللہ تعالے نے فیصلہ فرمالیا اور اس کا ارادہ قطعی ہو جائے تو اس میں کسی غیر کا اختیار باقی نہیں رہتا، باقی دوسرے امور میں انھوں نے مسلمانوں سے الگ راستہ اختیار کیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ زمانہ ماضی کے صلحاء نے عبادت کی کثرت کی اور خدا کا قرب حاصل کیا تو اللہ تعالے نے ان کو الوہیت کا خلعت عطا فرمایا اس بناء پر وہ خدا کے دوسرے بندوں کی عبادت کے

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۶۱ باب اقسام شرک۔

www.ahlehaq.org

www.ahlehaq.org

مستحق بن گئے، جیسے شہنشاہ کا کوئی مزاج داں غلام بادشاہ کی خدمت کا حق ادا کرے تو شہنشاہ اس کو بادشاہی کا خلعت عطا فرماتا ہے اور اپنے ملک کے کسی شہر کا انتظام اس کے سپرد کر دیتا ہے تو اس طرح وہ شہر کے باشندوں کی سننے اور بات ماننے کا مستحق ہو جاتا ہے۔ وہ اس بات کے قائل تھے کہ خدا کی بندگی جب ہی قبول ہو سکتی ہے جب ایسے مقبول اور برگزیدہ بندوں کی غلامی بھی اس کے شامل ہو بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں سے اس قدر بالا و برتر ہے کہ براہ راست اس کی عبادت کچھ کارگر اور اس کی وہاں رسائی نہیں ہے، ضروری ہے کہ ان مقربان بارگاہ الٰہی کی عبادت کی جائے تاکہ وہ اللہ تک پہنچا دیں۔ وہ کہتے تھے کہ یہ (مقربین) سنتے، دیکھتے اور اپنے بندوں کی سفارش کرتے ہیں اور ان کے معاملات کا انتظام کرتے اور ان کی مدد کرتے ہیں۔ انھوں نے ان کے نام پر پتھر تراشے اور ان کو اپنا قبلہ توجہ بنا لیا۔ بعد میں وہ لوگ آئے جو ان پتھروں اور جن کے نام پر یہ تھے ان کے درمیان فرق کو نہیں سمجھ سکے اور انھوں نے ان کو بذات خود معبود سمجھ لیا۔"[1]

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

"مشرکین عرب اس کے قائل تھے کہ اللہ تعالیٰ کا آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں کوئی شریک نہیں، اسی طرح ان دونوں کے درمیان جو اجسام و اشیاء ہیں ان کی خلقت میں بھی کوئی اس کا شریک نہیں، نیز اہم امور کے سرانجام میں بھی کسی کی شرکت نہیں، اس کے فیصلہ کو کوئی ٹالنے والا، اور اس کے حکم قطعی کو کوئی

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج۱ ص۵۹ باب التوحید۔

www.ahlehaq.org

رکھنے والا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ ۔ (لقمٰن ۲۵)

اگر تم ان مشرکین سے پوچھو کہ آسمان و زمین کس نے پیدا کیا تو وہ یقیناً کہیں گے کہ اللہ نے۔

قرآن خود شہادت دیتا ہے کہ یہ مشرکین خدا کو مانتے تھے اور اسی سے دعا بھی کرتے تھے۔

بَلْ إِيَّاهُ تَدْعُونَ ۔ (الانعام ۴۱) بلکہ اسی سے مانگتے ہو۔

نیز فرماتا ہے:۔

ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ ۔ (الاسراء ۶۷) اسی سے دعا کرنا کام آتا ہے دوسروں سے دعا بیکار جاتی ہے۔

حقیقت میں ان مشرکین نے خدا ہی کو رب حقیقی مان کر اس کا اقتدار اعلیٰ تسلیم کرتے ہوئے اور روزانہ ہونے والے بڑے امور کو چھوڑ کر اپنے بت رکھے ہیں جزئی و جزوی معاملات کو سنبھالا دیتے ہیں اور ان کا کام کر دیتے ہیں جن کا تعلق اس کی ذات اور بندوں ومالک سب ہے ان کے نزدیک ان کا اللہ کے ساتھ ایسا ہی تعلق ہے جیسے کسی ناز پروردہ غلام کا شہنشاہ سے اور صاحب منصبوں اور مصاحبوں کا جو بادشاہ سے ہو۔ جب صحف انبیاء میں جو کہیں اس بات کا تذکرہ آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کام بعض فرشتوں کے سپرد کر دیئے ہیں یا یہ کہ مقربین کی دعا قبول ہوتی ہے ان جاہلوں نے اسی کو بنیاد بنا کر ان کو ایک صاحب تصرف و صاحب تصرف مان لیا۔ جیسے خود بادشاہ صاحب تصرف ہوتے ہیں حالانکہ یہ قیاس، قیاس الغائب علی الشاہد تھا اور اسی سے سارا فرق

www.ahlehaq.org

www.ahlehaq.org

پیدا ہوئی؟ [۱]

اس طرح شاہ صاحبؒ نے عوام اور خواص اشباہ العوام کے بہت سے مشرکانہ عقائد و اعمال کی جڑ پکڑلی اور اس خلط کا پردہ چاک کیا جس کی وجہ سے بہت سے جہلاء اور مدعیان علم ان اعمال و رسوم و شعائر شرک، نذر و ذبح لغیر اللہ، بزرگوں کے نام پر روزے رکھنے، اولیاء و صالحین سے دعا و التجا، خوف و رجا، استمداد و استعانت، ان کے مقامات دفن اور ان سے نسبت رکھنے والی چیزوں کی حرم شریف اور بیت اللہ کی طرح تعظیم کرنے اور ان کے لئے انھیں آداب کو مرعی رکھنے، ان کے جزئی تصرف فی الکائنات، انسان کی شقاوت و سعادت، مرض و صحت، فراخی رزق و تنگی میں مؤثر ہونے کے عقیدۂ مشرکانہ میں گرفتار اور "فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ" [۲] پر عمل کرنے اور انابت و اخبات، توکل علی اللہ اور انقطاع الی اللہ کی حقیقی روح و دولت سے محروم تھے اور جن کے بعض احوال پر نگاہ اور اعمال دیکھ کر بے اختیار قرآن مجید کی آیت یاد آتی تھی:-

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ — اور یہ اکثر خدا پر ایمان نہیں رکھتے مگر

إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُوْنَ (يوسف: ۱۰۶) — اس کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔

شاہ صاحبؒ اور ان کے خلفاء کا اگر اس عقیدۂ توحید کی تجدید، اس کی تبلیغ و توضیح اور اس کی اشاعت و ترویج اور اس کے سلسلہ کی غلط فہمیوں کے رفع کرنے کے سوا کوئی کارنامہ نہ ہوتا تو تنہا یہی کارنامہ ان کو مجددین امت میں شمار کرنے کے لئے کافی تھا، چہ جائیکہ ان کے اور متعدد کارنامے ہیں جن کی آئندہ صفحات میں وضاحت کی جائیگی۔

---

[۱] حجۃ اللہ البالغہ باب ما کان علیہ حال اہل الجاہلیۃ فاصلحہ النبی ﷺ ج ۱ صفحہ ۱۲۵

[۲] الزمر - ۲

عقائد کی تفہیم و تشریح کتاب و سنت کی روشنی میں اور صحابہؓ و سلف کے مسلک کے مطابق

شاہ صاحبؒ کے اس بنیادی تجدیدی کارنامے سے ، جس کا تعلق عاقبت مسلمین اور پورے مسلم معاشرہ سے تھا ، اور جس کے بغیر ہدایت و نجات مشتبہ اور نصرت و تائید الٰہی محال تھی ، ایک ضمنی علمی و اصلاحی کارنامہ یہ تھا کہ آپ نے عقائد کی تشریح و تفہیم کا کام کتاب و سنت کی روشنی میں انجام دیا اور اس بارے میں صحابہؓ اور سلف کے مسلک و ذوق کے مطابق عمل کرنے کی دعوت دی ، اور خود اس کا آغاز کرکے اس کا عملی نمونہ پیش کیا ، عالم اسلام کے علمی حلقوں کو مدت سے ایسے نابغہ روزگار مفکرین اور بے لوث مخلص مجتہدین کی ضرورت تھی جو فلسفہ اور فلسفیوں کے آراء و نظریات سے (جن کا خود علم کلام پر بڑا اثر پڑ چکا تھا) آنکھیں ملا کر بات کریں ، قرآن پاک اس طرح ان کا بیان ہو جس طرح وہ نازل ہوا خدا تعالیٰ کے صفات و افعال کو وہ بغیر کسی تحریف و تاویل کے ویسا ہی مانتے ہوں جیسا وہ خود ان کے بارے میں فرماتا ہے ، اور ان حقائق کی ایسی تفسیر کرتے ہوں جن کا ایک طرف مسلّم و دلائل شرعی مؤید ہوں ، دوسری طرف عقل و منطق بھی ان کو تسلیم کرتے ہوں ، یہ واضح کہ قرآنی اور دبستان علوم نبوی سے فیض پانے والے علمائے حق ہی ہو سکتے تھے جو عام معرفت اور حکیمانہ موشگافیوں سے پوری طرح واقف ہونے کے ساتھ عقائد میں کتاب اللہ اور سنت متواترہ کے پابند تھے ، اور خدا تعالیٰ پر انہیں صفات کے ساتھ ایمان و عقیدہ رکھتے تھے جو اس نے اپنی کتاب میں بیان فرمائی ہیں ، ایک حدیث میں علمائے حق کی جو تعریف آئی ہے وہ ان پر پورے طور پر صادق تھی ۔

ینفون عن هذا الدین تحریف الغالین   وہ غالی لوگوں کی تحریف ؛ اس سے دور کرتا

www.ahlehaq.org

باطل پرستوں [illegible] کے غلط انتساب اور جاہلوں کی تاویلات

وتاویل الجاهلین۔ سے دین کی حفاظت کرتے ہیں۔

ان علمائے اسلام سے کوئی دور خالی نہیں رہا، ان نمایاں شخصیتوں میں آٹھویں صدی کا بڑا
کے عالم جلیل شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ حرانی (م ۷۲۸ھ) ان کے بعد ان کے تلمیذ رشید
علامہ ابن قیم جوزیہ صاحب زاد المعاد (م ۷۵۱ھ) اور اس مسلک پر چلنے والے بعض دوسرے
جلیل القدر علماء ہیں، جن کی فہرست زیادہ طویل نہیں۔

امام ابن تیمیہ کے بعد اگر اس سلسلہ میں کسی کا نام پورے اعتماد کے ساتھ لیا جا سکتا ہے
اور جس کا کام اہل علم کے سامنے ہے تو وہ حضرت شاہ ولی اللہؒ ہیں، وہ عقائد کی تشریح و تفہیم
اور اس کو سلف کے فہم و مسلک کے مطابق پیش کرنے کی پوری صلاحیت رکھتے تھے اس لئے کہ
انھوں نے ایک طرف یونان فلسفہ کا گہرا اور وسیع مطالعہ کیا تھا اور علم کلام کا پورا سرمایہ
ان کی نظر کے سامنے بلکہ ان کی دسترس میں تھا، دوسری طرف وہ قرآن کے دقیق النظر مفسر
علم حدیث کے ماہر خصوصی اور اسرار و مقاصد شریعت کے رازداں تھے اس لئے وہ متکلمین
اور اہل حدیث کے درمیان راہ اعتدال پر قائم ہیں، ان کی کتاب "العقیدۃ الحسنۃ"[۲] مطالعہ کی چیز ہے

---

[۱] یہ روایت بیہقی، حدیث کے الفاظ یوں ہیں: يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه
تحريف الغالين وانتحال المبطلين وتأويل الجاهلين۔ [۲] یہ کتاب العقیدۃ الحسنۃ کے نام سے عربی میں مطبع احمدی آگرہ سے
طبع ہوئی، دار العلوم ندوۃ العلماء کے فاضل استاد تفسیر مولانا محمد اویس ندوی نگرامی مرحوم نے اس کو
اپنی شرح و تعلیقات و حواشی کے ساتھ (جو خود شاہ صاحبؒ کی دوسری تصنیفات سے ماخوذ ہیں) اس کو
"العقیدۃ السنیۃ" کے نام سے مرتب کیا، اور راقم سطور کے مقدمہ کے ساتھ مطبع دار العلوم ندوۃ العلماء
لکھنؤ میں شائع ہوئی، مصنف کی کتاب "العقیدۃ والعبادۃ والسلوک" اور اس کے اردو ترجمہ

www.ahlehaq.org

اور عبارت کی سلاست و روانی دونوں کی جامع ہے ایک کتاب علم توحید (جس کو عام طور پر علم کلام سے موسوم کیا جاتا ہے) کا ایک ایسا متن ہے جس میں اہل سنت کے عقائد کا وہ لب لباب آ گیا ہے جس سے ہر اس تعلیم یافتہ مسلمان کو واقف ہونا چاہیئے جو اپنے تئیں اہل سنت میں شمار کرتا ہو اور ان کے عقائد کو اپنا شعار بنانا چاہتا ہو۔

شاہ صاحبؒ اپنے رسالہ "وصایا"[1] میں (جو فارسی زبان میں ہے) لکھتے ہیں:۔

اول وصیت این فقیر چنگ زدن	اس فقیر کی پہلی وصیت یہ ہے کہ
است بکتاب و سنت در اعتقاد	اعتقاد و عمل میں کتاب و سنت کو
و عمل و پیوستہ بتدبیر ہر دو مشغول	مضبوط ہاتھوں سے تھاما جائے
شدن ..... و در عقائد مذہب	اور ہمیشہ ان پر عمل کیا جائے
قدماء اہل سنت اختیار کردن	عقائد میں متقدمین اہل سنت کے
و از تفصیل و تفتیش آنچہ سلف	مذہب کو اختیار کیا جائے اور
تفتیش نکردند اعراض نمودن	(صفات و آیات متشابہات)
و بتشکیکات خام معقولیان	کے سلسلہ میں سلف نے جن تفصیل
التفات نکردن۔[2]	و تفتیش سے کام نہیں لیا ان سے
	اعراض کیا جائے اور معقولیان خام

(بقیہ ص ۱۶۴ کا) ترجمہ "تشریحات" میں اس کا خلاصہ آ گیا ہے "تفہیمات" میں "العقیدۃ الحسنۃ" کا مضمون بیان کیا گیا ہے نیز اس سے پہلے کہ اس کو علیحدہ رسالہ کی شکل میں شائع کیا گیا (ملاحظہ ہو التفہیمات الالٰہیۃ ج ۱ ص ۱۴۳ - ۱۴۸) [2] شاہ صاحبؒ نے اس رسالہ کا نام جو فارسی میں ہے "المقالۃ الوضیۃ فی النصیحۃ والوصیۃ" رکھا تھا یہ شاہ صاحبؒ کے بعض دوسرے رسائل کے مجموعہ میں بھی شامل ہے۔

www.ahlehaq.org

کی تشکیکات کی طرف التفات
نہ کیا جائے۔

شاہ صاحب کے اسماء و صفات کے بارے میں ذوق و مسلک کا کسی قدر اندازہ
اس اقتباس سے ہوگا جو یہاں پیش کیا جاتا ہے:۔

منشا اس سے یا تو یہ ہے کہ وہ معقول اجزا اس سے دریافت ہو سکے
یا اس میں صفتیں اس طرح موجود ہوں کہ جس طرح عوارض جوہر میں ہو کر
پائے جاتے ہیں، یا وہ اس طرح ہوں جن کو عام عقلیں ادراک کر سکیں یا مشترک
الفاظ ان کو ادا کر سکیں یا نہیں۔ یہ بھی ضروری ہے کہ لوگوں کو بتا بھی دیئے
جائیں تاکہ جہاں تک انسانیت کی تکمیل ہو سکتی ہے ہو جائے۔ ایسی حالت
میں اس سے چارہ نہیں کہ ان صفتوں کا استعمال ان معنوں میں کیا جائے کہ
ان کے نتائج اور لوازم سمجھ لئے جائیں مثلاً ہم خدا کے لئے رحمت ثابت
کرتے ہیں، اس سے مقصود احسانات کا فیضان ہے، دل کی خاص کیفیت
نہیں (جس کو اصل میں رحمت کہتے ہیں) اسی طریقے سے خدا کی وسعت
قدرت کے اظہار کے لئے مجبوراً ہم کو وہ الفاظ استعارۃً استعمال کرنے
پڑیں گے جو انسانوں کی قدرت و قوت کے لئے بولے جاتے ہیں، کیونکہ ان
معانی کے ادا کرنے کے لئے ہمارے پاس اس سے بہتر الفاظ نہیں، اسی طرح
تشبیہاً بہت سے الفاظ بولے جائیں گے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ ان کے
حقیقی معنی مراد نہ ہوں، بلکہ وہ معانی جو خدا کی ذات کے لائق اور مناسب
ہیں...... تمام آسمانی مذاہب کا اس پر اتفاق ہے کہ صفات اسی طریقہ پر

www.ahlehaq.org

بولے گئے ہیں اور اس پر کہ یہ الفاظ اسی طرح بولے جائیں اور اس کے علاوہ کوئی اور بحث و کاوش نہ کی جائے، یہی مذہب اس زمانہ کا تھا جس کے خیر و برکت کی شہادت دی گئی ہے (یعنی تبع تابعین کے عہد تک) اس کے بعد کچھ ایسے لوگ مسلمانوں میں پیدا ہو گئے جنھوں نے بغیر کسی نص قطعی اور دلیل محکم کے ان مسائل میں فکر و کاوش شروع کر دی۔"[1]

صدیوں سے عالم اسلام میں بالخصوص ان ملکوں میں جو علمی، عقلی اور درسی طور پر ایران کے زیر اثر تھے جن متکلمانہ موشگافیوں، صفات کی دور از کار تاویلات جن سے نتیجۃً وہ معطل اور بے معنی بن کر رہ جاتی ہیں اور فلسفہ یونان سے ذہنی غلامی کی حد تک مرعوبیت کا دور دورہ تھا، اور سلف کے متعلق ان کا خیال استخفاف تک پہونچا ہوا تھا جو بہت احتیاط و انصاف سے کام لیتے تھے وہ کہتے تھے "مذهب السلف أسلم ومذهب الخلف أعلم" (سلف کے مسلک میں احتیاط اور خلف کی تحقیقات میں علم کی شان ہے) اس پس منظر میں شاہ صاحبؒ کی یہ خدمت و جرأت ایک مجتہدانہ اور مجددانہ کارنامہ ہے۔ اسماء و صفات کے بارے میں سلف کے مسلک کی تائید فرمائی متکلمین (جنھوں نے دور از کار تاویلات سے کام لیا اور ان کے اقوال صفات کے بارے میں تعطیل و نفی صفات کے حدود کو چھوتے ہوئے بعض اوقات نظر آتے ہیں) عدم مناسبت اور حدیث و سنت کی محبت و تعظیم نے ان کو شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی طرف سے دفاع اور ان کی جلالت شان کے اعترافات پر آمادہ کیا جن کی ذات ان آخری صدیوں میں بڑی متنازعہ فیہ بلکہ

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص ۱۰۳ باب الایمان بصفات اللہ۔ ترجمہ منقول از رسالہ اہل السنۃ والجماعۃ از مولانا سید سلیمان ندوی ص ۳۳-۳۴

www.ahlehaq.org

مطاعن اور شبہات کا ہدف بن گئی تھی، شاہ صاحب نے بڑے بلند الفاظ میں ان کی تعریف فرمائی اور ان کی طرف سے دفاع کیا، وہ "تفہیمات الٰہیہ"[۱] میں فرماتے ہیں:-

وليس شيء منها الا ومعه دليله
من الكتاب والسنة وآثار السلف
فمثل هذا الشيخ عزيز الوجود
في العالم ومن يطيق ان
يلحق شأوه في تحريره وتقريره
والذين ضيقوا عليه ما نالوا
معشار ما آتاه الله تعالى۔

شیخ ابن تیمیہ کے اقوال میں کوئی چیز
ایسی نہیں ہے جس کے لئے ان کے پاس
کتاب و سنت اور آثار سلف میں سے
کوئی دلیل نہ ہو ایسا عالم دنیا میں
عزیز الوجود ہے کون ایسا شخص ہے
جو تحریر و تقریر میں ان کے مرتبہ کو
پہنچنے کی قابلیت رکھتا ہو جن
لوگوں نے ان پر سختی اور تنگی کی ہے اور
کی ہے ان کو ان کے کمالات کا
دسواں حصہ بھی نصیب نہیں ہوا۔

---

[۱] جلاء العینین صـ ۴ بحوالہ تفہیمات الٰہیہ۔

www.ahlehaq.org

باب ہشتم

حدیث و سنت کی اشاعت و ترویج اور فقہ و حدیث میں تطبیق کی دعوت و سعی

حدیث کی اہمیت اور ہر ملک و ہر دور میں اس کی ضرورت

ہندوستان کے مختلف برِ اعظم بلکہ حقیقتاً دورِ اخیر میں (جو بارہویں صدی ہجری کے وسط سے شروع ہو کر اس وقت تک قائم ہے) شاہ صاحبؒ نے حدیث کی ترویج و اشاعت درسِ حدیث کے احیاء، فنِ حدیث کے ساتھ اعتناء اور اس موضوع پر اپنی محققانہ وبصیرت افروز تصنیفات کے ذریعہ ایسا عظیم تجدیدی کارنامہ انجام دیا جو ان کے صحیفۂ تجدید اور کتابِ زندگی کا ایک اہم اور روشن باب ہے، اور جو ان کے دوسرے علمی کمالات اور دینی خدمات پر ایسا غالب آیا کہ "محدث دہلویؒ" ان کے نام کا جزو اور ان کے تعارف کا عنوان بن گیا، اور زبان و قلم پر "حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ" جاری اور ساری ہو گیا۔

لیکن اس کارنامہ کی تاریخ اور تفصیل بیان کرنے سے پہلے اس کارنامہ کی عظمت سمجھنے کے لئے اس کی ضرورت ہے کہ پہلے یہ معلوم کیا جائے کہ حدیث، دین، شریعت کے نظام، اسلام کو اپنی صحیح شکل میں باقی رکھنے کی کوششوں، اور اسلامی مزاج و ماحول کے

www.ahlehaq.org

تشکیل و حفاظت میں کیا حیثیت رکھتی ہے؟ اس کی اشاعت و حفاظت ہر دور اور ہر ملک میں (جہاں مسلمان آباد ہوں) کیوں ضروری ہے اور اس سے تغافل، جہل یا انکار کن خطرات کا حامل اور کیسے عظیم نقصانات کو اپنے جلو میں لئے ہوئے ہے؟ اس علم کا کسی عہد یا ملک سے ختم یا فراموش ہو جانا کیسا خلا پیدا کرتا ہے جو کسی اور چیز سے پُر نہیں ہو سکتا۔ اس کی وضاحت کے لئے مصنف اپنے ہی ایک رسالہ کا ایک اقتباس پیش کرے گا جس میں اس حقیقت کو پورے طور پر واضح اور ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔[1]

حدیث امت کے لئے صحیح میزان و معیار

"حدیث نبوی ایک ایسی صحیح میزان ہے جس میں ہر دور کے مصلحین و مجددین اس امت کے اعمال و عقائد، رجحانات و خیالات کو تول سکتے ہیں اور امت کے طویل تاریخی و عالمی سفر میں پیش آنے والے تغیرات یا انحرافات سے واقف ہو سکتے ہیں، اخلاق و اعمال میں کامل اعتدال و توازن اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا جب تک قرآن و حدیث کو بیک وقت سامنے نہ رکھا جائے، اگر

---

[1] یہ رسالہ جس کا نام عربی میں "دور الحدیث فی تکوین المناخ الاسلامی و صیانتہ" ہے اور اردو میں اس کا ترجمہ "اسلامی مزاج و ماحول کی تشکیل و حفاظت میں حدیث کا بنیادی کردار" کے نام سے شائع ہوا ہے، حقیقتاً وہ محاضرہ ہے جس سے مصنف نے رمضان ۱۳۸۳ھ کے رابطہ عالم اسلامی کے دوسرے محاضرات کے سلسلہ میں افتتاح کیا، اور وہ مضمون دارالعلوم [illegible] ۱۳۸۲ھ مطابق ستمبر ۱۹۶۳ء کو [illegible] کے سلسلہ میں اہل علم کے ایک مجمع کے سامنے پڑھا گیا، انگریزی میں بھی یہ رسالہ ROLE OF HADITH IN THE PROMOTION OF ISLAMIC CLIMATE & ATTITUDES کے نام سے مجلس تحقیقات و نشریات اسلام کی طرف سے شائع ہو گیا ہے۔

www.ahlehaq.org

حدیث نبوی کا وہ ذخیرہ نہ ہوتا جو مستقل کامل و متوازن زندگی کی صحیح نمائندگی کرتا ہے اور وہ حکیمانہ نبوی تعلیمات نہ ہوتیں اور یہ احکام نہ ہوتے جن کی پابندی کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلامی معاشرے کو عادی بنایا تو یہ امت افراط و تفریط کا شکار ہو کر رہ جاتی اور اس کا توازن برقرار نہ رہتا، اور وہ عملی مثال نہ موجود رہتی جس کی اقتداء کرنے کی خدا تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں ترغیب دی ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب ۔ ۲۱)	یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اسوۂ حسنہ ہے۔

اور یہ فرما کر آپ کے اتباع کی دعوت دی ہے:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ (آل عمران ۔ ۳۱)	آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کردے گا۔

یہ ایک ایسا عملی نمونہ ہے جس کی انسانوں کو ضرورت ہے اور جس سے وہ زندگی اور قوت و اعتماد حاصل کر سکتا ہے اور یہ اطمینان کر سکتا ہے کہ دینی احکام کا زندگی پر نفاذ نہ صرف آسان، بلکہ ایک امر واقعہ ہے۔

حدیث نبوی زندگی، قوت اور اثر انگیزی سے بھرپور ہے اور ہمیشہ اصلاح و تجدید کے کام، فساد اور خرابیوں اور بدعتوں کے خلاف صف آرا اور برسر جنگ ہونے اور معاشرے کا احتساب کرنے پر ابھارتی رہی ہے اور اس کے اثر سے ہر دور میں ایسے

www.ahlehaq.org

ایسے افراد پیدا ہوتے رہے جنھوں نے اصلاح و تجدید کا جھنڈا بلند کیا، پیش پیش ہو کر میدان میں آئے اور بدعتوں و خرافات اور جاہلی عادتوں سے کھلی جنگ کی اور دین خالص اور صحیح اسلام کی دعوت دی، اسی لئے حدیث نبوی امت اسلامیہ کے لئے ایک ناگزیر حقیقت اور اس کے وجود کے لئے ایک لازمی شرط ہے، اس کی حفاظت، ترتیب و تدوین، اعتقاد اور نشر و اشاعت کے بغیر امت کا یہ دینی و ذہنی، عملی و اخلاقی دوام و تسلسل برقرار نہیں رہ سکتا تھا۔

تاریخ اسلام میں اصلاح و تجدید کی تحریکیں علم حدیث سے وابستہ ہیں

سنت نبوی اور حدیث نبوی کے مجموعے ہمیشہ اصلاح و تجدید اور امت اسلامیہ میں صحیح اسلامی فکر کا سرچشمہ رہے ہیں، انھیں سے اصلاح کا بیڑا اٹھانے والوں نے تاریخ کے مختلف دوروں میں صحیح علم دین اور خالص فکر اسلامی اخذ کیا، انھیں احادیث سے انھوں نے استدلال کیا اور دین اصلاح کی دعوت میں وہی ان کی سند اور ان کا ہتھیار اور سپر تھیں، بدعتوں، فتنوں اور شر و فساد سے جنگ و مقابلہ کے معاملہ میں وہی قوت محرکہ و دافعہ تھی، آج جو بھی مسلمانوں کو دین خالص اور اسلام کامل کی طرف آنے کی پھر دعوت دینا چاہتا ہے اور ان کے اور نبوی زندگی اور کامل اسوہ کے درمیان تعلق استوار کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اور جس کو بھی ضروریات اور زمانہ کے تغیرات نئے احکام کے مستنبط کرنے پر مجبور کرتے ہیں، وہ اس سرچشمہ سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔

اس حقیقت پر اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی حدیث و سنت کی

www.ahlehaq.org

کتابوں سے مسلمانوں کے تعلق اور واقفیت میں کمی آئی، اور طویل مدت تک یہ کمی باقی رہی تو داعیوں اور اخلاق کی تربیت نفوس کا تزکیہ کرنے والے روحانی مربیوں کی کثرت، دنیا میں زہد اختیار کرنے اور کسی حد تک سنت پر عمل کرنے کے باوجود اس مسلم معاشرہ میں جو علوم اسلامیہ کے ماہرین اور فلسفہ و حکمت کے اساتذہ فن اور ادباء و شعراء سے مالا مال تھا اور اسلام کی قوت و غلبہ اور مسلمانوں کی حکمرانی میں زندگی گذار رہا تھا، سنت نئی بدعتوں، عجمی رسم و رواج اور اجنبی ماحول کے اثرات نے اپنا تسلط قائم کر لیا، یہاں تک کہ اندیشہ ہونے لگا کہ وہ جاہلی معاشرہ کا دوسرا ایڈیشن اور اس کا مکمل عکس بن جائیگا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پیشین گوئی اور حدیث حرف بحرف صحیح ثابت ہوگی۔

لتتبعن سنن من كان قبلكم شبرا بشبر وذراعا بذراع (متفق علیہ) — تم پچھلی امتوں کے راستوں پر قدم بقدم چلو گے۔

اس وقت مصلح کی آواز صدا بصحرا اور علم کا چراغ ٹمٹمانے لگا۔

دسویں صدی ہجری میں ہندوستان کے دینی حالات اور مسلمانوں کی زندگی کا جائزہ لیجئے جبکہ برصغیر ہند کے علمی و دینی حلقوں کا حدیث شریف اور سنت کے صحیح ماخذ و مراجع سے تعلق تقریباً منقطع ہو گیا تھا، علم دین کے مراکز اور حجاز و یمن و مصر و شام کے ان مدارس سے جہاں حدیث شریف کا درس ہوتا تھا کوئی رابطہ نہ تھا، اور کتب فقہ، اصول اور ان کی شروح اور فقہی باریکیوں اور منطق یونانی اور حکمت و فلسفہ کی کتابوں کا عام چلن تھا، بآسانی دیکھا جا سکتا ہے کہ کس طرح بدعتوں کا دور دورہ تھا، منکرات عام ہو گئے تھے، اور عبادتوں اور تقرب الی اللہ

www.ahlehaq.org

کی گئی نئی شکلیں اور نئے طریقے ایجاد کر لئے گئے تھے۔

راقم الحروف نے "تاریخ دعوت و عزیمت" کے حصہ چہارم میں دسویں صدی ہجری کے ایک مشہور و مقبول شیخ طریقت شیخ محمد غوث گوالیاری کی کتاب "جواہر خمسہ" کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:-

"گجرات کو مستثنیٰ کر کے جہاں علمائے عرب کی تشریف آوری اور حرمین شریفین کی آمد و رفت کی وجہ سے حدیث کی اشاعت ہو چکی تھی اور علامہ علی متقی برہان پوری اور ان کے نامور شاگرد علامہ محمد طاہر پٹنی پیدا ہوئے تھے، دسویں صدی ہجری میں ہندوستان صحاح ستہ اور ان کے مصنفین کی کتابوں سے نا آشنا تھا جنہوں نے نقد حدیث اور ترجیح حدیث کا کام کیا، اور سنت صحیحہ اور احادیث ثابتہ کی روشنی میں زندگی کا نظام العمل پیش کیا، ہندوستان کے اس علمی و روحانی خلا، غلو و تجربوں کا اثر اپنے زمانہ کے مشہور و مقبول متصوف بزرگ شیخ محمد غوث گوالیاری کی مقبول کتاب "جواہر خمسہ" میں دیکھا جا سکتا ہے جس کی بنیاد زیادہ تر بزرگوں کے اقوال اور اپنے تجربات پر ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صحیح احادیث کے ثابت ہونے یا معتبر کتب شمائل و سیرت سے اخذ کرنے کو ضروری نہیں سمجھا گیا، اس میں نماز احزاب، صلوٰۃ العاشقین، نماز تنویر القبر اور مختلف مہینوں کی مخصوص نمازیں اور دعائیں ہیں جن کا حدیث و سنت سے کوئی ثبوت نہیں ہے۔"[1]

یہ صرف "جواہر خمسہ" کی خصوصیت نہیں، بزرگوں کے ملفوظات کے غیر مستند مجموعوں میں اس کی متعدد مثالیں مل سکتی ہیں، مشائخ کے لئے سجدۂ تعظیمی کا

---

[1] تاریخ دعوت و عزیمت حصہ چہارم ص ۲۴۳

www.ahlehaq.org

عام رواج تھا، قبروں کو گنبد و قبہ بنا لیا گیا تھا، ان پر چراغ جلائے جاتے تھے، چادریں چڑھائی جاتی تھیں، ان کے گرد و پیش کا ادب حرم کی طرح کیا جاتا تھا، عرس و فاتحہ کے نام سے طرح طرح کے جشن منائے جاتے تھے جن میں بہت بڑی تعداد عورتوں کی ہوتی تھی، صلوٰۃ غوثیہ، صلوٰۃ معکوس، نذر لغیر اللہ، اولیاءؒ و صلحاء کے نام پر اور ان کی رضا مندی کی نیت سے ذبیحہ و قربانی، غیر اللہ کے نام پر روزہ اور ایسی کتنی بدعات (جن کے حدود شرک سے مل جاتے تھے) مقبول عام و خاص تھیں، اولیاء و صالحین کے ایام پیدائش و وفات پر جلسے کئے جاتے تھے اور میلے لگتے تھے۔

اگر علمائے اسلام کی دسترس میں کتب حدیث نہ ہوتیں اور سنتوں و بدعتوں میں تفریق و امتیاز کا یہ معتبر و سہل ذریعہ نہ ہوتا تو شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) کے عہد سے حکیم الاسلام شاہ ولی اللہ صاحب (م ۱۱۷۶ھ) کے عہد تک مصلحین امت اور دین خالص کے مبلغین کا یہ سلسلہ وجود میں نہ آتا، اور مصلحین روزگار اور تصحیح عقائد و اصلاح رسوم کے علمبردار نظر نہ آتے۔

دسویں اور گیارہویں صدی ہجری میں افغانستان (کابل و ہرات و غزنی) کے علماء کے حالات پڑھئے، اور ان کی تصنیفات دیکھئے، حمایت سنت اور رد بدعت، علمی تحقیق اور مسائل کی تنقیح کا رنگ بہت کم نظر آئیگا، دفعۃً علامہ ملا علی قاری (علی بن سلطان محمد ہروی م ۱۰۱۴ھ) کی شخصیت سامنے آتی ہے جنھوں نے حجاز جاکر وہاں کے محدثین عظام اور اساتذۂ کبار سے کتب حدیث کا درس لیا، اور اس میں کمال پیدا کیا، کتب حدیث و فقہ کی شروح، رسائل کی

www.ahlehaq.org

رجوع، اور اپنے زمانہ کی بعض بدعات کی طاقتور حمایت تردید میں ان کا یہ مصلحانہ و مجتہدانہ رنگ صاف جھلکتا ہے ان کو ان کے مطالعہ و تحقیق اور حق گوئی اور انصاف پسندی نے اس مقام تک پہونچا دیا کہ انھوں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی حمایت کی، اور اس کی شہادت دی کہ وہ اکابر اہل سنت و جماعت اور اولیائے امت میں سے تھے[1] یہی حال متعدد عرب ممالک عراق، شام، مصر، تونس، الجزائر، مراکش وغیرہ کا ہے[2]

علم حدیث اور عرب

تاریخ اسلام کا یہ نکتہ ہے کہ جن ملکوں میں اسلام عربوں کے ذریعہ سے پہونچا وہاں حدیث کا علم بھی اسلام کے ساتھ پہنچا اور پھلا پھولا کہ اس کو عربوں کے مزاج، ان کی قوت حفظ، ان کی طبیعت، حقیقت پسندی، اور ذات نبوی سے گہری وابستگی سے خاص مناسبت تھی، وہ جہاں گئے اپنے ساتھ علم حدیث بھی لیتے گئے، اور ان کی قیادت کے دور اور اثر و نفوذ کے حلقہ میں اس کے ساتھ پورا اعتنا کیا گیا، اور اس کے درس اور اس کے مختلف پہلوؤں پر تصنیف و تالیف کا سلسلہ پوری سرگرمی سے جاری رہا، یمن، حضرموت، مصر و شام، عراق، شمالی افریقہ اور اندلس (اسپین) جیسے ملکوں کا یہی حال ہے، خود ہندوستان میں صوبۂ گجرات اس کی ایک مثال ہے جس نے شیخ علی متقی برہان پوری (صاحب کنز العمال، م ۹۷۵ھ) اور شیخ محمد طاہر پٹنی (صاحب مجمع بحار الانوار، م ۹۸۶ھ) جیسے بلند پایہ محدث پیدا کیے، اس کی وجہ یہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کی کہ گجرات کا تعلق حجاز مقدس سے دوسرے صوبوں کے

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۴ ص ۲۷ [2] رسالہ حدیث کا بنیادی کردار ص ۳۴-۳۵

www.ahlehaq.org

مقابلے میں زیادہ رہا اور وہاں سے علمائے عرب کی آمد و رفت کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

لیکن جن ملکوں میں اہل عجم کے ذریعہ اسلام پہونچا وہاں کا یہ حال نہیں، ہندوستان میں ترکی النسل یا افغانی النسل خاندانوں نے حکومتیں قائم کیں اور ان مشائخ اور داعیان اسلام کے ذریعہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت ہوئی جن میں بیشتر عجمی نژاد اور ایران و ترکستان کے باشندے تھے، پھر جب ہندوستان میں درس و تدریس، مدارس کے قیام اور نصاب کی ترتیب کا زمانہ آیا تو اس پر بھی فضلاء اور دانشمندان ایران کا پورا اثر پڑ چکا تھا۔ باب اول میں بتایا جا چکا ہے کہ ایران میں صفوی حکومت کے قیام اور شیعیت کے سرکاری مذہب ہو جانے کے بعد سے (جو دسویں صدی ہجری کے ابتداء ہی کا واقعہ ہے) ایران کا (جس نے ایران حدیث کے اہم ستون پیدا کئے تھے) حدیث سے رشتہ ٹوٹ چکا تھا، اس لئے اس کے ذریعہ سے ہندوستان میں علم حدیث کی اشاعت اور اس کی اہمیت و عظمت قائم ہونے کا کوئی امکان نہ تھا، اس کے برعکس جس قدر اس کا اثر ہندوستان کے علمی حلقوں پر گہرا ہوتا جاتا تھا، حدیث سے بے اعتنائی بڑھتی جاتی تھی، بارہویں صدی کا آخر جس میں شاہ ولی اللہ محدث کا ظہور ہوا، اس کا نقطۂ ارتقا تھا۔

ہندوستان میں علم حدیث کا عروج و زوال

ہندوستان میں علم حدیث کے عروج و زوال کا جائزہ لینے کے لئے ہم یہاں مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب کی کتاب "الثقافة الاسلامية في الهند" کا ایک اقتباس پیش کرتے ہیں جس میں سیکڑوں صفحات کے مطالعہ کا نچوڑ آگیا ہے:۔

— جب سندھ میں عربوں کی حکومت ختم ہو گئی اور ان کے بجائے غزنوی اور

www.ahlehaq.org

غوری سلاطین ہند پر قابض ہوئے اور خراسان اور ماوراء النہر سے ہند میں علماء
آئے تب علم حدیث اس علاقہ میں کم ہوتا گیا یہاں تک کہ معدوم ہو گیا اور
لوگوں میں شعر و شاعری، فن نجوم، فن ریاضی اور علوم وغیرہ میں فقہ و اصول فقہ
کا رواج زیادہ ہو گیا، یہ صورت حال عرصہ تک قائم رہی یہاں تک کہ
علمائے ہند کا خاص مشغلہ یونانی فلسفہ رہ گیا اور علم تفسیر و حدیث سے
غفلت بڑھ گئی، مسائل فقہیہ کے سلسلے سے جو تھوڑا سا تذکرہ کتاب و سنت
میں آ جاتا تھا بس اسی مقدار پر قانع تھے، فن حدیث میں امام صغانی کی
مشارق الانوار کا رواج تھا، اگر کوئی شخص اس فن میں زیادہ ترقی کرتا تھا
تو امام بغوی کی مصابیح السنہ یا مشکوٰۃ پڑھ لیتا تھا اور ایسے شخص کے بارے
میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ محدث ہو گیا، اور یہ سب محض اس لئے تھا کہ لوگ
عام طور پر ہندوستان میں اس فن کی اہمیت و مرتبت سے ناواقف تھے،
وہ لوگ اس علم کی طرف سے بالکل غافل تھے، نہ اس علم کے اکثر رجال سے
واقف تھے اور نہ اس علم کا ان کے درمیان کوئی چرچا تھا، محض تبرکاً مشکوٰۃ
شریف پڑھا کرتے تھے، ان کے لئے سب سے زیادہ سرمایہ علم فقہ کی تحصیل تھا،
اور وہ بھی تقلید کے طور پر تحقیق کے طور پر نہیں، اسی وجہ سے اس زمانہ میں فتاوٰی
اور روایات فقہیہ کا رواج بڑھ گیا تھا، نصوص محکمات متروک ہو گئی تھیں،
مسائل فقہیہ کی صحت کو کتاب و سنت سے جانچنا اور فقہی اجتہادات کو احادیث نبویہ
سے تطبیق دینے کا طریقہ متروک ہو گیا تھا۔

پھر ایک زمانہ ایسا آیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہندوستان میں اس علم کی اشاعت کا

www.ahlehaq.org

انتظام فرمایا۔ دسویں صدی ہجری میں بعض علماء ہندوستان آگئے اور ان کے ذریعہ علم ہندوستان میں رواج پذیر ہوا۔ مثلاً

شیخ عبدالمعطی مکی بن حسن بن عبداللہ باکثیر متوفی باحمد آباد ۹۸۹ھ۔

شہاب احمد مصری بن بدر الدین متوفی باحمد آباد ۹۹۲ھ۔

شیخ محمد فاکہی حنبلی بن احمد بن علی متوفی باحمد آباد ۹۹۲ھ۔

شیخ محمد مالکی مصری بن محمد عبدالرحمن متوفی باحمد آباد ۹۹۱ھ۔

شیخ رفیع الدین حسینی شیرازی متوفی باکبر آباد ۹۵۴ھ۔

شیخ ابراہیم بغدادی بن احمد بن حسن۔

شیخ ضیاء الدین مدنی مدفون کاکوری ضلع لکھنؤ۔

شیخ بہلول بدخشی خواجہ میر کلاں ہروی متوفی باکبر آباد ۹۸۱ھ۔

اور بہت سے علمائے کرام۔

ہندوستان کے کچھ علمائے کرام نے حرمین شریفین کا سفر اختیار فرمایا اور وہاں انھوں نے فن حدیث شریف حاصل کیا اور اس فن کو لے کر ہندوستان واپس تشریف لائے اور عرصہ دراز تک گجرات میں درس حدیث دیتے رہے پھر دوبارہ حجاز ہجرت کر گئے، شیخ یعقوب بن حسن کشمیری متوفی ۱۰۰۳ھ، شیخ جوہر کشمیری متوفی ۱۰۰۰ھ، شیخ عبدالنبی گنگوہی بن احمد، شیخ عبداللہ سلطان پوری بن شمس الدین، شیخ قطب الدین عباسی گجراتی، شیخ احمد بن اسماعیل مانڈوی، شیخ راجح بن داؤد گجراتی، شیخ علیم الدین مانڈوی، شیخ عمر ابراہیم بن داؤد انمیوری مدفون باکبر آباد، شیخ محمد بن طاہر بن علی فتنی مصنف مجمع بحار الانوار

www.ahlehaq.org

سید عبدالاول حسینی بن علی بن العلاء الحسینی اور دوسرے علمائے کرام ہیں۔

مصنف "الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند" آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا کارنامہ

"اس کے بعد فن حدیث کی نشر و اشاعت کے لئے اللہ تعالیٰ نے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ بن سیف الدین بخاری متوفی ۱۰۵۲ھ کو منتخب فرمایا۔ ان کے ذریعہ علم حدیث کی اشاعت بہت عام ہوئی۔ انھوں نے دار السلطنت دہلی میں مسند درس آراستہ فرمائی اور اپنی ساری کوشش و صلاحیت اس علم کی نشر و اشاعت پر صرف فرمائی۔ ان کی مجلس درس سے بہت سے علماء نے فن حدیث کی تکمیل کی اور بہت سی کتابیں بھی فن حدیث میں تصنیف فرمائیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اس علم کی نشر و اشاعت میں بڑی جد و جہد کی۔ ان کی ذات اور ان کے علم سے اللہ کے بندوں کو بہت نفع ہوا۔ فن حدیث کی نشر و اشاعت میں ان کی جد و جہد اور کوششیں اپنے پیشروؤں سے اس قدر نمایاں و ممتاز ہیں کہ لوگوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ فن حدیث کو ہندوستان میں سب سے پہلے لانے والے یہی شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ہیں، حالانکہ جیسا ہم نے اوپر بتلایا تاریخی حیثیت سے یہ بات صحیح نہیں ہے۔"[1]

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے بعد ان کے صاحبزادے شیخ نور الحق متوفی ۱۰۷۳ھ نے اس علم کی خدمت اور نشر و اشاعت کا بیڑا اٹھایا اور ان کے بعض تلامذہ

---

[1] اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں، ص ۱۹۵–۱۹۶

اور اولاد نے بھی اس فن کی خدمت کی ہے مثلاً شیخ الاسلام شارح بخاری اور شیخ نور الحق جن کے صاحبزادہ مولانا سلام اللہ مصنف محلّٰی و کمالین ہیں۔[1]

پروفیسر خلیق احمد نظامی نے صحیح لکھا ہے کہ:۔

"بہر حال حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے جس وقت مسند درس بچھائی تھی، اس وقت شمالی ہندوستان میں حدیث کا علم تقریباً ختم ہو چکا تھا، انھوں نے اس تنگ و تاریک ماحول میں علوم دینی کی ایسی شمع روشن کی کہ دور دور سے لوگ پروانوں کی طرح کھنچ کر ان کے گرد جمع ہونے لگے، درس حدیث کا ایک نیا سلسلہ شمالی ہندوستان میں جاری ہو گیا، علوم دینی خصوصاً حدیث کا مرکز ثقل گجرات سے منتقل ہو کر دہلی آ گیا۔"[2]

ایک مجدد کی ضرورت

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کے صدق و اخلاص اور برکت انفاس سے حدیث کی طرف توجہ شروع ہوئی اور انھوں نے اس کے درس و مطالعہ، تدریس اور شرح و تحشیہ کا ایک نیا ذوق اور ایک نئی تحریک پیدا کر دی، امید تھی کہ ان کے جانشین اور فرزند جو اپنی اپنی جگہ پر محدث، مدرس اور صاحب تصنیف تھے، اس سلسلہ کو اس طرح جاری رکھیں گے کہ اس فن شریف کو ہندوستان کے نظام تعلیم، نصاب درس اور علمی و تصنیفی سرگرمیوں میں شایانِ شان مقام حاصل ہو گا، خود ان کے صاحبزادہ گرامی قدر علامہ مفتی نور الحق دہلوی (م ۱۰۷۳ھ) جنھوں نے صحیح بخاری کی فارسی میں چھ جلدوں میں شرح لکھی، و [illegible]

[1] اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں صفحہ [illegible]   [2] حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی صفحہ [illegible]

www.ahlehaq.org

پر بھی ان کی شرح ہے۔ اس سلسلہ میں ان کے شروع کیے ہوئے کام کی تکمیل فرما سکتے تھے لیکن منصب عہدۂ قضا کی وجہ سے جس پر وہ اکبر آباد (آگرہ) جیسے مرکزی شہر میں فائز تھے ان کو زیادہ درس و تدریس و اشاعت علم حدیث کا موقع نہیں مل سکا۔ ان کے نبیرہ مولانا شیخ الاسلام دہلوی بھی بڑے محدث تھے جن کی صحیح بخاری پر فارسی میں مبسوط شرح ہے۔

لیکن بعض معلوم اور بعض نامعلوم اسباب کی بناء پر ان حضرات کی انفرادی مساعی سے ہندوستان میں حدیث کی طرف وہ رجوع عام اور اس کی اشاعت و درس و تدریس میں وہ جوش و سرگرمی نہیں پیدا ہوئی جس کی توقع تھی، شاید اس وجہ سے بھی کہ ان حضرات پر حدیث کے ذریعہ مذہب حنفی کی تائید کا جذبہ و رجحان غالب تھا، دوسرا سبب یہ بھی تھا کہ بارہویں صدی کے وسط ہی میں تعلیم و تعلم کا مرکز دہلی سے لکھنؤ منتقل ہو رہا تھا، اور وہاں استاذ الہند ملا نظام الدین سہالوی (م ۱۱۶۱ھ) کے بابرکت اور طاقتور ہاتھوں سے نئے نصاب کی تشکیل ہو رہی تھی، اس نصاب کے واضعین و مصنفین کا علمی رابطہ حرمین شریفین اور ان مقامات سے قائم نہیں ہو سکا تھا جو حدیث کے درس و تدریس و خدمت و اشاعت کے مرکز تھے، اور اس پر (جیسا کہ درس نظامی کی تاریخ اور کتب سوانح و تذکرہ سے ظاہر ہوتا ہے) علوم حکمت اور علوم دینیہ میں سے اصول فقہ کا غلبہ تھا۔

بہرحال ہندوستان کا علمی و دینی حلقہ ایک ایسی شخصیت کا منتظر اور محتاج تھا جو حدیث سے عشق و فریفتگی کا تعلق رکھتی ہو اور اس کے نشر و اشاعت کو اس نے اپنی زندگی کا مقصد اولین قرار دیا ہو، ہندوستان کو یہ شخصیت بارہویں صدی کے وسط میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی ذات میں حاصل ہوئی جنھوں نے صحیح معنی میں اس شعر پر عمل کیا۔ ؎

ما آنچہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم　　　الا حدیث دوست کہ تکرار می کنیم

www.ahlehaq.org

مصنف "الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند" نے ان حضرات کا تذکرہ کرنے کے بعد بجاطور پر کہا ہے کہ ان اسباب و مؤثرات میں جن کے نتیجہ میں ہندوستان میں علم حدیث کی نشر و اشاعت میں حصہ لیا اور اپنے درس و تصنیف سے بڑے حلقہ کو فیض پہونچایا، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب[1] کی خدمت حدیث کا ذکر آچکا ہے، جو اس ملک میں بے نظیر ہیں، اس سلسلہ میں تجدیدی و اجتہادی شان اور احیائی رنگ رکھتی ہے، اور جس سے اس ملک میں حدیث کا سکّہ رائج الوقت کی طرح چلنے لگا، وہ نصاب درس کا ضروری جزو اور معیار فضیلت قرار پائی، درس حدیث کے مستقل حلقے قائم ہوئے، مدارس میں صحاح ستّہ کے درس، بالخصوص کتب اربعہ بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی کا تحقیق کے ساتھ پڑھنے کا رواج ہوا (جو اب صرف اس ملک کی ہی خصوصیت ہے) شروح حدیث کا دور شروع ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس پر ایک وسیع و عظیم کتب خانہ تیار ہوگیا، جس کی مثال ممالک عربیہ میں بھی نظر نہیں آتی، کتب حدیث کے تراجم ہوئے، جن سے عامۃ المسلمین اور غیر عربی دانوں نیز مسلمان خواتین کو بھی بہت فائدہ پہونچا، عمل بالحدیث کی تحریک اور اتباع سنت کا شوق ہوا، اجازت حدیث اور سند کا شوق ہوا، اور ہندوستان اس فن شریف کا ایسا مرکز بن گیا کہ مصر کے جلیل القدر عالم علامہ سید رشید رضا مدیر "المنار" کے قلم سے حسب ذیل الفاظ نکلے۔

ولولا عنایۃ إخواننا علماء الہند   اگر ہمارے بھائیوں علمائے ہندوستان کی

---

[1] شاہ صاحب کی تعلیم و تربیت اور دعوت و تحریک کے اثر سے ہندوستان میں حدیث کے اساتذہ، شارحین و مصنفین کی جو جماعت کثیر پیدا ہوئی اور ان کے ذریعہ سے حدیث اور علوم حدیث پر جو عظیم کتب خانہ وجود میں آیا اس کی وسعت اور تنوع کا اندازہ کرنے کے لئے ملاحظہ ہو مولانا حکیم سید عبد الحی صاحب کی کتاب "الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند" باب کی فصل رابع "مصنفات أهل الہند فی الحدیث" ص ۱۳۳ تا ۱۵۴، یا اس کا اردو ترجمہ "اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں" از مولانا ابو العرفان ندوی شائع کردہ دار المصنفین، اعظم گڑھ۔

www.ahlehaq.org

www.ahlehaq.org

علوم الحديث في هذا العصر	اس زمانہ میں علوم حدیث کے ساتھ
لقضي عليها بالزوال من امصار	اعتناء نہ کیا ہوتا تو مشرقی ممالک میں
المشرق، فقد ضعفت في مصر	مکمل طور پر ان کا زوال ہو چکا ہوتا،
والشام والعراق والحجاز منذ القرن	اس لئے کہ مصر، شام، عراق و حجاز
العاشر للهجرة حتى بلغت	میں دسویں صدی ہجری ہی سے انحطاط
منتهى الضعف في أوائل هذا	ضعف پیدا ہو گیا تھا جو اس چودھویں
القرن الرابع عشر[1]	صدی ہجری کے اوائل میں انتہا کو
	پہنچ گیا۔

حدیث کے بارے میں شاہ صاحبؒ کے خیالات وجذبات

شاہ صاحبؒ کے لئے کون سا جذبہ اس علم کے ساتھ اشتغال پھر اس کی نشر و اشاعت کی سرگرمی اور اس کے لئے اپنی زندگی اور صلاحیتیں وقف کر دینے کا محرک ہوا، اس کو معلوم کرنے کے لئے خود شاہ صاحبؒ ہی کی تحریرات کی طرف رجوع کرنا چاہئے کہ یہ ان کے خیالات کا صحیح آئینہ ہے۔ حجۃ اللہ البالغۃ کے مقدمہ کے پہلے ہی صفحہ پر لکھتے ہیں:-

إن عمدة العلوم اليقينية	علوم یقینیہ کا سرمایہ اور تاج
ورأسها ومبنى الفنون الدينية	اور فنون دینیہ کی اصل و اساس
وأساسها هو علم الحديث	علم حدیث ہے جس میں افضل المرسلین
الذي يذكر فيه ما صدر من	صلے اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل

[1] مقدمہ مفتاح کنوز السنۃ۔

www.ahlehaq.org

أفضل المرسلين صلى الله عليه وآله وسلم وأصحابه أجمعين من قول أو فعل أو تقرير فهي مصابيح الدجى ومعالم الهدى وبمنزلة البدر المنير من انقاد لها ووعى فقد رشد واهتدى وأوتي الخير الكثير ومن أعرض وتولى فقد غوى وهوى وما زاده التعنت إلا التخسير فإنه صلى الله عليه وآله وسلم نهى وأمر وأنذر وبشر وضرب الأمثال وذكّر وإنها لمثل القرآن أو أكثر[1]

یا کسی بات پر آپ کے سکوت رضامندی کا ذکر ہوتا ہے اس لئے یہ حدیثیں تاریکی میں روشن چراغ، رشد و ہدایت کا نشان ہیں اور بدر کامل کا حکم رکھتی ہیں جو شخص ان پر عمل پیرا ہوتا اور ان کی نگہداشت کرتا ہے تو وہ ہدایت یاب اور خیر کثیر سے فیض یاب ہوتا ہے اور جو بدبخت ان سے اعراض و روگردانی کرتا ہے وہ گمراہ اور ذلیل ہوتا ہے اور اپنا ہی نقصان کرتا ہے اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی امر و نہی، انذار و تبشیر اور نصیحت و تذکیر سے معمور ہے اور آپ کی حدیثوں میں یہ چیزیں یا قرآن ہی کی طرح یا اس سے مقدار میں کچھ زیادہ ہی ہیں۔

ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:-

اول چیزے کہ عقل آزاد و خود ش

پہلی چیز جس کو عقل اپنے ادب

---

[1] مقدمہ حجۃ اللہ البالغہ ص۲

www.ahlehaq.org

واجب میگردد آنست کہ تتبع اخبار آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم در بیان احکام الٰہی و پیروی آن اخبار بدل و جوارح باید نمود زیرا کہ کلام در شخصے است کہ تصدیق کردہ است بتکلیف اللہ تعالیٰ عباد خود را باحکام و قصد خروج از عہدۂ تکلیف مصمم ساختہ۔

واجب قرار دیتی ہے یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات و ارشادات کا تتبع کیا جائے کہ آپ نے احکام الٰہی کے بارے میں کیا ارشاد فرمایا اور کس طرح ان پر عمل کیا، پھر قلب و جوارح سے ان اقوال و احوال کی پیروی کی جائے اس لئے کہ ہماری گفتگو اس شخص کے بارے میں ہے جس نے یہ حقیقت تسلیم کرلی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنے احکام کا مکلف بنایا ہے اور اس شخص نے تکلیف شرعی کی اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کا عزم مصمم کرلیا ہے۔

ہندوستان میں علم حدیث سے بے اعتنائی کا شکوہ

شاہ صاحب کے لئے ہندوستان میں علم حدیث کے احیاء اور اشاعت و ترویج کا دوسرا محرک ہندوستان کی وہ صورت حال تھی جس کا ذکر کتاب کے باب دوم میں تفصیل سے

لے کلمات طیبات ص ۷۲، ۷۱

www.ahlehaq.org

گزر چکا ہے، دینی حلقوں پر بدعات، رسوم جاہلیت، غیر مسلموں کی تقلید اور غیر اسلامی شعائر اختیار کرنے کا دھواں چھایا ہوا تھا، جس کے اندر سے اصل اسلام کی صورت زیبا بمشکل نظر آتی تھی۔ علمی و درسی حلقوں پر یونان سے آئے ہوئے یونانی علوم جن کو وہ فنونِ دانشمندی کہتے تھے، اور علوم آلیہ اور فنون بلاغت اور علم کلام کا غلبہ تھا، اور دونوں حلقوں میں علوم شرعیہ بالخصوص علم حدیث بار نہیں پانے پاتا تھا، اگر علوم دینیہ کی طرف توجہ بھی ہوتی تھی تو صرف فقہ اور اصول فقہ اور ان کی موشگافیوں سے آگے نہیں بڑھنے پاتا تھا، اس صورت حال کو دیکھ کر شاہ صاحب بڑے تاثر اور شدت تاسف میں لکھتے ہیں:۔

"میں ان طالبانِ علم سے کہتا ہوں جو اپنے آپ کو علماء کہتے ہیں کہ اے اللہ کے بندو! تم یونانیوں کے علوم کے طلسم اور صرف و نحو و معانی کے دلدل میں پھنس کر رہ گئے، تم نے سمجھ لیا کہ علم اسی کا نام ہے، حالانکہ علم یا تو کتاب اللہ کی آیت محکم ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ثابتہ، تمہیں چاہئے تھا کہ تمہیں یہ یاد رہتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیسے نماز پڑھی، آپ کیسے وضو فرماتے تھے، قضائے حاجت کے لئے کس طرح جاتے تھے، کیسے روزہ رکھتے تھے، کیسے حج کرتے تھے، کیسے جہاد کرتے تھے، آپ کا انداز گفتگو کیا تھا، حفظ لسان کا طریقہ کیا تھا، آپ کے اخلاق عالیہ کیا تھے؟ تم آپ کے اسوہ پر چلو اور آپ کی سنت پر عمل کرو، اس بنا پر کہ وہ آپ کا طریق زندگی اور سنت نبوی ہے، اس بنا پر نہیں کہ وہ فرض و واجب ہے، تمہیں چاہئے تھا کہ تم دین کے احکام و مسائل سیکھو اور آپ کے سیر و سوانح اور صحابہؓ اور تابعین کی وہ حکایات جو آخرت کا شوق پیدا کریں تو وہ ایک نفلی چیز اور امر زائد ہے اس کے تقاضا میں

www.ahlehaq.org

تمہارے مشاغل اور جن باتوں پر تم پوری توجہ صرف کرتے ہو وہ آخرت کے علوم نہیں ہیں یا دنیاوی علوم ہیں۔

تم اپنے سے پہلے کے فقہاء کے اختلافات اور ان کی تفریعات میں غوطہ لگاتے ہو اور یہ نہیں جانتے کہ حکم وہ ہے جو اللہ اور اس کا رسول دے، تم میں کتنے آدمی ہیں جب ان کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی حدیث پہونچتی ہے تو اس پر عمل نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ہمارا عمل تو فلاں کے مذہب پر ہے حدیث پر نہیں ہے پھر تم نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ حدیث کا فہم اور اس کے مطابق فیصلہ کاملین اور ماہرین کا کام ہے، حضرات ائمہ سے یہ حدیث مخفی نہیں ہو سکتی پھر انھوں نے جو اس کو چھوڑا تو کسی وجہ سے جو ان پر منکشف ہوئی مثلاً نسخ یا مرجوحیت۔

یاد رکھو کہ اس کا دین سے کچھ تعلق نہیں، اگر تمہارا اپنے نبی پر ایمان ہے تو اس کی پیروی کرو، وہ تمہارے مذہب کے موافق ہو یا مخالف، خدا کی مرضی تو یہ تھی کہ تم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے ساتھ تشریع سے اشتغال کرتے، اگر ان دونوں پر عمل کرنا تمہارے لئے آسان ہو تو کیا کہنا اور اگر تمہارے فہم سے قاصر ہوں تو پھر کسی سابق عالم کے اجتہاد سے مدد لو اور جس کو زیادہ صحیح، صریح اور سنت کے موافق پاؤ اس کو اختیار کرو، علوم آلیہ سے اس ذہن کے ساتھ اشتغال کرو کہ وہ آلات و وسائل ہیں ان کی مستقل حیثیت اور مقصود کا درجہ نہیں، کیا خدا نے تمہارے اوپر یہ واجب نہیں کیا کہ تم علم کی اشاعت کرو، یہاں تک کہ مسلمانوں کے ملک میں شعائر اسلام

www.ahlehaq.org

ظاہر وغالب ہو، یا تم نے شعائر کا تو اظہار نہیں کیا، اور لوگوں کو زوائد میں مشغول کر دیا؟[1]

شاہ صاحب کو حدیث کے ذکر میں جو سرشاری کی کیفیت اور ائمہ حدیث کی ذات کے ساتھ جو گہری عقیدت تھی اس کا کچھ نمونہ اس مکتوب میں دیکھا جا سکتا ہے جو انھوں نے امام بخاریؒ کے مناقب میں اپنے ایک مسترشد کو لکھا ہے۔

خدمت و اشاعت حدیث کی سرگرمی

اوپر گزر چکا ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ جب اپنے استاذ و شیخ ابو طاہر مدنی سے رخصت ہونے لگے تو انھوں نے یہ شعر پڑھا ؎

نسیتُ کلّ طریقٍ کنتُ أعرفه　　إلّا طریقاً یؤدّینی لربعکم

(میں چلنے کا ہر راستہ بھول گیا سوائے اس راستے کے جو آپ کے گھر تک پہونچاتا ہے)

شاہ صاحبؒ نے بھی چلتے وقت فرمایا کہ "میں نے جو کچھ پڑھا تھا سب بھلا دیا سوائے علم دین حدیث کے"[2]

شاہ صاحب کی پوری زندگی اس کی تصدیق کرتی ہے کہ وہ حدیث شریف ہی کی تشریح و تفہیم، تدریس و تعلیم اور اشاعت و تعمیم میں مصروف رہے، بقول شاعر ؎

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

---

[1] تفہیمات الٰہیہ مطبوعہ المجلس العلمی ڈابھیل سورت ۱۳۵۵ھ حصہ اول ص ۲۱۲، ۲۱۳

[2] ملاحظہ ہو کلمات طیبات ص ۱۹۰ تا ۱۹۱

www.ahlehaq.org

ہندوستان واپس آ گئے، یہیں انھوں نے حدیث کی نشر و اشاعت کے لیے کیا کہ
بہت جلد ان کا مدرسہ جیسے ہندوستان کے طول و عرض میں حدیث کی سب سے بڑی درسگاہ
بن گئی، جہاں ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے تشنگانِ علم حدیث نے پروانہ وار ہجوم کیا،
ان مقامات میں سندھ اور کشمیر جیسے دور دراز مقامات بھی تھے، دہلی اور اس کے اطراف
اور شمالی ہند کا تو کچھ کہنا نہیں، مسند الہند حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے علاوہ کہ وہ
فرزند و جانشین اور شاہ صاحبؒ کے کاموں کی توسیع و تکمیل کرنے والے تھے، اس دور میں
حدیث سے فائدہ اٹھانے والے فخرِ ہندوستان علامہ سید مرتضیٰ بلگرامیؒ مشہور بہ زبیدی
(متوفی ۱۲۰۵ھ) صاحب تاج العروس شرح قاموس اور اتحاف السادۃ المتقین
شرح احیاء علوم الدین تھے، جن کے تبحر و تحدیث کی عالم عربی میں دھوم مچ گئی اور جن کی
مجلس قاہرہ میں سلاطین کے درباروں سے چشمک کرتی تھی، انھیں تلامذہ میں سے ممتاز وقت
قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (م ۱۲۲۵ھ) خلیفہ ارشد حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ،
و مصنف تفسیر مظہری و مالا بد منہ بھی تھے۔

ان میں سے ایک مولانا محمد معین (ٹھٹوی) دہلی آئے اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ سے حدیث کا درس لیا اور استفادہ
کیا، ان کی مشہور تصنیف "دراسات اللبیب فی الاسوۃ الحسنۃ بالحبیب" ہے جس میں شاہ صاحب کی
تحقیقات اور ذوق کا عکس صاف نظر آتا ہے، ۱۱۶۱ھ میں وفات ہوئی (ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر ج ۶)
شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے خاص تلامذہ اور ان کی تحقیقات و افادات کے ناقل و مبلغ خواجہ محمد امین کشمیری
(م ۱۱۸۷ھ) تھے جو محمد امین ولی اللہی کے نام سے مشہور ہیں، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ ان کے
شاگرد تھے، شاہ صاحبؒ ان کے لئے اپنے بعض رسائل بھی تصنیف فرمائے (ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر ج ۶)
ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر ج ۶۔

www.ahlehaq.org

اس طرح ہندوستان میں صدیوں کے بعد (غالباً پہلی مرتبہ) علم حدیث کا ایسا چرچا اور اس کی طرف ایسا رجوع ہوا کہ ہندوستان یمن کا ہمسر بن گیا، اور اس کے جانفزا جھونکے خود سرزمین حجاز تک پہنچے گئے[1]۔ نواب سید صدیق حسن خاں مرحوم نے شاہ صاحب کی خدمت واشاعت حدیث کی سرگرمیوں کو ذکر کرتے ہوئے عربی کے دو بلیغ شعر لکھے ہیں جو حقیقت حال کی صحیح تصویر ہیں ؎

عن زار بابك لم تبرح جوارحه ... تروي أحاديث ما أوليت من منن

فالعين عن قرة والكف عن صلة ... والقلب عن جابر والسمع عن حسن

(جو تیرے در دولت پر آیا اس کے اعضاء وجوارح تیرے احسانات کی روایت حدیث میں مشغول ہوگئے)

(آنکھ کہتی ہے کہ (قرّہ) سے مجھے ٹھنڈک ملی، ہاتھ کہتے ہیں کہ ہم (صلہ) سے مالا مال ہوئے، دل راوی ہے کہ اس کو (جابر) کے ذریعہ سکون کی دولت حاصل ہوئی، کانوں کی روایت ہے کہ وہ (حسن کی بدولت) اچھی اچھی باتوں سے معمور ہوئے)

لطف یہ ہے کہ ان اعضاء نے جن احسانات کا تذکرہ کیا ہے اور ان کے سلسلہ میں جن کے نام لئے ہیں وہ سب راویان حدیث اور شیوخ کاملین ہیں، مثلاً قرّہ بن خالد السدوسی، صلۃ بن اشیم العدوی، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور امام حسن بصریؒ۔

---

[1] اسی دور میں دہلی کے فضلاء اور شاہ صاحب کے تلامذہ کے تلامذہ شاہ محمد اسحاق صاحب دہلوی اور شاہ عبدالغنی صاحب مجددی نے حرمین شریفین میں خدمت و درس حدیث کی بنیاد ڈالی [illegible] عرب و عجم کو فیض پہنچایا، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر ج ۷۔

www.ahlehaq.org

شاہ صاحبؒ کی تصنیفی خدمات

شاہ صاحب نے حدیث اور علوم حدیث پر جو تصنیفات کیں ان کے نام حسب ذیل ہیں۔

۱۔ مصفّٰی (موطا امام مالکؒ کی فارسی شرح)

۲۔ مسوّٰی (موطا کی عربی شرح)

شاہ صاحبؒ فقہ حدیث اور درس حدیث کا جو طریقہ رائج کرنا چاہتے تھے یہ دونوں کتابیں اس کا نمونہ ہیں اور ان سے شاہ صاحبؒ کی علوم حدیث اور فقہ حدیث میں محققانہ اور مجتہدانہ شان کا اظہار ہوتا ہے، وہ موطا کو صحاح ستہ میں پہلے درجہ پر رکھتے تھے اور اس کو ان میں ابن ماجہ کی جگہ پر شمار کرتے تھے[1]۔ وہ موطا کے بے حد قائل اور اس کے ساتھ اعتناء کرنے اور اس کو درس حدیث میں اولیت دینے کے پرجوش داعی اور مبلغ تھے[2]۔

شاہ صاحبؒ اپنے وصیت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:-

چوں قدرت بزبان عربی یافت	جب عربی زبان پر قدرت حاصل
موطا بروایت یحیٰی بن یحیٰی مصمودی	ہو جائے موطا کے اس نسخہ کو جو
بخوانا نند وہرگز آن را معطل	یحیٰی بن یحیٰی مصمودی کی روایت
نگذارند کہ اصل علم حدیث	سے ہے پڑھائیں، ہرگز اس سے
ہست وخواندن آن فیضہا دارد	پہلو تہی نہ کریں کہ وہ علم حدیث کی

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مولانا عبید اللہ سندھی کا مقالہ "الفرقان" شاہ ولی اللہ نمبر صفحہ ۲۴۲-۲۴۸

[2] ملاحظہ ہو: مصفّٰی جزء ۱ الفائدۃ الثانیۃ فی درجۃ الموطا من بین کتب الحدیث

مقدمہ اوجز المسالک، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب صفحہ ۲۲-۲۳ مطبوعہ مطبع ندوۃ ۱۳۷۴ھ

www.ahlehaq.org

سماعِ صحیح آں مسلسل است[1]

افضل ہے اور اس کا پڑھنا بھی فیوض کا حامل ہے، ہم کو مکمل بخاری کی سماعت مسلسل طریقہ پر حاصل ہے۔

۳۔ شرح تراجم ابواب صحیح بخاری: صحیح بخاری کے تراجم و ابواب کی توجیہ ہر زمانہ میں درس بخاری کے سلسلہ کی دقیق ترین چیز سمجھی گئی ہے اور ہر زمانہ میں بخاری کے شارحین اور اساتذہ نے اس میں اپنی ذہانت اور دقیقہ سنجی کے نمونے پیش کئے ہیں، یہ رسالہ عربی میں ہے، پہلے ۱۳۲۳ھ میں دائرۃ المعارف حیدرآباد سے شائع ہوا، پھر اصح المطابع دہلی کے صحیح بخاری کے نسخے کے شروع میں بطور مقدمہ شامل کیا گیا۔[2]

۴۔ مجموعہ رسائل اربعہ: چار مختصر رسائل کا مجموعہ ہے جن میں "ارشاد الی مہمات الاسناد" اور "تراجم البخاری" (یہ شرح تراجم ابواب بخاری کے علاوہ ہے اور صرف ایک ورق پر ہے) شاہ صاحبؒ کی تصنیف ہیں۔

۵۔ الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین، النوادر من حدیث سید الاوائل والاواخر، اربعین: شاہ صاحبؒ نے اس فضیلت کے حصول کے لئے جو چالیس احادیث جمع کرنے کے بارے میں وارد ہوئی ہے اور مختلف زمانوں میں علماء نے اس پر عمل کیا ہے، یہ رسالہ تصنیف کیا، یہ احادیث عام طور پر بہت مختصر قلیل المبنیٰ کثیر المعنی ہیں اور رسالہ اس قابل ہے کہ زبانی یاد کیا جائے اور نصاب میں داخل کیا جائے۔

---

[1] وصیت نامہ فارسی ص۱

[2] شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری (م ۱۴۰۲ھ) کے رسالہ "تراجم ابواب بخاری" میں بھی وہ شامل ہے۔

www.ahlehaq.org

٣۔ متعلقات۔

وہ کتابیں جو براہ راست فنِ حدیث پر نہیں ہیں، مگر ان کا بالواسطہ حدیث سے تعلق ہے اور وہ مقدمات علم حدیث کے طور پر پڑھی جانی چاہئیں، اور ان سے شاہ صاحب کی علم حدیث پر گہری نظر، فقہ و حدیث میں تطبیق اور مذاہب کے بارے میں انصاف و وسعتِ قلب، طبقات محدثین اور طبقات کتب حدیث کے بارے میں ان کی وسیع نظر اور عمومی طور پر ان کے اس توازن و اعتدال کا اندازہ ہوتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو نوازا تھا۔ یہ کتابیں حسب ذیل ہیں:۔

١۔ الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف:

"حجۃ اللہ البالغہ" میں "تتمہ" کے عنوان سے چند صفحات و مضامین ہیں جو صفحہ ١٤٣ سے ١٦٢ تک پھیلے ہوئے ہیں۔[1] یہ تتمہ چار ابواب پر مشتمل ہے، ناشر کی تحقیق ہے کہ یہ تتمہ صرف ایک ہی نسخہ میں پایا گیا، اس باب کے آخر میں شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"میں نے ایک مستقل کتاب کی تالیف کا عزم کیا جس کا نام "غایۃ الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف" رکھوں گا اور اس میں تفصیل سے اسباب اختلاف پر بحث اور اس کے شواہد و امثال بھی پیش کروں گا، لیکن اس وقت تک اس کام کے لئے فرصت نہیں ملی، جب اس کتاب (حجۃ اللہ البالغہ) میں اس مقام تک بحث پہونچی تو میں نے مناسب سمجھا کہ جو کچھ اس وقت ذہن میں ہے اور اس کا قلم بند کرنا آسان ہے، اس کو پیش کردوں۔"[2]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں شاہ صاحب کو اس کا موقع ملا اور حجۃ اللہ کے

---

[1] نسخہ مکتبہ سلفیہ لاہور [2] حجۃ اللہ البالغہ ص ١٦٢ (سلفیہ)

www.ahlehaq.org

اس مضمون کو لے کر کچھ اضافوں کے ساتھ علیحدہ رسالہ میں "الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف" کے نام سے مکمل کر دیا، اس لئے اس رسالہ اور حجۃ اللہ کے تحریروں میں کہیں کہیں اختلاف اور خفیف حذف و اضافہ نظر آتا ہے۔

یہ رسالہ الانصاف (جو اپنے موضوع پر منفرد ہے) ہندوستان اور بیرون ہند میں کئی مرتبہ شائع ہوا جن میں کہیں کہیں الفاظ کا اختلاف پایا جاتا تھا۔ ۱۳۸۵ھ میں "شرکۃ المطبوعات العلمیہ" مصر کی طرف سے پہلی مرتبہ اور "مکتبۃ المنصورۃ" مصر کی طرف سے دوسری مرتبہ رسالہ عربی ٹائپ میں شائع ہوا۔ اس وقت ہمارے سامنے "دار النفائس" بیروت کا عمدہ ٹائپ کا چھپا ہوا نسخہ ہے جو چھوٹے سائز کے ایک سو گیارہ صفحات میں آیا ہے، عصر حاضر کے محدث جلیل شیخ عبد الفتاح ابو غدہ نے اس کے مقابلہ اور تصحیح کی خدمت انجام دی اور اس پر حواشی کا اضافہ کیا۔

۳۔ عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید۔

۴۔ حجۃ اللہ البالغۃ کا المبحث السابع۔[1]

درحقیقت حجۃ اللہ البالغہ کے پہلے حصہ کے "القسم الثانی فی بیان اسرار ما جاء عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تفصیلاً" سے لے کر دوسرے جز کے آخری حصہ "الفتن والمناقب" تک حدیث ہی کی حکیمانہ اور متکلمانہ تشریح اور اس کے اسرار و حکم اور اس کی عملی تطبیق کی وہ مجتہدانہ کوشش ہے جو شاہ صاحب ہی کا حصہ تھا، اور جس میں ان کو سبقت و اولیت حاصل ہے، افسوس ہے کہ حجۃ اللہ البالغہ کا مطالعہ کرنے والے اور اس کا درس دینے والے بھی (علی أحد قول قلیل) اس حصہ کو غیر اہم سمجھ کر

[1] حجۃ اللہ البالغہ از صفحہ [illegible]

www.ahlehaq.org

نظر انداز کر دیتے ہیں۔

تطبیق بین الفقہ والحدیث

عرصہ سے عالم اسلام کے بہت سے علمی، تدریسی اور تصنیفی حلقوں میں فقہ و حدیث کے دو متوازی سلسلے چلے آ رہے تھے جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ پر (جب اس کا احیاء ہوا تھا) دوسرے سے مستغنی و بے نیاز ہو کر اپنا سفر طے کر رہا تھا، اور اکثر اوقات ایک دوسرے سے جدا ہو کر پھر وہ کسی نقطہ پر جا کر ہمکنار نہیں ہوتے تھے، بہت سے فقہی حلقوں میں حدیث اسی وقت زیر بحث آتی جب مسئلہ کی تائید اور دوسرے مذہب فقہی کے نکتہ چینوں کے اس اعتراض کو دفع کرنا ہوتا کہ یہ مسئلہ حدیث کے خلاف ہے، یا دوسرے مذہب پر اس کی ترجیح ثابت کرنی ہوتی، صحاح کے درس میں یا تو ان احادیث کی تاویل کی جاتی جو اپنے مذہب کے خلاف پڑتیں یا دوسری کتابوں کی ان احادیث کو پیش کیا جاتا جو اپنے مذہب کی تائید میں ہیں، اگر کسی مذہب فقہی کی کسی مستند و معیاری کتاب میں احادیث سے استدلال کیا گیا ہے تو بعض اوقات اس مذہب کے ان علماء نے جن کی فن حدیث پر وسیع نظر تھی اور محدثانہ ذوق رکھتے تھے ان احادیث کی تخریج کی کوشش کی ہے اور ان پر محدثانہ کلام کیا ہے جن سے اس کتاب میں استدلال کیا گیا ہے[1]، تو یہ سعی محمود بھی اس مذہب فقہی کی تائید و نصرت اور اس کو مطابق حدیث ثابت کرنے کا ایک طریقہ اور اس مذہب کی ایک عالمانہ اور محققانہ خدمت تھی جو قابل قدر اور مستحق شکر ہے، نفس مسائل پر نظر ثانی کرنے اور فقہ و حدیث میں تطبیق کی کوشش نہیں تھی۔

---

[1] اس کی ایک روشن مثال علامہ زیلعی کی کتاب نصب الرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ ہے۔

www.ahlehaq.org

مذاہب فقہیہ کے کچھ ایسے آہنی سانچے بن گئے تھے جن کا ٹوٹ جانا تو ممکن تھا پھیلنا ممکن نہیں تھا، ہر مذہب کے پیرو اپنے مذہب کے متعلق یہ خیال قائم کئے ہوئے تھے کہ ان کے مذہب کا سو فیصدی صحیح ہونا تو اصل حقیقت ہے باقی بشریت کی بناء پر غلطی کا امکان ضرور ہے، کسی نے اس طرز فکر کو بڑے بلیغ انداز میں اس جملہ سے ادا کیا ہے "مذہبنا صواب یحتمل الخطاء ومذہب غیرنا خطاء یحتمل الصواب" (ہمارا مذہب اصل میں تو درست اور حق ہے خطا کا احتمال ہے اور دوسرے کا مذہب (حقیقتاً) اصلاً ناصواب ہے، صحت کا احتمال ہے) اس طرز فکر کا نتیجہ یہ تھا کہ مذاہب اربعہ (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) کے درمیان (جن کو امت نے عام طور پر پسند قبول عطا کی اور جن کے متعلق اہل حق و اہل علم کے درمیان شروع سے یہ اصولی طور پر تسلیم کیا جاتا رہا ہے کہ حق ان میں دائر ہے، ان کے بانی اور مؤسس ائمۃ الہدیٰ اور راست کے پیشوا تھے) اور یہ مذاہب حقانی ہیں) خلیج روز بروز وسیع اور وسیع ہوتی چلی جا رہی تھی، ان پر عمل کرنے والوں کے درمیان اختلاف منافرت تک اور بحث و مناظرہ بعض اوقات مجادلہ و مقاتلہ تک پہنچ جاتا تھا اس سے زیادہ سخت معاملہ ان اہل علم کے ساتھ ہوتا تھا

جو یعنی اس مذہب کو ترک کر کے دوسرے مذہب کو اختیار کر لیتے، حنفیت سے شافعیت یا بالعکس یا اہل حدیث کا مسلک اختیار کر لینے کی مثالیں ہر زمانہ میں ملیں گی لیکن ایک ہی مذہب کے دائرہ میں رہ کر بعض مسائل سے جزوی طور پر عدول اور کسی دوسرے مذہب کے مسئلہ کو اختیار کر لینے یا کسی مسئلہ میں حدیث پر عمل کرنے کی مثالیں بہت کم ملیں گی، اس لئے کہ بہت سے حضرات کے نزدیک "تجزی" تقلید صحیح نہیں یعنی کسی مذہب امام کا مقلد کسی مسئلہ میں بھی اگر دوسرے مذہب امام کی تقلید یا حدیث کے مسئلہ پر عمل کرے تو وہ اپنے امام کی تقلید کے دائرہ سے خارج ہو جاتا ہے.

www.ahlehaq.org

جو کلی یا جزئی طور پر عبادات میں حدیث پر عمل شروع کر دیتے تھے۔ اس کی ایک مثال اسی بارہویں صدی کے ایک سلفی عالم و محدث مولانا شیخ محمد فاخر زائر الٰہ آبادی (۱۱۲۰ھ – ۱۱۶۴ھ) ہیں جو (بعض مصنفین کی روایت کے مطابق) اپنے اتباع حدیث و سلفیت کی وجہ سے عوام کی ناراضگی کا نشانہ بنے۔[1]

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے تجدیدی کارناموں میں ایک کارنامہ اور خدمت حدیث اور انتصار للسنۃ ہی کے سلسلہ زریں کی ایک اہم کڑی ان کی فقہ و حدیث میں تطبیق کی اور پھر مذاہب اربعہ میں جمع و تالیف کی کوشش تھی۔ اس سے اس بشارت نبوی کی تصدیق ہوتی ہے جس میں کہا گیا تھا کہ تم سے خدا اس امت کی شیرازہ بندی کے ایک خاص ذریعہ کا کام لے گا۔[2]

جہاں تک ہندوستان کے تعلیمی نظام کا تعلق ہے اس میں اس طرز فکر اور جمع و تطبیق کی اس کوشش کا سراغ نہیں ملتا اور اس کے تاریخی و علمی اسباب ہیں۔ یہ تعلیمی نظام شروع سے ان فاتحین اور بانیان سلطنت کے زیر نگین رہا جو یا ترکی النسل تھے یا افغانی النسل، اور یہ دونوں قومیں تقریباً اپنے اسلام قبول کرنے کے زمانہ سے مذہب حنفی کی حلقہ بگوش بلکہ اس کی حمایت اور نشر و اشاعت میں سرگرم اور پُرجوش رہیں۔ یہاں اسلام کی تقریباً آٹھ سو سال کی تاریخ میں مذہب مالکی اور مذہب حنبلی کو تو قدم ہی رکھنے کا موقع نہیں ملا۔ شافعی مذہب سواحل تک محدود رہا یا جنوبی ہند مدراس اور شمالی کنارے (موجودہ کرناٹک کے) بعض حصوں بھٹکل وغیرہ اور کیرالا میں محدود رہا۔ ان میں بھی مالابار (قدیم ملیبار) و ماہیر کو مستثنیٰ کر کے جہاں زیادہ تر شافعی مسلک کے داعیان اسلام، تجار، مشائخ اور فقیہ و عالم آئے، شیخ مخدوم

[1] شیخ محمد فاخر الٰہ آبادی کے تذکرہ کے لیے ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر ج ۶ [2] فیض الباری ج ۱ ص ۲۲

www.ahlehaq.org

فقیہ علی مہائمی (م ۸۳۵ھ) صاحب تفسیر تبصیر الرحمان و تیسیر المنان اور مالابار کے شیخ مخدوم اسماعیل فقیہ العسکری الصدیقی (م ۸۳۵ھ) نیز مخدوم شیخ زین الدین ملیباری (م ۹۲۸ھ) صاحب فتح المعین کے علاوہ جو اپنے مخصوص علم میں اس پایہ کے شافعی فقیہ و محدث نہیں پیدا ہوئے[1] جو ہندوستانی (بالخصوص شمالی ہند کے) علمی حلقوں پر گہرا اثر ڈالتے اور علماء احناف کو فقہ شافعی پر بھی نظر ڈالنے اور اس سے استفادہ پر آمادہ کرتے، ہندوستان سے جو علماء اور طالبان علم حدیث و فقہ حجاز جاتے (جو ترکی سلطنت کے زیر انتظام تھا اور ترک جو عہد میں سو فیصدی حنفی اور حنفی رہے ہیں) وہ بھی زیادہ تر اپنے ہی مذہب کے علماء اور خصوصیت کے ساتھ اپنے ہم وطن اساتذۂ فقہ و حدیث سے رابطہ رکھتے، جو یہاں ہندوستان یا افغانستان سے ہجرت کر کے چلے گئے تھے اور ان کے شاگردوں کا بڑا حلقہ تھا[2]۔

شاہ ولی اللہ صاحب پہلے شخص تھے جن کا حرمین شریفین میں اصل تلمذ اور استفادہ ایک جلیل القدر شافعی محدث شیخ ابو طاہر کردی مدنی سے تھا، وہ ان کے علم، ان کی شخصیت اور ان کے باطنی کمالات، وسعت نظر اور وسعت قلب سے بھی متاثر ہوئے۔ شاہ صاحب نے انسان العین میں اپنے جن مشائخ حرمین کا تعارف کرایا ہے ان میں صرف ایک شیخ تاج الدین قلعی حنفی عالم و محدث تھے، ان مشائخ میں شیخ محمد وفد اللہ بن شیخ محمد بن محمد بن سلیمان مالکی المذہب تھے، جس دور میں شاہ صاحب نے حرمین میں قیام کیا ہے، اس دور میں حجاز کی علمی قیادت اور تعلیم و تدریس کے میدان (بالخصوص فن حدیث کی تعلیم) کی سربراہی اور پیشوائی علماء و محدثین یمن یا کردی الاصل علماء

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب "عرب و دیار ہند" تالیف مولانا خواجہ بہاء الدین اکرمی ندوی بھٹکلی۔

[2] مثلاً علامہ شیخ علی متقی برہانپوری صاحب کنز العمال، علامہ قطب الدین نہروالی، ملا علی قاری ہروی مکی، شیخ عبدالوہاب متقی اور شیخ محمد حیات سندی وغیرہ۔

www.ahlehaq.org

کے ہاتھوں میں تھی، اور وہ بالعموم شافعی تھے۔ ان تمام اسباب کی بناء پر شاہ صاحب کو فقہ شافعی کے اصول و قواعد، اس کی خصوصیات اور بعض ما بہ الامتیاز چیزوں سے واقف ہونے کا پورا موقع ملا اور اسی طرح فقہ مالکی اور فقہ حنبلی سے بھی باخبر ہونے کا وہ موقع ملا جو علمائے ہندوستان کو طویل عرصہ سے (تاریخی، جغرافیائی، سیاسی اور تمدنی اسباب کی بناء پر) میسر نہیں آیا تھا، اور اس طرح مذاہب اربعہ کا تقابلی مطالعہ (الفقہ المقارن) ان کے لئے ممکن اور آسان ہوا، جو ان علماء کے لئے دشوار تھا جن کو یہ مواقع حاصل نہیں ہوئے تھے۔

شاہ صاحب ۱۱۴۳ھ میں تیس سال کی عمر میں جب وہ تقریباً بارہ سال ہندوستان میں درس دے چکے تھے عازم حجاز ہوئے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی طبیعت میں فطری طور پر جو جامعیت نظر و قلب میں وسعت اور فطرتاً تطبیقی ذوق اور حضرت رومیؒ کی اس وصیت پر عمل کرنے کا فطری رجحان پیدا کیا تھا کہ ؎

تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی

اس کی بناء پر سفر حجاز سے پہلے ہی ان کے اندر تطبیق بین الفقہ والحدیث کا جذبہ اور فقہائے محدثین کے مسلک کو ترجیح دینے اور اس کو اپنی زندگی کا وتیرہ بنانے کا عزم پیدا کر دیا گیا تھا۔ "الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف" میں خود تحریر فرماتے ہیں:۔

بعد ملاحظۂ کتب مذاہب اربعہ	مذاہب اربعہ اور ان کے اصول فقہ
و اصول فقہ ایشاں و احادیثے کہ	کی کتابوں کے مطالعہ اور ان احادیث
متمسک ایشان است قرار داد	سے وہ استدلال کرتے ہیں ان پر غور
خاطر بمدد نور غیبی روش فقہائے محدثین	و فکر کرنے کے بعد طبیعت میں فقہائے محدثین

www.ahlehaq.org

افتاد بعد ازاں شوق زیارت حرمین محترمین دو دیگر افتاد۔	کی روش کی پسندیدگی قرار پذیر ہوئی، اس میں نرمی کی حد بھی شامل تھی، اس کے بعد حرمین محترمین کی زیارت کا شوق دامن گیر ہوا۔

شاہ صاحب نے غالی فقہاء (جو اپنے مذہب سے سرمو انحراف کرنے کے لئے تیار نہیں) اور فرقہ ظاہریہ (جو مطلقاً فقہ کا منکر اور ان فقہاء کی شان میں سب وشتم کرتا ہے جو صالحین امت کے سرتاج اور اہل دین کے امام و پیشوا ہیں) کی روش پر سخت تنقید کی ہے اور دونوں کے غلو اور انتہا پسندی کو ناپسند کیا ہے اور صاف لکھا ہے کہ "إنّ الحقّ أمر بين بينه" معاملہ بین بین ہے نہ پہلا فریق تنقیص کا قائل ہے نہ دوسرا فریق۔

شاہ صاحب اپنی معرکۃ الآراء کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"ایک طرف کلام فقہاء پر تخریج، دوسری طرف احادیث کے الفاظ کا تتبع، ان کی دین میں ایک محکم اصل موجود ہے اور ہر زمانہ کے علمائے محققین ان دونوں اصولوں پر عمل کرتے رہے ہیں، بعض ایسے ہیں جن کا تخریج کے بارے میں قدم پیچھے اور حدیث کے الفاظ کے تتبع میں قدم آگے ہے اور بعض اس کے برعکس، ان میں سے کسی ایک اصول کو بھی مطلقاً صرف نظر نا مناسب نہیں جیسا کہ فریقین کے عوام کا شیوہ ہے اس بارے میں صراط مستقیم یہی ہے کہ دونوں کے درمیان تطبیق کی کوشش کی جائے اور ایک کی کمی دوسرے سے پوری کی جائے اور یہی امام حسن بصریؒ کا قول ہے۔"[2]

۱؎ الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف مجموعہ رسائل فارسی مطبع مجتبائی ۱۳۰۷ھ ۲؎ حجۃ اللہ البالغۃ جزء اول، تفصیل کے لئے پوری بحث "حکایۃ حال الناس قبل المائۃ الرابعۃ وبعدها" میں دیکھی جائے۔

www.ahlehaq.org

اپنے فارسی وصیت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

در فروع پیروی علماء محدثین کہ جامع باشند میان فقہ و حدیث کردن و دائماً تفریعات فقہیہ را بر کتاب و سنت عرض نمودن۔

مسائل فروعی میں ایسے علماء محدثین کی پیروی کرنی چاہئے جو فقہ و حدیث دونوں کے عالم ہوں، مسائل فقہیہ کو کلام اللہ اور حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاتے رہنا چاہئے۔

آگے تحریر فرماتے ہیں۔

امت را ہیچ وقت از عرض مجتہدات بر کتاب و سنت استغناء حاصل نیست۔[1]

امت کے لئے قیاسی مسائل کا کلام اللہ اور حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تقابل کرتے رہنا ضروری ہے امت سے کبھی بے نیازی نہیں ہو سکتی۔

شاہ صاحب کا سارا علمی نشوونما فقہ حنفی و اصول فقہ حنفی کے ماحول میں ہوا تھا، اور وہ مذہب حنفی کی خصوصیات سے اتنا ہی واقف اور ان کے اتنا ہی قائل تھے جتنا کوئی بڑے سے بڑا حنفی عالم ہو سکتا ہے، وہ اس حقیقت سے واقف تھے اور جا بجا اس کا اظہار کرتے ہیں کہ مختلف تاریخی، علمی و سیاسی و تمدنی اسباب کی بنا پر جتنی فقہ حنفی (نیز فقہ شافعی) کی خدمت ہوئی ہے اور ان کی نوک پلک درست کی گئی ہے ان کے متون کی شرح اور اصول کی تخریج کی گئی

[1] وصیت نامہ فارسی ص ۲

ا کسی دوسرے مذہب کے سلسلہ میں پیش نہیں آیا وہ امام ابو حنیفہؒ کے متعلق لکھتے ہیں۔

کان عظیمہم شاناً فی التخریج علی	امام ابو حنیفہ کا مرتبہ ابراہیم نخعی اور
مذہب ابراہیم واقرانہ	ان کے ہم مرتبہ علماء کے مذہب پر
دقیق النظر فی وجوہ التخریجات	اجتہاد و استنباط کے سلسلہ میں بہت
مقبلاً علی الفروع اتم اقبال۔[1]	بلند تھا ان تخریجات کے وجوہ کا ان
	میں وہ بڑی دقت نظر رکھتے تھے مسائل
	جزئیہ اور فروع کے استخراج میں ان کا
	انہماک بہت بڑھا ہوا تھا۔

لیکن اس کے ساتھ وہ امام مالکؒ کی عظمت اور خاص طور پر مؤطا کی صحت اس کے رتبہ و مقام اور اس کی برکت کے نہ صرف قائل بلکہ داعی ہیں، اور اس کو حدیث کی اساسی کتاب مانتے ہیں[2]، دوسری طرف مذہب شافعی کے منقح و مصفّٰی اور حدیث سے اقرب ہونے کا ذکر بلند الفاظ میں کرتے ہیں اور امام شافعی کی دقیق النظری کے بڑے قائل ہیں۔[3]

پھر اس کے ساتھ امام احمد بن حنبلؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں۔

وکان اعظمہم شاناً واوسعہم	ان فقہاء و محدثین میں سب سے اعلیٰ مرتبہ
روایۃً واعرفہم للحدیث مرتبۃً	وسیع الروایۃ حدیث سے باخبر اور
واعمقہم فقہاً احمد بن حنبل	تفقہ میں عمیق النظر امام احمد بن حنبل
ثم اسحاق بن راہویہ۔[4]	پھر اسحاق بن راہویہ ہیں۔

---

۱ الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف طبع دار النفائس بیروت ص ۳۸ ۲ ملاحظہ ہو مقدمہ مصفّٰی۔

۳ ملاحظہ ہو الخیر الکثیر ص ۱۱۵ و کتاب قرۃ العینین ص ۳۶ ۴ حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۵۲

www.ahlehaq.org

ان ائمہ اربعہ کے علوِ شان، وسعتِ علم، دقتِ نظر اور امت پر احسان سے (ان کتابوں اور تاریخ و تراجم کے ذریعہ) براہِ راست واقفیت اور ان سے دلی عقیدت کی بناء پر شاہ صاحب میں وہ جامعیت اور فقہ و حدیث کے تقابلی مطالعہ میں وہ توازن و اعتدال پیدا ہو گیا جس کی قدرۃً ان علماء و مصنفین سے توقع نہیں کی جا سکتی جن کا مطالعہ اور ذہنی وابستگی ایک ہی مذہب فقہی اور اس کے بانی و مؤسس سے تھی، اور ان کو اس دائرہ سے باہر نکلنے کی بہت طبعی و شخصی اسباب کی بناء پر) نوبت نہیں آتی۔

اجتہاد و تقلید کے درمیان نقطۂ اعتدال

حضرت شاہ صاحب کے ان وہبی کمالات اور تجدیدی امتیازات میں سے جن سے اللہ تعالیٰ نے ان کو خاص طور پر نوازا تھا، وہ متوازن و معتدل مسلک اور وہ نقطۂ اعتدال ہے جو انھوں نے اجتہاد و تقلید کے درمیان اختیار کیا، اور جو ان کی طبع سلیم، ذوقِ صحیح اور واقعیت پسندی کا بہترین مظہر ہے۔ ایک طرف وہ لوگ تھے جو ہر مسلمان کو خواہ عامی ہو یا خاص براہِ راست کتاب و سنت پر عمل کرنے اور ہر معاملہ میں وہیں سے احکام حاصل کرنے کا مکلف قرار دیتے تھے، اور تقلید کی مطلق حرمت کے قائل تھے، اگر ان کے کلام میں اس کی صراحت نہیں ملتی تو ان کے طرزِ عمل اور ان کی تحریروں سے قدرتی طور پر یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے، اس گروہ میں نمایاں میں علامہ ابن حزمؒ پیش پیش نظر آتے ہیں، لیکن یہ بالکل ایک غیر عملی بات ہے اور اس کا ہر مسلمان کو مکلف قرار دینا تکلیف مالا یطاق ہے۔

دوسری طرف وہ گروہ تھا جو تقلید کو اسی طرح ہر مسلمان پر واجب قرار دیتا تھا اور اس کے تارک کو سخت فقہی احکام "فاسق" اور "ضال" سے یاد کرتا تھا جیسا کہ پہلا گروہ مقلدین

www.ahlehaq.org

اور کسی خاص مذہب فقہی کے متبعین کو یہ گروہ اس حقیقت کو بھول جاتا تھا کہ تقلید عوام کو نفسانیت اور خود رائی سے بچانے، مسلم معاشرہ کو انتشار اور فوضویت (انارکی) سے محفوظ رکھنے، دینی زندگی میں وحدت و نظم پیدا کرنے اور احکام شریعت پر بسہولت عمل کرنے کا موقع دینے کی ایک انتظامی تدبیر ہے، لیکن انھوں نے اس انتظامی عمل کو تشریعی عمل کا درجہ دے دیا، اور اس پر اس شدت سے اصرار کیا جس نے اس کو ایک مذہب فقہی اور مسئلہ اجتہادی کے بجائے منصوص اور قطعی عمل اور مستقل دین کا درجہ دے دیا۔

شاہ صاحبؒ نے اس بارے میں جو مسلک اختیار کیا اور اس کی جو تعبیر کی وہ روح شریعت سے قریب تر، قرن اول کے عمل سے زیادہ ہم آہنگ، فطرت انسانی سے زیادہ مطابق اور عملی زندگی سے سازگار ہے، اس سلسلہ میں شاہ صاحبؒ چوتھی صدی ہجری سے پیشتر کے طرز عمل کا ذکر کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ لوگوں کو اپنی دینی زندگی میں عبادات و معاملات میں جو نئے نئے مسائل و مشکلات پیش آتے تھے ان کو وہ کس طرح حل کرتے تھے اور اس سلسلہ میں وہ کیا راستہ اختیار کرتے تھے "حجۃ اللہ البالغۃ" کے باب "حکایۃ حال الناس قبل المائۃ الرابعۃ وبعدھا" (چوتھی صدی ہجری سے پیشتر اور اس کے بعد کے لوگوں کا مسائل دینیہ کی تحقیق و عمل کے بارے میں کیا طرز عمل تھا؟) میں تحریر فرماتے ہیں:۔

قرون اولیٰ میں مسلمانوں کا طرز عمل

"معلوم ہونا چاہئے کہ چوتھی صدی سے قبل کے لوگ کسی ایک معین مذہب (فقہی) کی پابندی اور اس کی مکمل تقلید پر اجماع کئے ہوئے نہیں تھے، ابو طالب مکی (اپنی مشہور کتاب) قوت القلوب میں لکھتے ہیں: کہ تصنیفی انداز کی کتابیں اور

www.ahlehaq.org

فقہی مسائل کے مجموعے) اس زمانہ کے بعد کی باتیں ہیں لوگوں کی کبھی بھی بات کا کہنا کسی ایک مذہب پر فتویٰ دینا، اس کے قول کو دستور العمل بنا لینا اور اسی کو نقل کرنا اور اسی مذہب کے اصولوں اور بنیادوں پر تفقہ کا پہلی اور دوسری صدی میں وجود نہیں تھا۔

میں اس میں اضافہ کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ دو ابتدائی صدیوں کے بعد تخریج کا کسی قدر سلسلہ شروع ہوا لیکن یہ بات مسلّم ہے کہ چوتھی صدی کے لوگ ایک ہی مذہب کے دائرہ میں رہ کر تقلید خالص کے پابند اور اسی کے مطابق مسائل و احکام میں تفقہ اور اسی مذہب کے تحقیقات و اجتہادات کی نقل و روایت کے عادی نہیں تھے جیسا کہ تتبع سے معلوم ہوتا ہے۔

امت اور (مسلم معاشرہ) میں دو طبقے تھے ایک علماء کا ایک عوام کا۔

عوام کا تو قصہ یہ ہے کہ وہ ان اجماعی مسائل میں جن میں مسلمانوں یا جمہور مجتہدین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے، وہ صرف صاحب شریعت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تقلید کرتے تھے، وہ وضو، غسل کرنے اور نماز و زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ اور اسی طرح کی عبادات و فرائض اپنے والدین یا اپنے شہر کے استادوں عالموں سے اخذ کرتے تھے اور اسی کے مطابق عمل کرتے تھے اور اگر کوئی نئی بات پیش آتی تو اس کے بارے میں کسی مفتی سے بھی جس تک ان کی رسائی ہوتی تھی، کسی خاص مذہب کے تعین کے بغیر رجوع کر لیتے تھے اور اس سے مسئلہ پوچھ لیتے تھے۔

جہاں تک خواص کا تعلق ہے ان کا معاملہ یہ تھا کہ جن کا فن حدیث تھا، وہ حدیث سے اشتغال رکھتے تھے، ان کو احادیث نبویہ اور آثار صحابہ کا اتنا ذخیرہ

www.ahlehaq.org

ہو جاتا تھا کہ اس کی موجودگی میں ان کو اس مسئلہ میں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں پڑتی تھی ان کے پاس کوئی مرفوع ایسی حدیث بدرجہ شہرت استفاضہ یا صحت کو پہنچی ہوتی تھی، یا صحیح حدیث ہوتی تھی، موجود تھی جس پر فقہاء اور علمائے کبار میں کسی نے عمل کیا ہوتا تھا، اور کسی کے پاس اس کو ترک کرنے کا کوئی معقول عذر نہیں ہوتا تھا، یا جمہور صحابہؓ اور تابعین کے پے در پے ایک دوسرے کی تائید کرنے والے اقوال ان کے پاس ہوتے تھے جن سے اختلاف کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی تھی، اگر ان میں سے کسی کو مسئلہ میں کوئی ایسی چیز نہ ملتی جس سے اس کا قلب مطمئن ہوتا، نقول کے تعارض یا ترجیح کے اسباب کے عدم وضاحت کی وجہ سے یا کسی اور معقول سبب سے تو پھر وہ اپنے پیشرو فقہاء اور علماء کے کلام کی طرف رجوع کرتا تھا، اگر اس کے بارے میں اس کو دو قول ملتے تو ان میں سے وہ اس کو اختیار کر لیتا جو زیادہ قوی اور مدلل ہوتا، جیسے یہ قول علمائے مدینہ کا ہوتا یا علمائے کوفہ کا، جو تخریج (اجتہاد و استنباط) کی اہلیت رکھتے تھے وہ ایسے مسئلہ میں جس میں ان کو کوئی صراحت نہیں ملتی تھی تخریج و اجتہاد سے کام لیتے تھے، یہ لوگ اپنے اساتذہ یا اہل گروہ کی طرف منسوب کئے جاتے تھے مثلاً کہا جاتا تھا کہ فلاں شافعی ہے، فلاں حنفی، علمائے حدیث میں بھی جو کسی مذہب سے زیادہ اتفاق کرتا تھا اس کی طرف منسوب ہو جاتا تھا مثلاً نسائی اور بیہقی کی نسبت امام شافعیؒ کی طرف کی جاتی تھی، اس زمانہ میں قضاء و افتاء پر اسی کا تقرر کیا جاتا تھا جس میں اجتہاد کی صلاحیت ہوتی تھی فقیہ وہی کہلاتا جو مجتہد ہوتا، پھر ان صدیوں کے بعد دوسری طرح کے لوگ

www.ahlehaq.org

پیدا ہو گئے جنھوں نے چپ و راست کا راستہ اختیار کیا۔[۱]

تقلید کی جائز اور فطری شکل

شاہ صاحب نہایت انصاف اور حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے ایسے شخص کو تقلید کے بارے میں معذور سمجھتے ہیں جو کسی مذہب فقہی یا معین امام کا مقلد تو ضرور ہے لیکن اس کی نیت بعض صاحب شریعت کی پیروی اور اتباع نبوی ہے لیکن وہ اپنے اندر اس کی اہلیت نہیں پاتا کہ وہ حکم شرعی اور جو چیز کتاب و سنت سے ثابت ہے اس تک براہ راست پہونچ جائے اس کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں مثلاً وہ عامی شخص ہے یا اس کے پاس براہ راست تحقیق کرنے کے لئے وقت و فرصت نہیں، یا ایسے وسائل (علم و تحقیق) حاصل نہیں جن سے وہ نصوص کا خود پتہ چلا لے یا ان سے مسئلہ استنباط کرے، شاہ صاحب علامہ ابن حزم کا یہ قول نقل کرنے کے بعد کہ تقلید حرام ہے اور کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی کے قول کو بلا دلیل قبول کرے تحریر فرماتے ہیں :

"ابن حزم کے قول کا مصداق وہ شخص نہیں جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول کے علاوہ کسی کو اپنے لئے واجب الاطاعت نہیں سمجھتا، وہ حلال اسی کو گردانتا ہے جس کو اللہ اور اس کے رسولؐ نے حلال کیا، اور حرام اسی کو مانتا ہے جس کو اللہ اور اس کے رسولؐ نے حرام کیا، لیکن چونکہ اس کو براہ راست آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و احوال کا علم حاصل نہیں اور وہ آپ کے مختلف اقوال میں تطبیق دینے کی صلاحیت اور آپ کے کلام سے

---

[۱] حجۃ اللہ البالغۃ ص ۱۵۴-۱۵۵ ج ۱

www.ahlehaq.org

مسائل استنباط کرنے کی قدرت نہیں رکھتا، وہ کسی خدا ترس عالم کا دامن پکڑ لیتا ہے، یہ سمجھتے ہوئے کہ وہ صحیح بات کہتا ہے اور اگر مسئلہ بیان کرتا ہے تو صرف وہ محض سنت نبوی کا پیرو اور ترجمان ہوتا ہے، جیسے ہی اس کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا یہ خیال صحیح نہیں تھا اسی وقت وہ بغیر کسی بحث و اصرار کے اس کا دامن چھوڑ دیتا ہے، بھلا ایسے آدمی کو کوئی کیسے مطعون کرے گا اور اس کو   د شریعت کا مخالف قرار دے گا؟!

سب کو معلوم ہے کہ استفتاء اور افتاء کا سلسلہ عہد نبوی سے لے کر برابر چلتا رہا ہے اور ان دونوں میں کیا فرق ہے کہ ایک آدمی ہمیشہ ایک سے فتوی لیتا ہے یا کبھی ایک سے فتوی لیتا ہے کبھی دوسرے سے ایسی حالت میں کہ اس کا ذہن صاف ہے، اس کی نیت سلیم ہے اور وہ صرف اتباع شریعت چاہتا ہے، یہ بات کیسے جائز نہیں ہو جبکہ کسی فقیہ کے بارے میں ہمارا یہ ایمان نہیں ہے کہ اللہ نے اس پر آسمان سے فقہ اتاری اور ہم پر اس کی اطاعت فرض کی ہے اور یہ کہ وہ معصوم ہے تو اگر ہم نے ان فقہاء اور ائمہ میں سے کسی کی اقتداء کی تو محض اس بناء پر کہ ہم یہ جانتے ہیں کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا عالم ہے، اس کا قول (فتوی) دو حالتوں میں سے کسی ایک حالت سے خالی نہیں، یا وہ کتاب و سنت کے صریح حکم پر مبنی ہے یا وہ استنباط کے اصولوں میں سے کسی اصول کے مطابق اس سے مستنبط کیا ہوا ہے، یا اس نے قرآن سے یہ سمجھا ہے کہ حکم فلاں علت کے ساتھ وابستہ ہے اور وہ علت یہاں پائی جاتی ہے) اور اس کا قلب اس بات پر مطمئن ہو گیا ہے،

www.ahlehaq.org

اس بناء پر اس نے غیر منصوص کو منصوص پر قیاس کیا۔ گویا وہ زبانِ حال سے کہتا ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا کہ جہاں یہ علت پائی جائے وہاں حکم یہ ہوگا، اور یہ قیاسی مسئلہ اس عموم اور کلیہ میں شامل ہے۔ اس طرح اس حکم کی نسبت بھی آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کی جا سکتی ہے لیکن ظنی طریقہ پر۔ اگر صورت حال یہ نہ ہوتی تو کوئی صاحب ایمان کسی مجتہد کی تقلید نہ کرتا۔ اگر ہمیں رسول معصوم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کی طاعت کو اللہ تعالیٰ نے ہم پر فرض کیا ہے کوئی حدیث قابلِ وثوق سند سے پہونچے جو اس مجتہد یا امام کے فتوے اور قول کے خلاف ہو اور ہم اس حدیث کو چھوڑ دیں اور اس ظنی طریقہ کی پیروی کریں تو ہم سے بڑھ کر نا روا طریقہ اختیار کرنے والا کون ہوگا، اور کل ہمارا خدا کے سامنے کیا عذر ہوگا؟[1]

مذاہب اربعہ کی خصوصیت

اس منصفانہ اور محققانہ تجزیہ کے بعد شاہ صاحبؒ ان چار فقہی مذاہب (حنفی مالکی شافعی حنبلی) کے بارے میں جن پر عالم اسلام میں عام طور پر عمل کیا جا رہا ہے اپنے رسالہ "عقد الجید فی أحکام الاجتہاد والتقلید" میں جو بہ قامت کہتر بقیمت بہتر کا مصداق ہے، تحریر فرماتے ہیں:-

"یاد رکھو کہ ان مذاہب اربعہ کے اختیار کرنے میں بڑی مصلحت ہے، اور

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۵۱-۱۵۲

www.ahlehaq.org

ان چاروں کو بالکل نظر انداز کر دینے میں بڑا مفسدہ ہے اس کے کئی وجوہ اسباب ہیں ایک یہ کہ امت کا اس پر اتفاق رہا ہے کہ شریعت کے معلوم کرنے کے بارے میں وہ سلف متقدمین پر اعتماد کرے، تابعین نے اس بارے میں صحابہؓ پر اعتماد کیا اور تبع تابعین نے تابعین پر و علیٰ ہذا القیاس ہر دور کے علماء نے اپنے پیشروؤں پر اعتماد کیا، عقل سے بھی اس کا حسن ہونا ثابت ہوتا ہے اس لئے کہ شریعت کے علم کا ذریعہ نقل اور استنباط ہے اور نقل جب ہی ٹھیک ہو جب ہر طبقہ اپنے اس پہلے طبقہ سے جو اس سے متصل ہے اخذ کرے، استنباط میں بھی یہ ضروری ہے کہ متقدمین کے مذاہب معلوم ہوں تاکہ ان کے اقوال کے دائرہ سے خارج ہو کر خرق اجماع نہ ہو جائے اس لئے ان اقوال کے جاننے اور سابقین سے مدد لینے کی ضرورت ہے، دوسرے علوم و فنون اور ہنروں اور پیشوں کا بھی یہی حال ہے صرف نحو طب، شاعری، لوہاری، بڑھئی، رنگریزی سب اسی وقت حاصل ہوتے ہیں جب ان کے استادوں اور ان کے ساتھ اشتغال رکھنے والوں کی صحبت اختیار کی جائے اس کے بغیر مہارت حاصل ہو جائے ایسا بہت کم پیش آتا ہے اگرچہ عقلاً ایسا ممکن ہے لیکن واقعۃً ہوتا نہیں۔

جب یہ بات متعین ہو گئی کہ سلف کے اقوال و تحقیقات پر اعتماد ضروری ہے تو پھر یہ ضروری ہو گیا کہ جن اقوال پر اعتماد کیا جا رہا ہے وہ سند صحیح سے مروی مشہور کتابوں میں مدون ہوں، اور ان پر ایسا کام ہوا ہو کہ اس میں راجح اور مرجوح اور عام و خاص کا امتیاز آسان ہو جہاں اطلاق پایا جاتا ہے وہاں

www.ahlehaq.org

یہ چل سکے کہ اس میں تقیید کیا ہے، مختلف اقوال میں تطبیق دی جا چکی ہو اور احکام کے علل پر روشنی ڈالی جا چکی ہو، نہیں تو ایسے مذاہب و اجتہادات پر اعتماد صحیح نہیں ہوگا۔ ان پچھلے ادوار میں کوئی مذہب (فقہی) ایسا نہیں ہے جس میں یہ صفات پائے جاتے ہوں، اور یہ شرطیں پوری ہوتی ہوں سوائے ان مذاہب اربعہ کے"۔[1]

اس طرح شاہ صاحب نے اجتہاد و تقلید کے درمیان وہ نقطۂ اعتدال اختیار کیا ہے جو مقاصد شریعت، فطرت انسانی اور واقعات کی دنیا سے پورے طور پر مطابق ہے۔ انھوں نے تقلید کے ساتھ یہ شرط لگا دی ہے کہ اس بارے میں ذہن صاف اور نیت درست ہو کہ مقصود صاحب شریعت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع اور کتاب و سنت کی پیروی ہے اور یہ اس اعتماد پر ہے کہ ہم جس کو واسطہ بنا رہے ہیں وہ کتاب و سنت کا عالم اور شریعت اسلامی کا مخلص نمائندہ اور ترجمان ہے نیز یہ کہ ذہن اس کے لئے تیار رہے (خواہ اس کا موقعہ قرون میں آئے) کہ جب اس بات کا یقین پیدا ہو جائیگا کہ صورت حال اس سے مختلف ہے اور سنت سے ثابت شدہ دوسرا ہے تو ایک صاحب ایمان کو دوسری شکل کے اختیار کرنے میں کبھی تامل نہ ہوگا۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ	تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ جب تک
فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي	اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں
أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ	اور جو فیصلہ تم کر دو اس سے اپنے دل میں
وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝	تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے
(سورۂ نساء - ۶۵)	مان لیں تب تک مومن نہیں ہوں گے۔

[1] عقد الجید ص ۳۶-۳۸

www.ahlehaq.org

ہر زمانہ میں اجتہاد کی ضرورت

مذاہب اربعہ کی خصوصیات اور فقہائے محدثین کی خدمات اور ان کی عظمت کا پورا اعتراف کرتے ہوئے اور اس فقہی و حدیثی ذخیرہ کو بیش قیمت اور قابلِ استفادہ قرار دیتے ہوئے اور اس سے بے نیازی و استغناء کو عجز و محرومی کا سبب مانتے ہوئے شاہ صاحب اس کے قائل ہیں کہ اجتہاد (اپنی شرطوں اور ضروری احتیاطوں کے ساتھ) ہر دور کی ضرورت، حیات انسانی اور تمدن و معاشرت کی تغیر پذیری، اور نمو و ارتقاء کی صلاحیت اور انسانی ضروریات، حوادث و تغیرات کے تسلسل کا فطری تقاضا اور شریعت اسلامی کی وسعت، اس کے من جانب اللہ ہونے اور قیامت تک انسانوں کی رہنمائی اور معاشرہ کے جائز تقاضوں کی تکمیل کی صلاحیت رکھنے کا ثبوت ہے، جس کا اظہار اور ثبوت ہر دور میں ضروری اور حاملین شریعت کا فرض ہے۔

مقدمہ مصفّٰی میں لکھتے ہیں:-

"اجتہاد ہر زمانہ میں فرض بالکفایہ ہے، یہاں اجتہاد سے مراد اجتہادِ مستقل نہیں، جیسا کہ امام شافعیؒ کا اجتہاد تھا جو جرح و تعدیل، زبان دانی وغیرہ میں کسی دوسرے کے محتاج نہ تھے، اور اسی طرح اپنی مجتہدانہ درایت میں (اپنے پورے اقسام کے ساتھ) وہ دوسرے کے تابع نہ تھے، مقصود اجتہادِ منتسب ہے، اور وہ نام ہے احکام شرعی کو ان کے تفصیلی ادلہ کے ذریعہ جاننے کا اور مجتہد کے طریقہ پر تفریع مسائل اور ترتیب احکام کا، خواہ وہ کسی صاحب مذہب کی رہنمائی سے ہو۔

www.ahlehaq.org

اور ہم جو یہ کہتے ہیں کہ اجتہاد اس زمانہ میں فرض ہے (اور یہ محققین اہل علم کا اجماعی مسئلہ ہے) اس کی وجہ یہ ہے کہ مسائل کثیر الوقوع ہیں جن کا حصر ممکن نہیں اور ان کے بارے میں اللہ کے حکم کا جاننا واجب ہے اور جو کچھ مدون ہو چکا ہے وہ ناکافی ہے اور ان کے بارے میں اختلافات بہت ہیں جن کا حل کرنا دلائل کی طرف رجوع کئے بغیر ممکن نہیں اکثر مجتہدات سے جو سلسلۂ روایات منقول ہیں ان میں اکثر میں انقطاع ہے کہ طالب ان پر اطمینان کے ساتھ اعتماد نہیں کر سکتا، اس لئے ان کو قواعد اجتہاد پر پیش کئے اور تحقیق کئے بغیر معاملہ بنتا نہیں۔[1]

لہ مقدمہ مصفّٰی (فارسی) ص۱۱ مطبع فاروقی دہلی۔

www.ahlehaq.org

باب ہفتم

شریعت اسلامی کی مربوط و مدلل ترجمانی اور اسرار و مقاصد شریعت کی نقاب کشائی
حجۃ اللہ البالغہ کے آئینہ میں

حجۃ اللہ البالغہ کا امتیاز و انفرادیت

شاہ صاحب کی سب سے معرکۃ الآراء کتاب اور علمی کارنامہ حجۃ اللہ البالغہ ہے جس میں دین و نظام شریعت کا ایک ایسا مربوط، جامع اور مدلل نقشہ پیش کیا گیا ہے جس میں ایمانیات، عبادات، معاملات، اخلاق، علم الاجتماع و تمدن، سیاست و احسان کو ایک ایسے ربط و تعلق اور صحیح تناسب کے ساتھ پیش کیا گیا ہے کہ وہ ایک ہار کے موتی اور ایک زنجیر کی کڑیاں معلوم ہوتی ہیں، اور وہاں بھی اصول و فروع، مقاصد و وسائل اور دائمی و موقت کا فرق نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے پاتا، جہاں بہت سی تصنیفات و تحقیقات کی قدیم کمزوری ہے جو کسی غلو یا انتہا کے رد عمل یا کسی جذبہ یا جوش کے ماتحت لکھی گئی ہیں اس ربط و تناسب کی وجہ (شاہ صاحب کی فطری سلامت طبع و اعتدال کے علاوہ) ان کا علم حدیث کا گہرا اور وسیع مطالعہ اور وہ مخصوص مزاج ہے جو حدیث اور سیرت کے اشتغال، نیز مزاج نبوی سے مناسبت رکھنے والے کسی عالم ربانی کی صحبت و تربیت سے پیدا ہوتا ہے، اسلام کی یہ مربوط و جامع ترجمانی جو حجۃ اللہ کے صفحات میں دیکھنے میں آتی ہے

www.ahlehaq.org

بہت کم دینی تصنیفات میں نظر آئیں گی[1]، اس طرح حجۃ اللہ البالغہ اس دورِ عقلیت کے لئے ایک نیا علمِ کلام بن گیا ہے جس میں ایک حق پسند و سلیم الطبع انسان کے لئے (جس کو علمی استعداد اور وقتِ نظر کا بھی کچھ حصہ ملا ہو) تشفی کا وافر سامان ہے، ہمارے علم میں کسی مذہب کی تائید اور اس کی حکیمانہ توجیہ و تشریح میں (ان زبانوں میں جن سے ہم واقف ہیں) اس پایہ کی کتاب نہیں لکھی گئی اور اگر لکھی گئی تو اس وقت علمی دنیا کے سامنے نہیں ہے۔

بارہویں صدی کے کچھ بعد ہی ہندوستان اور پورے عالمِ اسلام میں (مختلف تعلیمی، تمدنی، علمی و عقلی اسباب کی بنا پر) ایک خاص طرح کی "عقلیت" کا جو دور شروع ہونے والا تھا، اور احکامِ شریعت کے اسرار و مصالح کی جستجو کا جو عام ذوق پیدا ہونے والا تھا اور اس کی وجہ سے بہت سے ذہن بھٹکنے اور بہت سے قلم بہکنے کے لئے تیار تھے خاص طور پر حدیث اور سنت (خاص اسباب کی بنا پر) اعتراضات و شبہات کا سب سے زیادہ نشانہ بننے والی تھی[2]، ان نئے تقاضوں سے صحیح طور پر وہی شخص عہدہ برآ ہو سکتا تھا جو کتاب و سنت، علومِ حکمت، علمِ کلام، علم الاخلاق، علم النفس، (اور اپنے زمانہ کے حدود کے اندر) علم الاقتصاد، علم المعیشت اور علم السیاست سے واقف ہو، پھر ان سب کے ساتھ وہ احسان اور تزکیہ کے

---

[1] اس موضوع پر فضلاء و اہلِ نظر میں راقم سطور نے زعیم مغرب علامہ علال الفاسی مراکشی کی تصنیف مقاصد الشریعۃ الاسلامیۃ ومکارمہا" اور [illegible] کی تعریف میں ہمیشہ رطب اللسان پایا، وہ خاص طور پر اسی پہلو سے متاثر تھے کہ اس کتاب میں دین کے تمام شعبوں یہاں تک کہ اخلاق اور تزکیۂ نفس و احسان تک کی ترجمانی ہے۔

[2] اس کی تفصیل مصنف کے رسالہ "اسلامی مزاج و ماحول کی تشکیل و حفاظت میں حدیث کا بنیادی کردار" میں دیکھی جا سکتی ہے، ملاحظہ ہو صفحات ۴۳-۴۶

www.ahlehaq.org

فن کے جوہر و حقیقت سے نہ صرف آگاہ بلکہ اس میں درجۂ اجتہاد پر فائز ہو۔

اس سب کا اقتضا تھا کہ اس دور کے ختم ہونے سے پہلے بارھویں صدی کے امام کے قلم سے ایسی کتاب لکھوا دی جائے جو اس ضرورت کو اس بڑی حد تک پورا کرے، جو کسی ایسے انسان کے قلم سے ممکن ہے جو بہرحال انسان ہے، وہ معصوم ہے، نہ اس کا علم سارے زمانوں، مقامات اور معلومات پر محیط ہے، اس پر اپنے زمانہ کی (کم سے کم درجہ میں) چھاپ اور اس نظامِ تعلیم و تربیت کا اثر بھی ہے جس میں اس نے نشو و نما پایا ہے، پھر بھی وہ اصلاً دانش کدۂ قرآنی اور درسگاہ حدیث و سنت کا فیض یافتہ اور ان کا ترجمان نظر آتا ہے۔

شاہ صاحبؒ کتاب کی تصنیف کے محرکات و دواعی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"علومِ حدیث میں سب سے باریک، دقیق، عمیق، رفیع و بدیع علم اسرارِ دین کا وہ علم ہے جس میں احکام کی حکمتیں اور ان کے لمیات اور خواصِ اعمال کے اسرار و نکات بیان کئے جاتے ہیں، جس کے ذریعہ انسان شریعت کی لائی ہوئی چیزوں کے بارے میں صاحبِ بصیرت بن جاتا اور خلط و خبط سے محفوظ رہتا ہے۔"[1]

موضوع کی نزاکت

لیکن حقائقِ دینیہ اور احکامِ شرعی کی حکمتوں، مصالح اور اسباب و علل کے بیان کرنے کا موضوع بڑا نازک ہے، ذرا سی بے اعتدالی، کسی خاص رجحان کے غلبہ یا زمانہ کے اثر سے پڑھنے والے کا ذہن شرائعِ سماوی اور تعلیماتِ نبوی کی پٹری سے اتر کر جس میں اصل مقصود رضائے الٰہی، قربِ خداوندی اور نجاتِ اخروی کو قرار دیا گیا ہے، مادی منافع زندگی کی

---

[1] مقدمہ حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱

www.ahlehaq.org

بہتر تنظیم اور تمدنی فوائد یا سیاسی مقاصد کے حصول کے پیچھے پڑ جاتا ہے اور کبھی عبادت کے پورے سلسلہ سے ایمان و احتساب[1] کی روح یا تو بالکل نکل جاتی ہے یا بہت کچھ مجروح ہو کر رہ جاتی ہے، مثال کے طور پر نماز کی حکمت و مصلحت یہ بیان کی جا سکتی ہے کہ وہ ایک فوجی پریڈ ہے اور اس سے نظم و اطاعت امیر اور حکومت اسلامی کے قیام میں مدد ملتی ہے، روزہ صحت کے لئے مفید ترین طریقہ ہے، زکوٰۃ اہل دولت پر غریبوں کا ٹیکس ہے، حج ایک سالانہ بین الاقوامی اسلامی موتمر (کانفرنس) ہے جس میں ملت کے مفاد میں مسائل پر غور و مشورہ کیا جاتا ہے۔

ان حضرات کے پیش نظر (جنھوں نے امکانات و احتمالات سے بڑھ کر واقعات اور عملی شکل کی جگہ لے لی ہے) اس کی ضرورت سے صحیح طور پر وہی عالم عہدہ برآ ہو سکتا تھا جس کے ہاتھ میں دین و شریعت کا اصل سررشتہ ہو، جو شرائع الٰہی کے نزول اور انبیاء کی بعثت کے مقصد سے آگاہ ہو، اور جس کے رگ و پے میں ایمان و احتساب کی روح سرایت کر چکی ہو، اور جس کا ذہنی و علمی نشو و نما کتاب و سنت اور ایمان و احتساب کے ماحول میں اور ان کے زیر سایہ ہوا ہو، اور شاہ صاحب (جیسا کہ ان کے حالات سے معلوم ہو چکا ہے) اس نازک موضوع پر قلم اٹھانے کے لئے موزوں ترین شخصیت تھے۔

---

[1] حدیث و سنت کی اصطلاح میں کسی عمل کو اجر و ثواب کی لالچ اور شوق اور اس پر اللہ کی طرف سے جو وعدے ہیں ان کے یقین کے ساتھ کرنے کو "احتساب" کہتے ہیں، صحیح حدیث میں آتا ہے: "من صام رمضان ایماناً واحتساباً غُفِرَ لَهُ ما تقدم من ذنبه" (بخاری) (جو رمضان کے روزے اللہ کے وعدوں پر یقین کرتے ہوئے اور اس کے اجر و ثواب کے شوق دل میں رکھ کر رکھے گا اس کے سب پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے) قیام لیلۃ القدر کے بارے میں بھی ایسی ہی حدیث وارد ہوئی ہے۔

www.ahlehaq.org

مستقل تالیف کی ضرورت اور علمائے متقدمین کی ابتدائی کوششیں

شاہ صاحب اس موضوع پر متقدمین کی مختصر کاوشوں کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"متقدمین نے ان مصالح کی نقاب کشائی کی ہے جن کی ابواب شرائع میں رعایت کی گئی ہے، بعد کے محققین نے بعض بڑے قیمتی نکتے بھی بیان کئے ہیں، لیکن اس کی مقدار اتنی کم ہے کہ اب اس موضوع پر کلام کرنا خرق اجماع نہیں رہا، کسی نے اس موضوع پر مستقل تصنیف نہیں کی، اور اس کے اصول و فروع کو پورے طور پر مرتب نہیں کیا۔"[1]

اس سلسلہ میں شاہ صاحب نے امام غزالیؒ، علامہ خطابیؒ، اور شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلامؒ کا حوالہ دیا ہے، جن کی کتابوں اور تحریروں میں جستہ جستہ ایسے مضامین اور اشارے ملتے ہیں۔[2] شاہ صاحب نے اس دعوے کی تردید کے سلسلہ میں کہ احکام شرعی مصالح پر مشتمل نہیں ہیں، اور اعمال و جزاء میں مناسبت کا ہونا کچھ ضروری نہیں ہے، ان آیات و احادیث سے استدلال کیا ہے جن میں اعمال اور ان کے نتیجہ میں ربط بتایا گیا ہے، بعض احکام کی علت و مصلحت بھی بیان کی گئی ہے، نیز ان احادیث کا بھی ذکر کیا ہے جن میں کسی عبادت یا عمل کی مشروعیت کا سبب یا تعیینات کے اسرار بیان کئے گئے ہیں، نیز بعض ممانعتوں کے ان اسباب اور حکمتوں کی مثالیں بھی دی ہیں جو حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہؓ سے منقول ہیں،[3] اور ان خیالات و ظنون کی تردید فرمائی ہے اور ان کا جواب دیا ہے جو اس نازک عمل کی تدوین کو ناممکن یا غیر مفید یا فعل عبث بتاتے ہیں، اور اس کی وضاحت کی ہے کہ اس موضوع کی طرف اس وقت پوری توجہ نہ ہونے کے

---

۱ مقدمہ حجۃ اللہ البالغہ ص۳ ۲ ایضاً ص۱ ۳ ایضاً ص۶-۱

www.ahlehaq.org

کیا اسباب تھے؟

اس فن کی تدوین کی ضرورت اور حکمت بیان کرتے ہوئے شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ بعض ایسی احادیث کو جو بظاہر ہر طرح سے مخالف قیاس معلوم ہوتی ہیں، بعض فقہاء نے مخالف عقل بتا کر ان کو رد کرنا جائز سمجھا، اس لئے بھی احادیث کے مطابق عقل و قیاس ہونے کو ثابت کرنا ضروری ہو گیا[1]، امت کے مختلف طبقات کا متعارض طرز عمل، بعض کا عقل و قیاس سے بالکل آنکھیں بند کر لینا، بعض کا تاویل اور ایسے موقع پر صرف عن الظاہر[2] کا بے تکلف عمل کرنا جہاں احادیث اصول عقلیہ کے مخالف نظر آئیں اور اس بارے میں بہت سی جماعتوں کی بے اعتدالی، شاہ صاحب کے نزدیک اس فن کی تدوین جدید کو نہ صرف جائز و مفید قرار دیتی ہے بلکہ اس کو دین کی عظیم ترین خدمت اور وقت کی اہم ضرورت ثابت کرتی ہے[3]۔

ضرورت کے اس احساس، عملی تجربے اور وقت کے تقاضے کے سوا شاہ صاحب کو اس کام کی تکمیل کے لئے بعض بشارات غیبی اور بارگاہ رسالت سے ایک ایسا اشارہ بھی معلوم ہوا جس سے اندازہ ہوا کہ دین کی ایک نئی نوعیت کی شرح مطلوب ہے، شاہ صاحب[4] فرماتے ہیں کہ میں نے سینہ میں ایک ایسی روشنی پائی جو برابر بڑھتی رہی، مکہ معظمہ کے زمانۂ قیام میں امام حسنؓ اور امام حسینؓ کو خواب میں دیکھا کہ انہوں نے مجھے قلم عطا کیا اور کہا کہ یہ ہمارے نانا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قلم ہے[5]۔

شاہ صاحب کے تلامذہ اور اصحاب میں سب سے زیادہ ان کے ماموں زاد بھائی، برادر نسبتی و ہم عصر کے رفیق اور تلمیذ رشید شیخ محمد عاشق پھلتی کا اس کام کی تکمیل کے لئے سب سے زیادہ تقاضا و اصرار تھا جو شاہ صاحب کے سب سے بڑے مزاج داں اور ان کے علوم و کمالات کے سب سے زیادہ واقف تھے[6]۔

۱؎ مقدمہ حجۃ اللہ البالغہ ص۲ ۲؎ ایضاً ص۵ ۳؎ ایضاً ۴؎ ایضاً ص۲ ۵؎ ایضاً ص۲

www.ahlehaq.org

بہر حال اللہ تعالیٰ نے شاہ صاحب کو اس اہم کام کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائی اور ان کے قلم سے یہ جلیل القدر کتاب نکل کر اہل علم کے ہاتھوں تک پہونچی۔[1]

تمہیدی و بنیادی مضامین، تکلیف و مجازات

کتاب کے ابتدائی حصہ میں شاہ صاحب نے ان تمہیدی مباحث کو شامل کیا ہے جن سے ہدایت ربانی، تعلیمات آسمانی اور انبیاء کی بعثت اور ان کی تعلیم و تربیت کا طرز [illegible]

۱؎ حجۃ اللہ البالغہ سب سے پہلے بھوپال کے عالم با عمل اور وزیر و منتظم ریاست مدار المہام مولانا جمال الدین (م [illegible]ھ) کے ایماء و ہدایت پر انہیں کے مصارف سے مولانا محمد احسن صدیقی (م [illegible]ھ) کے اہتمام میں مطبع صدیقی بریلی میں [illegible]ھ میں طبع ہوئی، دوسری مرتبہ امیر الملک والاجاہ نواب سید صدیق حسن خاں بہادر (م [illegible]ھ) کے حکم سے [illegible]ھ میں مطبع بولاق مصر سے اس کی اشاعت ہوئی، مصر سے اس کے دو اڈیشن اور نکلے [illegible]ھ ([illegible]ھ) میں، مولانا محمد حنیف ندوی کے اہتمام میں مکتبہ سلفیہ لاہور نے اس کا ایک اڈیشن نکالا جو مصری اڈیشن کا عکس ہے، مصر سے حال ہی میں اس کا جو تازہ اڈیشن نکلا ہے جو شیخ سید سابق کی تحقیق و مراجعت سے [illegible] کے ساتھ دار الکتب الحدیثہ قاہرہ اور مکتبۃ المثنیٰ بغداد کی طرف سے شائع ہوا ہے لیکن کتاب کی تصحیح و تحشیہ، نظری احادیث اور اشارات کی توضیح کے لیے جو محنت ہونی چاہئے تھی وہ ابھی تک نہیں ہوئی۔

اردو میں اس کے دو ترجمے شائع ہوئے، پہلا ترجمہ [illegible] مولانا ابو محمد عبد الحق حقانی کے قلم سے نعمۃ اللہ السابغہ کے نام سے دو حصوں میں [illegible] ہوا، دوسرا ترجمہ [illegible]ھ میں [illegible] مولانا عبد الرحیم [illegible] کی طرف سے شائع ہوا۔

لیکن یہ کتاب اب تک [illegible]

اور بنیادی بحث وہ ہے جو انھوں نے باب "سرّ التکلیف" کے عنوان کے ماتحت پیش کی ہے اور جس میں ثابت کیا ہے کہ تکلیف[1] نوعِ انسانی کے فطری تقاضوں میں سے ہے، انسان اپنی زبانِ استعداد سے سوال کرتا ہے کہ خدا اس پر ایسی چیز واجب کرے جو قوتِ ملکیہ کے مناسب ہو، پھر اس پر ثواب دے اور اس پر قوتِ بہیمیہ میں انہماک کو (جو اس کے اندر ودیعت ہے) حرام کرے اور اس کو سزا دے، اس سلسلہ میں شاہ صاحب کے حیوانات، نباتات اور نوعِ انسانی کے وسیع اور دقیق مطالعہ کا اظہار ہوتا ہے، نیز طبیعیات و طب اور نباتات سے واقفیت بھی ظاہر ہوتی ہے، شاہ صاحب نے عقلی طور پر یہ ثابت کیا ہے کہ انسانوں کو حیوانات و نباتات سے جو امتیاز حاصل ہے، اور ان میں جو استعداد ہیں اور فطری طلب رکھی گئی ہے، وہ زبانِ حال سے تکلیفِ شرعی اور ہدایتِ ربانی کا سوال کرتی ہے، شاہ صاحب اس کو "التکفف الحالی" (زبانِ حال سے بھیک مانگنا اور ہاتھ پھیلانا) کے بلیغ الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں، اس کے ساتھ تکفف العلمی (علمی دریوزہ گری) کا اضافہ کرتے ہیں۔

ان کے نزدیک انسان کے اندر (عقل و نطق کے علاوہ) دو چیزیں اور ہیں "زیادۃ القوۃ العقلیۃ" اور "براعۃ القوۃ العملیۃ" اس میں انسان کے اندر صرف قوتِ عقلیہ اور قوتِ عملیہ کا وجود ہی نہیں، بلکہ ان کی ترقی، بلند ہمتی، طلبِ کمال، ناآسودگی بھی اس کی فطرت میں ہے، شاہ صاحب کے نزدیک خلقِ ملائکہ، حوادثِ عظیمہ اور ارسالِ رسل اسی کا نتیجہ ہے، وہ یہ سب (عنایۃ بالنوع) اس اعتنا و اہتمام کا کرشمہ ہے جو پوری نوعِ انسانی کے شاملِ حال ہے اور یہ سب ربوبیت و رحمتِ الٰہی کی تجلیات ہیں، ان کے نزدیک

---

[1] خدا کا اپنے بندوں کو مخاطب کرنا اور ان کو امر و احکام پر عمل کرنے اور منا ہی سے بچنے کا مکلف بنانا جس کو قرآن مجید میں "الامانۃ" سے تعبیر کیا گیا ہے "انا عرضنا الامانۃ" (الاحزاب - ۷۲) کی تفسیر ملاحظہ ہو حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ صفحہ ۳

عبادات اور عمل بالشرائع نوعِ انسان کا ایسا ہی نوعی تقاضا ہے جیسا درندوں کا گوشت کھانا، بیا اثم کا گھاس چرنا اور شہد کی مکھیوں کا اپنے سردار (یعسوب) کی فرماں برداری کرنا۔ البتہ حیوانات کے علوم الہامِ جبلی سے تعلق رکھتے ہیں اور انسان کے علوم و اعمال کسب، نظر یا وحی یا اتباع سے تعلق رکھتے ہیں۔[1]

اس کے بعد پھر شاہ صاحب مجازات (جزا و سزا) کو تکلیفِ شرعی کا قدرتی تقاضا بتاتے ہیں۔ ان کے نزدیک اس کے چار اسباب ہیں (۱) صورتِ نوعیہ کا تقاضا (۲) ملأ اعلیٰ کے اثرات[2] (۳) شریعت کا مقتضیٰ (۴) نبی کی بعثت کا نتیجہ و تقاضا اور اللہ تعالیٰ کے اس کی قبولیت و نصرت کے فیصلہ کا لازمہ[3] پھر انسانوں میں باہمی جبلت میں اختلاف کی وجہ سے اخلاق و اعمال اور مراتبِ کمال میں بھی اختلاف ہوتا ہے۔ اس موقع پر شاہ صاحب نے ملکیت[4] اور بہیمیت کے اجتماع، ان کے غلبہ و ضعف کے تناسب اور ان کے باہمی تعلق کی نوعیت کو جن کو وہ تجاذب و اصطلاح کے الفاظ سے ادا کرتے ہیں، آٹھ شکلیں اور ان کے خواص بیان کئے ہیں اور ان میں جن کو ترجیح حاصل ہے اس کا ذکر کیا ہے۔ یہ بحث اور تفریع شاہ صاحب کی قوتِ استقراء اور دقتِ نظر کا نمونہ اور کتاب کی خصوصیات میں ہے اور ان سے انسانوں کے احوال و فطرت کا دقیق مطالعہ معلوم ہوتا ہے۔

اعمال کی اہمیت اور ان کے اثرات

شاہ صاحبؒ اعمال کی اہمیت، ان کا ملکاتِ انسانی پر اثر، ان اعمال کے دنیا اور

---

[1] باب انشقاق التکلیف من التقدیر ص ۲۲-۲۳ [2] شاہ صاحب نے کتاب کے شروع ہی میں عالمِ مثال اور ملأ اعلیٰ کو ثابت کیا ہے کہ ان دونوں کے عوالم کی بار بار ضرورت پیش آتی ہے اور بہت سی احادیث و آیات ان دونوں کے بغیر سمجھنا مشکل ہے، ملاحظہ ہو ص ۱۴-۱۵ [3] ایضاً ص ۶۵ [4] ایضاً

www.ahlehaq.org

آخرت میں اثرات مرتب ہونے کی شکلیں بیان کرتے ہیں[1] وہ فرماتے ہیں کہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اعمال میں (مثلاً عمل کی پسندیدگی یا ناپسندیدگی کی وجہ سے) وہ اثر پیدا ہو جاتا ہے جو ان تمثیلوں اور نقوش میں ہوتا ہے جو اپنی حیثیت خاصہ اور شرائط کے ساتھ منقول ہیں۔

اس طرح یہ ابتدائی مباحث کتاب کے مطالعہ کرنے والے کے ذہن کو آگے کے ان مباحث کے لئے تیار کرتے ہیں جن کی بنیاد ہی انسان کے نوعی تقاضوں کے سمجھنے، تحریک کے اسباب اور ان پر مرتب ہونے والی مجازات، ربوبیت و رحمت کے تقاضوں، اعمال کی اہمیت اور دین کے انسانوں کی حیثیت اجتماعی اور حیات انسانی سے ربط و تعلق اور غیبی حقائق اور غیر مرئی عوالم و اشیاء کے وجود کے تسلیم کرنے پر منحصر ہے۔

ارتفاقات

حجۃ اللہ کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کی دوربین نگاہ اور پیش بینی جو حالات کے عمیق اور حقیقت پسندانہ مطالعہ نے (جو آپ ہی کی مدد سے) دیکھ لیا تھا کہ ایک زمانہ آنے والا ہے جس میں ایک طرف لوگ احکام شریعت یا نصوص حدیث و سنت کی تعلیمات اور ارشادات نبوی کے حکم و اسرار کے سمجھنے کی کوشش کریں گے اور ان کے تمدنی، اجتماعی، معاشرتی اور ملکی فوائد معلوم کرنا چاہیں گے، دوسری طرف وہ دین و زندگی میں ربط معلوم کرنا چاہیں گے اور دینی تعلیمات اور اخلاقی ہدایات کو زندگی کے وسیع دائرہ (CANVAS) اور انسانوں کے باہمی روابط اور اسباب و حقائق کے باہمی تعلق کے سیاق و سباق (CONTEXT) میں سمجھنے اور ان کی افادیت معلوم کرنے کی کوشش کریں گے۔

---

[1] ایضاً صفحہ ۲۰-۲۹ [2] ایضاً صفحہ ۳

اس لئے شاہ صاحب نے "حجۃ اللہ البالغہ" کو جو اصلاً شریعت کے اسرار و حکم اور حدیث وسنت کی عقلی تشریح کے لئے لکھی گئی، نظامِ تشریعی سے شروع کرنے سے پہلے جو ان امور تمہیدی پر مشتمل ہوتا ہے جن کا اصلاً تعلق ثواب و عقاب، نجات و فلاحِ اخروی اور شاہ صاحب کی اصطلاح میں "مبحث البر والاثم" سے ہے، کتاب کو ان مباحث سے شروع کیا ہے جن کا تعلق دنیا کے نظامِ تکوینی اور حیاتِ انسانی سے ہے اور جن کی پابندی سے ایک صحت مند ہیئتِ اجتماعی اور ایک صالح تمدن وجود میں آتا ہے۔ شاہ صاحب نے اس کے لئے "ارتفاقات"[1] کی اصطلاح استعمال کی ہے جو ہمارے علم میں اس سے پہلے مسلمان متکلمین، فلاسفہ اور علماء اجتماع نے کم سے کم اس وضاحت اور تفصیل سے استعمال نہیں کی۔

ارتفاق کی اہمیت

ارتفاق سے شاہ صاحب کی مراد افراد کا ایک دوسرے سے جائز انتفاع، تعاون اشتراکِ عمل اور معتدل و متوازن شہری زندگی کے قیام کے لئے "تدبیراتِ نافعہ" ہیں۔[2]

اس طرح شاہ صاحب نے انسانی سعادت کے انفرادی و اجتماعی دونوں پہلوؤں اور دنیوی و اخروی دونوں زندگیوں سے بحث کی ہے۔ شاہ صاحب کے نزدیک یہ نظامِ تکوینی انبیاء علیہم السلام کے لائے ہوئے نظامِ تشریعی کے نہ صرف مطابق ہونا چاہئے بلکہ اس کے لئے

---

[1] عربی زبان کی مشہور لغت "لسان العرب" میں رفق کے ذیل میں ہے: قال الجوہری ... مرفق وغیرہ: والرفق والمرفق والمرفق ما استعین بہ، وقد ترفق بہ وارتفق، وفی التنزیل: "ویہیئ لکم من امرکم مرفقاً" وھو ما ارتفقت وانتفعت بہ، وقد رفق علیہ وارتفق توکأ، وقد ارتفق علی مرفقہ ... "وحسنت مرتفقاً" وترافق القوم وارتفقوا صاروا رفقاء (لسان العرب ملخصاً)

[2] مولانا عبدالحق حقانی نے ارتفاقات کا ترجمہ اسی طرح کیا ہے۔

www.ahlehaq.org

مقدم معاون اور ان کے مقاصد کا خادم بن کر رہنا چاہیے، انھوں نے (علمائے اخلاق اور ماہرین اقتصادیات میں) پہلی مرتبہ اقتصادیات وعلم المعیشت کا علم الاخلاق سے گہرا ربط ثابت کیا ہے شاہ صاحب کے نزدیک یہ ربط جب ٹوٹ جاتا ہے تو معاشیات اور اخلاقیات دونوں کو شدید بحران سے واسطہ پڑتا ہے جس کا اثر مذہب و اخلاق پر پھر کل زندگی انسانی کے باہمی روابط اور تمدن و تہذیب سب پر پڑتا ہے، ان کے نزدیک انسانوں کے اجتماعی اخلاق اس وقت بالکل برباد ہو جاتے ہیں جب کسی جبر سے ان کو اقتصادی تنگی پر مجبور کر دیا جائے اس وقت انسان (جن کے اندر اللہ نے اعلیٰ روحانی ملکات اور ترقی کے امکانات ودیعت فرمائے ہیں) گدھے اور بیل کی طرح سے روٹی حاصل کرنے کے لئے سرگرداں رہنے لگتے ہیں اور ہر طرح کی سعادتوں اور ترقیوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔

شہری و اجتماعی زندگی کی اہمیت اور ان کی تشکیلیں

شاہ صاحب شہری اور اجتماعی زندگی کی (جس کے مرکز کو وہ "المدینۃ" سے تعبیر کرتے ہیں) تعریف ایسے علمی انداز میں کرتے ہیں جس سے بہتر اور جامع تعریف اس زمانہ (مصنفین وحکماء کے یہاں) نہیں کی گئی تھی "باب سیاسۃ المدینۃ" میں لکھتے ہیں:۔

وأعني بالمدينة جماعة متقاربة تجري بينهم المعاملات ويكونون أهل منازل شتى۔[1]

المدینہ (شہر) سے ہماری مراد انسانوں کی وہ جماعت ہے جو باہم کسی نوع کی قربت ہو اور ان کے درمیان معاملات میں اشتراک ہو اور وہ مختلف گھرانوں میں بٹے ہوں

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ

وہ سیاستہ المدینہ کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں :-

هي الحكمة الباحثة عن كيفية حفظ الربط الواقع بين أهل المدينة۔[1]	سیاست مُدن سے ہماری مراد وہ حکمت ہے جو اس شہری زندگی کے افراد کے درمیان اس ربط و تعلق کی حفاظت کے طریقوں سے بحث کرے جو ان کے درمیان موجود ہے۔

پھر اس تمدنی زندگی یا المدینہ کی مزید تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :-

المدينة شخص واحد من جهة ذلك الربط مركب من اجزاء وهيئة اجتماعية۔[2]	شہر کو اس ربط کی وجہ سے جو اس کے افراد کے درمیان پایا جاتا ہے ایک شخص واحد تصور کرنا چاہیئے جو مختلف اجزاء اور ایک حیثیت اجتماعیہ سے مرکب ہے۔

ان کے نزدیک "ارتفاق" کی دو قسمیں ہیں :-

۱۔ ابتدائی اور ضروری، جو اہل بادیہ کو بھی حاصل ہوتا ہے۔

۲۔ اجتماعی یا ترقی یافتہ جو اہل مصر (شہریت و تمدن والوں کو) حاصل ہوتا ہے۔

ان دو کے بعد تیسری قسم آتی ہے، وہ سیاست و انتظام کی ہے پھر اس کے نتیجہ میں چوتھی قسم خلافت عامہ کی ہے ارتفاق رابع میں شاہ صاحب اہل اقالیم (ملک کے متفرق اور دور دراز علاقوں) کے باہمی ربط کی حفاظت پر زور دیتے ہیں یہ ربط ان مختلف علاقوں کے درمیان

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ص۴۳ [2] ایضاً

اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ ایک شہر کے افراد کے درمیان ابتدائی اور محدود معاملات میں ضروری تھا۔[1]

مکاسب اور وجوہ معاش کی محمود و مذموم شکلیں

ارتفاقات کے سلسلہ میں حصولِ مکاسب اور وجوہِ معاش بیان کرتے ہوئے شاہ صاحب غیر طبعی اور غیر اخلاقی ذرائع معاش کا ذکر فراموش نہیں کرتے فرماتے ہیں:۔

ویبقت نفوس أخبث بیھم	بہت سی طبیعتیں ایسی بھی آتی ہیں جن کو
الملن أهب الصالحة فالتعبروا	جائز اور صحت مند راستوں سے
إلی أکساب ضارة بالمدینة	کسب معیشت مشکل معلوم ہوتا ہے تو وہ
کالسرقة والقمار والتکدی.[2]	ایسے ذرائع معاش کی پستی کی طرف
	اتر آتی ہیں جو شہری اجتماعی زندگی
	کے لئے ضرر رساں ہوتے ہیں، مثلاً
	چوری، جوا اور پیشہ گری (بھیک مانگنا)
	اور غیر قانونی و اخلاقی طریقہ مبادلہ۔

اس موضوع ارتفاقات کے باب میں شاہ صاحب کے قلم سے بعض ایسے حقائق نکل گئے ہیں جن سے تمدن و معاشرہ اور انسانیت کے عروج و زوال کی تاریخ پران کی گہری نظر معلوم ہوتی ہے فرماتے ہیں:۔

کلما رقت النفوس و أمعنت	جب طبیعتوں میں غیر طبعی نزاکت

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ صلاحیہ [2] ایضاً ص۳۳

www.ahlehaq.org

فی شعب الكل تو الرفاهية تعرفت — جب ارتقا اس سے زیادہ ہوتی اور تمدن پیدا
حواشی الاكتساب وافضحت — اور ملک کی حد تک پہونچی ہوئی خوشحالی
كل رجل بكسب له۔ — اور فارغ البالی پیدا ہو جاتی ہے تو
کسب معیشت کی باریکیاں اور ذیلی
قسمیں پیدا ہو جاتی ہیں اور ہر شخص
ایک خاص ذریعہ معاش کا پابند ہو کر
بن جاتا ہے۔

شاہ صاحب شہری زندگی کو نقصان پہونچانے والی چیزوں میں اس کا بھی ذکر کرتے ہیں کہ سب اہل شہر ایک ہی ذریعہ معاش اختیار کر لیں مثلاً سب تجارت شروع کر دیں زراعت چھوڑ دیں یا جنگ کے ذریعہ کسب معاش حاصل کریں ان کے نزدیک زراعت بمنزلہ طعام کے ہے اور صنعت و تجارت اور نظم و نسق بمنزلہ نمک کے ہے۔ اسی سلسلہ میں شاہ صاحب ایک بڑے نکتہ کی بات لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ملک کی تباہی کے اس زمانہ میں دو بڑے سبب ہیں۔

۱۔ بیت المال پر بغیر کسی محنت کے بار بننا۔[2]

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ص [2] ان بار بننے والوں میں بطور مثال کے شاہ صاحب نے ان سپاہیوں، عالموں، زاہدوں، صوفیوں، اور شعراء اور ان دوسرے گروہوں کو شامل کیا ہے جو کسی بھی سلطنت کی کسی خدمت کے بغیر جاگیروں کے مالک اور سلطنت کی کمائی اور انعامات پر زندگی گزارتے ہیں اس میں یہ نظام جو جاگیرداری کا آگیا تھا جس نے سلطنت کو اقتصادی سخت نقصان پہونچایا تھا اور سلطنت غیر پیداواری آسامیوں کا ایک لشکر پیدا کر دیا تھا اس سے شاہ صاحب کی سیاسی بصیرت اور زوال سلطنت مغلیہ کے اسباب کی گہری واقفیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

www.ahlehaq.org

۲۔ اہل زراعت و تجارت اور اہل حرفہ و اہل ہنر پر بھاری ٹیکس لگانا۔[1] آخر میں فرماتے ہیں

فلینتبہ أھل الزمان لھذہ النکتۃ۔[2] ہمارے زمانے کے لوگوں کو اس حقیقت کو سمجھ لینا چاہیے اور ہوشیار ہو جانا چاہیے۔

تمدن و معاشرہ میں فساد پیدا کرنے والے اسباب میں شاہ صاحب تفریحات کی کثرت کو بھی شمار کرتے ہیں، جس سے معاش و معاد دونوں تغافل کا شکار ہوتے ہیں۔ ان میں شطرنج میں انہماک، شکار کی کثرت اور کبوتر بازی کو شامل کرتے ہیں۔[3] اسی طرح سے اخلاقی جرائم اور ایسے اعمال کو برداشت کرنا جن کو عام طور پر سلیم الفطرت لوگ اپنی ذات کے لئے برداشت نہیں کر سکتے ہیں، اور ان کو تمدن کے لئے مضر سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک اس سے حکومتوں کا زوال ظہور میں آتا ہے۔[4]

سعادت اور اس کے اصول چہارگانہ

کتاب کا مبحث رابع مبحث السعادۃ ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ سعادت کا حصول انسان کے لئے سب سے اہم ہے اور وہ تہذیب نفس اور قوت بہیمیہ کو قوت ملکیہ کے تابع بنانے سے حاصل ہوتی ہے۔[5]

شاہ صاحب کے نزدیک سعادت کے اصل اصول چار ہیں[6] جن کے لئے انبیاء کی بعثت ہوئی اور ان کی تفصیل شرائع سماوی ہیں۔ یہ درحقیقت ادیان و شرائع کی بنیادی شعبوں کے جامع عنوانات اور مقاصد بعثت کی تکمیل کے موثر ذرائع ہیں۔

---

۱ ایضاً ص۹۶ ۲ ایضاً ص۹۴ ۳ ایضاً ص۹۵ ۴ ملاحظہ ہو ص۹۸

www.ahlehaq.org

۱۔ طہارت (جسمانی پاکیزگی جو انسان کو توجہ الی اللہ و تعلق باللہ کے لئے تیار کر دیتی ہے)

۲۔ اخبات الی اللہ تعالیٰ (انابت و توجہ الی اللہ اور عجز و تواضع)

۳۔ سماحت، مکارم اخلاق و معالی امور۔

۴۔ عدالت[1] (ایسا نفسانی ملکہ جس کے افعال کی وجہ سے شہر و قوم کا انتظام بسہولت قائم ہو جاتا ہے۔)

اس طرح شاہ صاحب نے انسان کی شخصیت کی تکمیل، تعلق مع اللہ کی تحصیل اور ایک صحت مند اور متعاون معاشرہ کی تشکیل کی بنیادوں پر سیر حاصل روشنی ڈالی ہے جو شریعت آسمانی اور بعثت انبیاء کے مقاصد میں ہے۔

اس کے بعد ان خصال اربعہ کے اکتساب کا طریقہ بتایا ہے[2]، پھر ان حجابات کا ذکر کیا ہے جو فطرت کے ظہور سے مانع ہیں، ان میں تین قسموں کو لیا ہے (۱) حجاب الطبع (بشری و نفسانی تقاضوں کا غلبہ) (۲) حجاب الرسم (خارجی حالات و ماحول کا دباؤ و اثر)[3] (۳) حجاب سوء معرفۃ (غلط تعلیم و تربیت اور پھیلے ہوئے فاسد عقائد کا اثر) پھر ان کے رفع کرنے کے طریقے بتائے ہیں[4]۔

عقائد و عبادات

کتاب کا اصل مضمون المبحث الخامس، مبحث البر والاثم سے شروع ہوتا ہے[5] حقیقت میں کتاب کا یہی موضوع و مقصد ہے[6]۔

اصول بر میں شاہ صاحب نے سب سے پہلے توحید کو لیا ہے اس لئے کہ اسی پر اخبات و انابت کا

---

[1] ان اصول کی تعریف ص [illegible] پر دیکھی جائے [2] ص [illegible] [3] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ص [illegible]
[4] ص [illegible] ان کی تشریح ملاحظہ کی جائے۔ [5] ص [illegible]

انفرادیت جو سعادت کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، اس سلسلہ میں شاہ صاحب نے توحید کے چار مراتب بیان کئے ہیں اور مشرکین عرب کے شرک کی حقیقت واضح کی ہے۔ توحید کے بعد صفات خداوندی پر ایمان، ایمان بالقدر اور شعائر اللہ کی تعظیم کے (جن میں شاہ صاحب کے نزدیک قرآن، کعبہ، نبی اور صلوٰۃ سب سے واضح اور اہم شعائر ہیں) ذکر کے بعد شاہ صاحب عبادات و فرائض پر آجاتے ہیں اور وضو و غسل کے اسرار، اسرار الصلوٰۃ، اسرار الزکوٰۃ، اسرار الصوم اور اسرار الحج پر اجمالی طور پر بحث کرتے ہیں۔ یہ مباحث اگرچہ اصولی اور اجمالی ہیں لیکن ان میں بعض ایسے نکتے آگئے ہیں جن کا دوسری جگہ ملنا مشکل ہے۔

مثلاً اسرار الصلوٰۃ میں شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ عبادت کا یہ طریقہ اور تدریج کہ قیام، رکوع، سجود کا جامع ہے اس میں ادب کے ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف منتقل ہونے کے ذرائع ہیں۔ اعلیٰ کی طرف (قیام سے رکوع، رکوع سے سجود کی طرف) ترقی رکھی گئی ہے اور یہی عقل و فطرت کے مطابق ہے۔ پھر شاہ صاحب نے عبادات کے سلسلہ میں اللہ کی عظمت میں تفکر و مراقبہ اور دوام ذکر پر انحصار نہ کرنے کی (جو اشراقیین حکماء اور ہندو سنیاسیوں کا طریقہ رہا ہے اور بعض بے قید صوفیوں نے بھی اس کو اختیار کیا) وجہ بیان کی ہے اور بتایا ہے کہ یہ تفکر و مراقبہ انھیں لوگوں کے لئے ممکن و مفید تھا جن کی طبیعتیں ان سے مناسبت رکھتی تھیں اور وہ ان کے ذریعہ سے ترقی کر سکتے تھے، نماز فکر و عمل، ذہنی توجہ اور جسمانی مشغولیت کا مجموعہ مرکب ہے وہ ہر طبقہ کے لئے مفید اور تریاق قوی الاثر ہے، عوام الناس رسم و رواج کے خراب اثرات سے نجات دینے اور طبیعت کے عقل کے تابع ہونے کی مشق کے لئے نماز سے زیادہ کوئی مفید و مؤثر طریقہ نہیں۔

۱؎ یہ بحث اس کتاب کے باب پنجم میں گذر چکی ہے۔ ۲؎ تفصیل کتاب کے حصہ دوم میں آئی ہے جس میں اردو ترجمہ کو سامنے رکھ کر ان پر مضمون میں تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے۔ ۳؎ ص

جہاں تک رموز و حِکَم کا تعلق ہے ان کے بارہ میں اگرچہ اس بحث میں بھی اشارے کئے گئے ہیں لیکن کتاب کے حصہ دوم میں ان کے مقاصد اور اسرار و حکمتوں پر جو لکھا گیا ہے اس کی نظیر اس سے پہلے کسی کتاب میں دیکھنے میں نہیں آئی۔ اس کا ذکر آئندہ صفحات میں اپنی جگہ آئیگا۔

سیاسیاتِ ملّی اور انبیاء کی ضرورت

البحث السادس کا عنوان "مبحث السیاسات الملیۃ" ہے یہ کتاب کا بہت اہم مبحث ہے۔[1] اس کے پہلے باب میں شاہ صاحب نے بڑی نکتہ سنجی اور حقیقت پسندی کے ساتھ بتایا ہے کہ انسانی نسلوں کو ہادیانِ طریق اور متعیّنینِ ملل (انبیاء) کی ضرورت کیوں پیش آتی رہی ہے؟ اس کے لئے ان کی فطرتِ سلیم اور عقلِ عام کیوں کافی نہیں تھی؟ پھر اس گروہ کے صفات اور ضروری شرائط سے بحث کی ہے اور یہ کہ وہ کب اور کس طرح اپنے مقصد کی تکمیل کرتا اور اس میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ یہ باب علم الکلام کی کتابوں میں اثباتِ نبوت کی عام بحثوں سے بالکل الگ نظر آتا ہے اور اس میں عقلِ عام اور عقلِ سلیم کو مطمئن کرنے کا وہ سامان ہے جو علم کلام اور عقائد کی کتابوں میں عام طور پر نہیں ملتا۔ اس بحث میں منصبِ نبوت اور اس کے خواص پر جو باب ہے وہ شاہ صاحب کی روحِ شریعت اور حقیقتِ مزاجِ نبوت سے واقفیت، نفسِ انسانی کے گہرے مطالعہ اور اخلاق کے اندرونی سرچشموں سے باخبری پر دلالت کرتا ہے۔ اس باب میں بعثتِ انبیاء کے اسباب سے تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔

---

[1] [illegible]

www.ahlehaq.org

بعثت مقرونہ

شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ سب سے کامل بعثت اس نبی کی ہوتی ہے جس کی بعثت "مقرون" ہوتی ہے یعنی اس کی بعثت کے ساتھ ایک پوری قوم (تبلیغ دعوت پر مامور اور اس کے فیض صحبت سے تیار ہو کر دوسرے انسانوں کی تعلیم و تربیت کا ذریعہ بنتی ہے۔ نبی کی بعثت بلا واسطہ ہوتی ہے (اور اس کو نبوت کہتے ہیں) امت کی ماموریت اور تفویض خدمت کی نوعیت بالواسطہ و بالنیابۃ ہوتی ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ایسی ہی جامع بعثت تھی جس کے ساتھ ایک پوری امت کو آپ کے منصب نبوت کی خدمت و اشاعت کے لئے مامور و نامزد اور آمادہ کار بنا دیا گیا اور اس کے لئے بعثت اور بعثت کے ہم معنی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے :۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ	جتنی امتیں پیدا ہوئیں تم ان میں
تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ	سب سے بہتر ہو لوگوں کو نیک کام کرنے کو
عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران - ۱۱۰)	کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو۔

اور حدیث میں بعثت ہی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے آپ نے صحابہ کرامؓ کو مخاطب کر کے فرمایا:

فانما بعثتم میسرین ولم تبعثوا	تم میسر (آسانی پیدا کرنے کے لئے)
معسرین۔[1]	بھیجے گئے ہو معسر (مشکلات پیدا
	کرنے کے لئے نہیں مبعوث کئے گئے ہو۔

اس باب کا خاص مضمون وہ ہے جس میں انبیاء علیہم السلام کی سیرت اور ان کے

۱؎ مسلم

www.ahlehaq.org

مذاق و مزاج اور ان کے طریقِ دعوت اور طرزِ خطاب و تفہیم کو بیان کیا گیا ہے اس سے شاہ صاحب کی دقیق النظری اور خصائصِ نبوت اور انبیاء کے گہرے مطالعہ اور قرآن مجید کے عمیق تدبر کا اندازہ ہوتا ہے۔[1]

ایرانی و رومی تمدن میں اخلاقی و ایمانی قدروں کی پامالی اور انسانیت کی زبوں حالی

عہدِ جاہلیت اگرچہ عرب کے ساتھ مخصوص نہیں تھا، وہ ایک عالمگیر اعتقادی، اخلاقی، معاشرتی اور اقتصادی و سیاسی بحران تھا جو ساری دنیا پر محیط تھا، لیکن ایرانی اور رومی اس کے قائد اور اصل ذمہ دار تھے کہ انہیں کا تمدن اس وقت دنیا میں معیاری سمجھا جاتا تھا، اور اسی کی تقلید ہر جگہ کی جاتی تھی، اور انہیں کے ملک، مرکزی شہر اور معاشرہ سب سے زیادہ اس کی زد میں تھا۔

اس صورتِ حال کا جو نقشہ شاہ صاحب نے کھینچا ہے اور اس کے جو اسباب بیان کئے ہیں، اس سے بہتر نقشہ سیرت و تاریخ کی کسی کتاب میں جو دورِ ماضی میں لکھی گئی اور فلسفۂ تاریخ اور علومِ عمرانیہ کے کسی فاضل کے قلم سے دیکھنے میں نہیں آیا، یہاں پر آکر شاہ صاحب کا قلم اپنے پورے جوہر دکھاتا ہے اور ان کی قوتِ تحریر اور حسنِ انشا اپنے نقطۂ عروج پر نظر آتے ہیں۔[2]

یہ مضمون یہاں نقل کیا جاتا ہے کہ اس سے شاہ صاحب کی تاریخ پر گہری نظر، حقیقت تک پہونچنے کی صلاحیت اور صورتِ حال کے صحیح تجزیہ کی خداداد قابلیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

---

[1] ملاحظہ [2] یہ حصہ سلاست، زورِ بیان، حسنِ انشاء کا ایک نمونہ ہے، اسی بنا پر مصنف نے اس کو اردو ادب کے منتخبات کے مجموعہ "مقالات" میں ایک نمونہ کے طور پر شامل کیا ہے۔

www.ahlehaq.org

صدیوں سے آزادانہ حکومت کرتے کرتے اور دنیا کی لذتوں میں منہمک رہتے رہتے آخرت کو یکسر بھول جانے اور شیطان کے پورے اثر میں آجانے کی وجہ سے ایرانیوں اور رومیوں نے زندگی کی آسائشوں اور سامان راحت میں بڑی موشگافی اور نازک خیالی پیدا کر لی تھی اور اس میں ہر قسم کی ترقی اور نفاست میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے اور فخر کرنے کی کوشش کرتے تھے، دنیا کے مختلف گوشوں سے ان مرکزوں میں بڑے بڑے صناع، اہل ہنر اور اہل کمال جمع ہو گئے تھے جو اس سامان آرائش و راحت میں نزاکتیں پیدا کرتے تھے اور نئی نئی تراش خراش نکالتے تھے ان پر عمل فوراً شروع ہو جاتا تھا اور اس میں برابر اضافے اور جدتیں ہوتی رہتی تھیں، اور ان باتوں پر فخر کیا جاتا تھا، زندگی کا معیار اتنا بلند ہو گیا تھا کہ امراء میں سے کسی کا ایک لاکھ درہم سے کم کا پٹکا باندھنا اور تاج پہننا سخت معیوب تھا، اگر کسی کے پاس عالی شان محل، فوارہ، حمام، باغات، خوش خوراک اور تیار جانور، خوش رو غلمان اور خدام نہ ہوتے، کھانے میں تکلفات اور لباس و پوشاک میں تجمل نہ ہوتا تو ہم چشموں میں اس کی کوئی عزت نہ ہوتی، اس کی تفصیل بہت طویل ہے اپنے ملک کے بادشاہوں کا جو حال دیکھتے اور جانتے ہو اس سے قیاس کر سکتے ہو۔[1]

یہ تمام تکلفات ان کی زندگی اور معاشرت کا جزو بن گئے تھے اور ان کے دلوں میں اس طرح پیوست ہو گئے تھے کہ کسی طرح نکل نہیں سکتے تھے اس کی وجہ سے ایک ایسا لاعلاج مرض پیدا ہو گیا تھا جو ان کی پوری شہری زندگی اور ان کے

---

[1] شاہان دہلی اور مغل بادشاہوں کی طرف اشارہ ہے۔

www.ahlehaq.org

پورے نظامِ تمدن میں سرایت کر گیا تھا، یہ ایک مصیبتِ عظمیٰ تھی جس سے عام رعایا اور امیر و غریب میں سے کوئی محفوظ نہیں رہ گیا تھا، ہر شخص پر یہ پُرتکلف اور امیرانہ زندگی ایسی مسلط ہو گئی تھی جس نے اس کو زندگی سے عاجز کر دیا تھا اور اس کے سر پر غم و افکار کا ایک پہاڑ ہر وقت رکھا رہتا تھا۔

بات یہ تھی کہ یہ تکلفات بیش قرار رقمیں صرف کئے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے تھے اور یہ رقمیں اور بے پایاں دولت کاشتکاروں، تاجروں اور دوسرے پیشہ وروں پر محصول اور ٹیکس بڑھائے جانے اور ان پر تنگی کئے بغیر دستیاب نہیں ہو سکتی تھیں، اگر وہ ان مطالبات کے ادا کرنے سے انکار کرتے تو ان سے جنگ کی جاتی اور ان کو سزائیں دی جاتیں، اور اگر وہ تعمیل کرتے تو ان کو گدھوں اور بیلوں کی طرح بنا لیتے جن سے آب پاشی اور کاشتکاری میں کام لیا جاتا، اور صرف خدمت کرنے کے لئے ان کو پالا جاتا ہے اور محنت و مشقت سے ان کو کسی وقت چھٹی نہیں ملتی۔

اس پُرمشقت اور حیوانی زندگی کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کو کسی وقت سر اٹھانے اور سعادتِ اخروی کا خیال ہی کرنے کا موقعہ اور مہلت نہیں ملتی تھی، کبھی اوقات پورے پورے ملک میں ایک فردِ بشر بھی ایسا نہ ملتا جس کو اپنے دین کی فکر اور اہمیت ہوتی۔[1]

بعض دوسری مفید بحثیں

اس کے بعد یہ بحث آتی ہے کہ دین کی اصل ایک ہے اور شرائع و مناہج میں [illegible]

[1] حجۃ اللہ البالغۃ، باب اقامۃ الارتفاقات و اصلاح الرسوم، ج ۱ ص ۱۰۵

www.ahlehaq.org

عصر و قوم کی رعایت سے اختلاف ہوتا ہے۔ پھر اس کی تشریح فرماتے ہیں کہ دین کی ایک اصل ہونے کے باوجود ان شرائع پر مؤاخذہ کیوں ہوتا ہے؟

تیسیر، ترغیب و ترہیب کے اسرار وغیرہ کی ذیلی بحثوں کے بعد شاہ صاحب ایسے دین کی ضرورت ثابت فرماتے ہیں جو تمام ادیان کا ناسخ ہو، اور یہ کہ دین کو تحریف سے کیسے بچایا جا سکتا ہے؟ تحریف کن کن دروازوں اور ناکوں سے دین میں داخل ہوتی ہے، وہ کن کن شکلوں میں جلوہ گر ہوتی ہے اور کیسے کیسے قالب اختیار کرتی ہے؟ اور شریعت نے اس کے سدباب کے لئے کیا راستے اختیار کئے ہیں اور کیا انتظامات کئے ہیں؟ پھر تفصیل سے بیان کیا ہے کہ عہد بعثت میں عہد جاہلیت کا کیا حال تھا جس کی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصلاح فرمائی؟

حدیث و سنت کا مقام اور ان کے بارہ میں امت کا طرز عمل

بحث سابع کا عنوان ہے "مبحث الشرائع من حدیث النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" یہاں پر وہ مباحث آتے ہیں جن کا براہ راست حدیث و سنت کے فہم، اس سے استنباط مسائل، علوم نبوی کے اقسام، نبی سے شریعت کے اخذ کی کیفیات اور طریقوں، کتب حدیث کے طبقات، کتاب و سنت سے شرعی مطالب کے اخذ کے طریقوں اور مختلف احادیث میں جمع و تطبیق یا ترجیح سے تعلق ہے، اس سلسلہ میں نہایت نکتہ سنجی اور دقیقہ رسی سے بحث کرتے ہوئے شاہ صاحب فروع میں صحابہؓ اور تابعین کے اختلاف کے اسباب بیان کرتے ہیں، ان کی مثالیں دینے کے بعد فقہاء کے مذاہب میں اختلاف اور اہل حدیث و اصحاب الرائے کے اختلاف کے فرق کو بیان کرتے ہیں، چوتھی صدی سے پہلے

www.ahlehaq.org

اور اس کے بعد لوگوں کے مسائل دریافت کرنے اور ان پر عمل کرنے اور اس بارے میں عوام وخواص کا رویہ اور طرز کیا تھا؟ اس کی تفصیل سے وضاحت فرماتے ہیں جو بڑی دقیق وحسین بحثوں پر مشتمل ہے اور جن کا علم کلام یا اصول فقہ کی کسی کتاب میں ملنا بہت مشکل ہے۔

فرائض وارکان کے اسرار وحِکَم

شاہ صاحب نے عقائد سے لے کر عبادات، معاملات، احسان وتزکیہ، مقامات واحوال، کسب معیشت کے طرق، تبرع وتعاون، تدبیر منزل، خلافت، قضا، جہاد، آداب طعام، آداب صحبت، معاشرت اور آخر میں فتن، حوادث مابعد اور علامات قیامت تک کی احادیث سے بحث کی ہے اور اسی سلسلہ میں سیرت نبوی کا خلاصہ بھی پیش کر دیا ہے اور ان مختلف ابواب کے اسرار ومقاصد اس طرح بیان فرمائے ہیں کہ ان مسائل کا رابطہ زندگی، تمدن اور اخلاقیات سے کہیں ٹوٹنے نہیں پایا، اور حقیقت میں کتاب کا یہی مرکزی مضمون ہے، شاہ صاحب کا منشا تھا کہ حدیث کی تدریس انہیں حکم واسرار کی روشنی میں عملی واخلاقی، تمدن ومعاشرت، انسانی سعادت اور باہمی روابط کے تعلق کے ساتھ ہو، کہ ان کا زندگی، عمل واخلاق، تمدن ومعاشرت پر پورا اثر پڑے، عقل ونقل کا تطابق ثابت ہو اور معترضین کو ان پر اعتراض کرنے اور حدیث وسنت کی قیمت وافادیت اور ان کی اہمیت وضرورت کو کم کرنے (جس کو شاہ صاحبؒ کی دوربین اور حقیقت رس نگاہ نے دیکھ لیا تھا) اور رد وبدل اور تنقید کرنے کا موقع نہ ملے۔ ارکان اور فرائض چہارگانہ پر شاہ صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ انہیں کا حصہ اور حجۃ اللہ کے خصائص میں سے ہے یہاں بطور نمونہ کے صرف نماز، زکوٰۃ، صیام اور حج کے مقاصد واسرار اور ان کی بعض ظاہری وشرعی شکل کی حکمت پر

www.ahlehaq.org

شاہ صاحبؒ نے جو کچھ لکھا ہے اس کو پیش کیا جاتا ہے۔

صوم پر کلام کرتے ہوئے تو اس کی مقدار اور روزوں کی تعداد کے تعین کی حکمت اور شریعت اسلامی کے ساتھ مخصوص ہے) اور اس کے شرعی احکام پر گفتگو کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"روزہ میں (وقت اور تعداد و مقدار کا) اختیار دے دینے سے تاویل اور فرار کا دروازہ کھل جائیگا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا دروازہ بند ہو جائے گا اور اسلام کی یہ سب سے بڑی اطاعت غفلت کا شکار ہو جائیگی۔"[1]

اس کے بعد اس کی مقدار و تعداد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"اس کی (روزہ) کی تعیین بھی ضروری تھی تاکہ اس میں افراط و تفریط کا موقع نہ ہو اگر ایسا نہ ہوتا تو کوئی اس پر اتنا عمل کرتا کہ جس سے اس کو کوئی فائدہ نہ پہونچتا اور کوئی اثر مرتب نہ ہوتا اور کوئی اتنے غلو سے کام لیتا اور اتنی کثرت کرتا کہ اس کی ناطاقتی اور کمزوری حد کو پہونچ جاتی اور وہ نیم مردہ ہو کر رہ جاتا۔ اصل میں روزہ تریاق ہے جو نفس کے زہر کو مارنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اس لئے اس میں مقدار کی رعایت ضروری ہے۔"[2]

پھر روزہ کی دونوں قسموں (یعنی ایک وہ روزہ جس میں کھانے پینے اور ان تمام چیزوں سے جو روزہ کے منافی ہیں مکمل پرہیز کیا جاتا ہے اور دوسرے وہ روزہ جس میں بعض چیزوں سے پرہیز کیا جاتا ہے اور بعض سے نہیں) کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے اول الذکر کو ترجیح دیتے ہیں اور تجربہ، تحلیل علمی اور علم النفس کی روشنی میں اس کی افضلیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۳۷ [2] ایضاً

www.ahlehaq.org

"تقلیل غذا کے دو طریقے ہیں، ایک یہ کہ خوراک کی مقدار کو کم کر دیا جائے، دوسرے یہ کہ کھانوں کے درمیان وقفہ اتنا طویل کر دیا جائے کہ یہ مقصد پورا ہو سکے، شریعت میں یہی آخر الذکر صورت اختیار کی گئی ہے، اس لئے کہ اس سے بھوک اور پیاس کا صحیح اندازہ ہوتا ہے، حیوانی خواہشات پر چوٹ پڑتی ہے، اور محسوس طور پر نظر آتا ہے کہ اس میں کمی آئی ہے، اس کے برخلاف اول الذکر صورت میں، اس لئے کہ آدمی پر کوئی خاص اثر مرتب ہو، غذا کے تسلسل کی وجہ سے یہ بات پیدا نہیں ہو پاتی، دوسرے یہ کہ اول الذکر کے لئے کوئی صحیح قانون بنانا بہت مشکل بات ہے، اس لئے کہ لوگ مختلف حالات رکھتے ہیں، ایک آدمی ایک پاؤ کھاتا ہے، دوسرا آدھ سیر کھاتا ہے، چنانچہ اس قسم کے تعین سے اگر ایک کا بھلا ہوگا تو دوسرے کا نقصان بھی ہوگا۔"[1]

وہ کہتے ہیں کہ اس تعین اور اوقات کی پابندی میں اعتدال ضروری ہے، لکھتے ہیں:-

"یہ بھی ضروری تھا کہ یہ مدت تکلیف مالایطاق میں مبتلا کرنے والی نہ ہو، جیسے تین دن تین راتیں، اس لئے کہ یہ شریعت کے موضوع سے خارج اور اس کے مقصد کے خلاف ہے اور عام طور پر اس پر عمل بھی ناممکن ہے۔"[2]

حج کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے، وہ بالکل منفرد اور یگانہ بحث ہے، شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:-

"حج کے مقاصد میں اس میراث کی حفاظت بھی ہے جو سیدنا ابراہیمؑ اور سیدنا اسمٰعیلؑ نے ہمارے لئے چھوڑی ہے، اس لئے کہ یہ دونوں ملت حنیفی کے امام اور عرب میں اس کے موسس اور بانی کہے جا سکتے ہیں، حضور صلے اللہ

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص [illegible] [2] ایضاً ص [illegible]

علیہ وآلہ وسلم کی بعثت بھی اسی لئے ہوئی تھی کہ ملت حنیفی آپ کے ذریعہ دنیا میں غالب آئے اور اس کا پرچم بلند ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ[1] (ملت ہے تمہارے باپ ابراہیم کی) اس لئے یہ ضروری ہے کہ اس ملت کے امام سے جو چیزیں ہم کو ورثہ میں ملی ہیں مثلاً خصائل فطرت[2] اور مناسک حج، اس کی ہم حفاظت کریں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔

قفوا على مشاعركم فانكم على ارث من ارث ابيكم

اپنے شعائر اور مقامات حج پر ٹھہرو اس لئے کہ تم اپنے باپ کی ایک وراثت کے وارث ہو۔

نیز اس کی ایک دوسری حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"جس طرح حکومت کو ہر تھوڑے عرصہ کے بعد ایک عام جائزہ اور معائنہ کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ اس کو معلوم ہو جائے کہ کون وفادار ہے کون باغی، کون فرض شناس ہے کون کام چور؟ نیز اس کے ذریعہ اس کی ایمانداری کی شہرت ہو اور اس کا نام اونچا ہو اس کے کارندے اور باشندے ایک دوسرے سے تعارف حاصل کریں اسی طرح ملت کو حج کی ضرورت ہے تاکہ مخلص و غیر مخلص

---

[1] سورہ حج۔ ۷۸ [2] ان خصائل فطرت سے مراد وہ دس چیزیں ہیں جو یہ ہیں: مونچھیں ترشوانا، داڑھی بڑھانا، مسواک کرنا، پانی سے ناک صاف کرنا، ناخن کاٹنا، انگلی کے پوروں کو دھونا، بغل کے بال اکھاڑنا، زیر ناف مونڈنا، پانی سے استنجا کرنا (مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد بروایت حضرت عائشہؓ) (دسویں چیز کے بارے میں راوی کہتے ہیں میں بھول گیا شاید وہ کلی ہو لیکن قاضی عیاض اور امام نووی نے دسویں چیز ختنہ بتائی ہے) [3] حجۃ اللہ البالغہ …

www.ahlehaq.org

میں تمیز ہو سکے، اللہ تعالیٰ کے دین میں اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں جوق جوق جماعتیں حاضر ہوں، لوگ ایک دوسرے سے تعارف حاصل کریں اور ہر شخص اس چیز میں جو اس کے پاس نہیں ہے دوسرے سے استفادہ کرے، اس لئے کہ بہترین و مرغوب اشیاء بالعموم صحبت و رفاقت سے اور ایک دوسرے کو دیکھ کر ہی حاصل ہوتی ہیں۔"[1]

نیز وہ فرماتے ہیں:۔

"حج چونکہ ایک ایسا موقعہ ہے جس میں سبھی جمع ہوتے ہیں، اس لئے وہ غلط قسم کے رسوم[2] کی حفاظت کے لئے بہت مفید ہے، ملت کے اپنے اماموں اور پیشواؤں کے حالات یاد کرنے اور ان کی اتباع کا جذبہ دل میں پیدا کرنے کے لئے کوئی چیز اس درجہ کی نہیں جو اس کا مقابلہ کر سکے۔"[3]

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:۔

"آج کے مقاصد میں وہ بات بھی ہے جس کے لئے حکومتیں نمائش یا سرکاری جشن کیا کرتی ہیں جس کو دیکھنے کے لئے قریب و دور ہر جگہ کے آدمی جمع ہوتے ہیں، ایک دوسرے سے ملتے ہیں، اپنی حکومت اور اپنی ملت کی تعلیمات سے آشنا ہوتے ہیں اور اس کے مقدس مقامات کی تعظیم بجا لاتے ہیں، اسی طرح حج مسلمانوں کی نمائش یا سرکاری جشن ہے جس میں ان کی شوکت ظاہر ہوتی ہے، ان کی قوتیں مجتمع ہوتی ہیں، ان کی ملت کا نام روشن ہوتا ہے۔"

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ صفحہ ۶۰ [2] اس میں رسمی تحریف، بدعات اور مقامی اضافے اور رسم و رواج سب شامل ہیں۔ [3] ایضاً صفحہ ۶۰

www.ahlehaq.org

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا[1]

اور اس وقت کو بھی یاد کرو جب ہم نے خانہ (کعبہ) کو لوگوں کے لئے ایک مقام رجوع اور مقام امن مقرر کیا۔

کتاب کی جامعیت

اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ فقہ، حدیث، عقائد، عبادات و معاملات سے تعلق رکھنے والے ابواب و مباحث کے ماسوا اس میں تدبیر منزل، خلافت و قضا، ابواب معیشت اور آداب صحبت کے مباحث بھی ہیں جو اخلاق و معاشرت اور تمدن و معیشت سے تعلق رکھتے ہیں اور عام طور پر کسی فقہی یا کلامی کتاب میں ان کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

احسان و تزکیۂ نفس

پھر اس پر مستزاد شاہ صاحبؒ نے اس میں حدیث و سیرت کی روشنی میں احسان و تزکیہ کا ایسا نظام مرتب کر کے پیش کر دیا ہے جس پر چل کر انسان قرب خداوندی کے اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج، مراتب ولایت اور مقامات و احوال تک پہونچ سکتا ہے۔ احسان کا یہ باب کتاب کے ص[illegible] سے ص[illegible] تک پھیلا ہوا ہے۔ اس باب میں شاہ صاحبؒ نے انہیں مسائل سے بحث کی ہے جو احادیث صحیحہ میں آئے ہیں، صرف ان ہی امور استحضار، عزم و نیت اور کیفیات باطنی اور قلب کے ساتھ رب کی طرف توجہ کرنے پر زور دیا ہے، ساتھ ہی ساتھ ان عوارض

۱؎ سورۂ بقرہ ـ ۱۲۵ ۲؎ حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۳۳

www.ahlehaq.org

امراض کا جو پیچھے لگے رہتے ہیں علاج انھیں طرق پر مشروع ہوا اور انھیں فرائض و عبادات و اذکار سے تجویز کیا ہے اس کے ساتھ اخلاق رذیلہ کے علاج اور اخلاق فاضلہ کے حصول کا طریقہ بھی شریعت و سنت کے مخصوص طریقوں سے بتایا ہے۔

اس بحث میں اذکار ماثورہ ادعیہ مشروعہ اور استغفار کے اہم صیغے بھی جمع کر دیئے ہیں اور مؤثر اور مقبول دعا کا طریقہ اور اس کے شرائط بھی بتلائے ہیں اس سلسلہ میں بھی تقاضوں اور زندگی کی ضرورتوں اور دینی اعمال کو نیت کے استحضار کے ساتھ ادا کرنے پر زور دیا ہے اور ان کے اثر و کیفیت کے جدا ہونے کو واضح کیا ہے فرماتے ہیں:۔

اعلم ان النیۃ روح والعبادۃ	یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ نیت روح ہے
جسد ولا حیاۃ للجسد بدون	اور عبادت جسد، جسد کی حیات روح
الروح والروح لھا حیاۃ	کے بغیر ممکن نہیں، روح بدن کی
بعد مفارقۃ البدن ولکن	مفارقت کے بعد بھی زندہ رہتی ہے
لا یظھر آثار الحیاۃ کاملۃ بدونہ	لیکن آثار حیات کا کامل طور پر بدن
	کے بغیر ظہور نہیں ہوتا۔
ولذلک قال اللہ تعالیٰ لن	اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اللہ تک
ینال اللہ لحومھا ولا دماؤھا	ان قربانیوں کے گوشت اور خون
ولکن ینالہ التقویٰ منکم	نہیں پہنچیں گے وہاں پہنچنے والی
(الحج ـ ۳۷)	چیز تمہارا تقویٰ ہے۔
وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ	اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے
وآلہ وسلم انما الاعمال بالنیات	فرمایا اعمال کا دارومدار نیات پر ہے

www.ahlehaq.org

پھر نیت کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں :-

واعنى بالنية المعنى الباعث على	نیت سے ہماری مراد تصدیق کی وہ
العمل من التصديق بما أخبره	ذہنی کیفیت ہے جو اس عمل پر آمادہ
الله على ألسنة الرسل من ثواب	کرے تصدیق اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ
المطيع وعقاب العاصي أو حب	نے نبیوں کے ذریعہ اطاعت
امتثال حكم الله فيما أمر ونهى۔[1]	کرنے والے کو ثواب اور نافرمانی
	کرنے والے کو سزا کا جو وعدہ کیا ہے
	وہ اس حکم کی تعمیل اور اس معصیت
	سے احتراز کا سبب ہے۔

اس باب کے آخر میں شاہ صاحب نے اخلاق فاضلہ کے حصول، حقوق العباد کی ادائیگی اور حسن معاشرت کے سلسلہ میں کچھ حدیثوں کا انتخاب فرما کر نقل کر دیا ہے جن پر عمل کرنے سے انسان احسان و تزکیہ کے اعلیٰ درجہ پر پہنچ سکتا ہے پھر ان مقامات و احوال کا ذکر کیا ہے[2] جو احسان و تزکیہ کے نتیجہ میں حاصل ہوتے ہیں اور نور باطنی، قلب کی بیداری اور نفس کی صفائی، رضائے خداوندی اور ملاءِ اعلیٰ کی تائید و مسرت کا نتیجہ ہیں۔

جہاد

اس کتاب میں جہاد پر بھی پورا ایک باب ہے، اور اس کو شاہ صاحب نے ان فکر انگیز اور چونکا دینے والے الفاظ سے شروع کیا ہے "جہاد دیانت و ملل کی پوری تاریخ، مقاصد خلق انسانی

[1] ایضاً جلد دوم صفحہ ۲۰۳ [2] ایضاً صفحہ ۱۶۸-۱۷۰

www.ahlehaq.org

اور جہاں کائنات کے نظام مطلوب پر گہری نظر رکھنے والا عارف ہی لکھ سکتا ہے:۔

اعلموا ان أتم الشرائع وأكمل	یاد رکھو کہ مکمل ترین شریعت اور
النواميس هو الشرع الذي	کامل ترین قانون وہ شریعت ہے
يؤمر فيه بالجهاد۔[1]	جس میں جہاد کا حکم دیا گیا ہو۔

اس کے بعد اس کی تشریح کی ہے اس کو عقلاً نقلاً ثابت کیا ہے پھر فضائل جہاد کے اصول و اسباب بیان کئے ہیں۔[2]

غرض یہ کتاب اپنی جامعیت، عمق، دین و شریعت کی وسیع لیکن مربوط ترجمانی اور ان صدہا بیش قیمت نکات و تحقیقات کی بناء پر جو کتاب کے صفحات پر جابجا پھیلے ہوئے ہیں اسلامی کتاب خانہ میں متعدد حیثیتوں سے بالکل ایک انفرادی شان رکھتی ہے اور اس کی تصدیق کرتی ہے کہ "کم ترک الأول للآخر" مولانا شبلی نے اپنی مشہور کتاب علم الکلام میں صحیح لکھا ہے:۔

"ابن تیمیہؒ اور ابن رشد کے بعد بلکہ خود انہیں کے زمانہ میں مسلمانوں میں جو عقلی تنزل شروع ہوا، اس کے لحاظ سے یہ امید نہیں رہی تھی کہ پھر کوئی صاحب دل و دماغ پیدا ہوگا لیکن قدرت کو اپنی نیرنگیوں کا تماشا دکھلانا تھا کہ اخیر زمانہ میں جبکہ اسلام کا نفس بازپسیں تھا شاہ ولی اللہؒ جیسا شخص پیدا ہوا جس کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی، رازی، ابن رشد کے کارنامے بھی ماند پڑ گئے۔"

آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

"شاہ صاحبؒ نے علم الکلام کے عنوان سے کوئی تصنیف نہیں کی اور اس بنا پر

---

[1] ایضاً ص [illegible]   [2] ایضاً

ان کو متکلمین کے زمرہ میں شمار کرنا بظاہر موزوں نہیں لیکن ان کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ جس میں انھوں نے شریعت کے حقائق اور اسرار بیان کئے ہیں درحقیقت علم کلام کی روح رواں ہے۔[1]

فاضل عصر مولانا عبدالحق صاحب حقانی (صاحب تفسیر حقانی و عقائد الاسلام) حجۃ اللہ البالغہ کے ترجمہ نعمۃ اللہ السابغہ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:-

"جس فن میں یہ کتاب ہے آپ سے پہلے کسی نے اس کو ایک جگہ جمع نہ کیا تھا، اس فن کا موضوع نظام تشریعی محمدی من حیث المصلحۃ الملحوظۃ فیہ ہے اور غایت اس کی یہ ہے کہ انسان کو یہ معلوم ہو جائے کہ خدا اور اس کے رسول کے احکام میں نہ کچھ تنگی ہے نہ وہ خلاف فطرت سلیمہ ہیں تاکہ ان پر انسان کو پورا وثوق ہو جائے اور ان کو فطرت پر مبنی باتیں سمجھ کر دل ان کی طرف کھنچ آئے اور کسی متشکک کے بہکانے سے دل میں شبہ نہ پڑ جائے اور فائدہ اس کی یہ ہے کہ وہ علم جس سے قوانین مذہبیہ اور احکام شرعیہ کی حکمت معلوم ہوتی ہے اور مبادی اس کے تمام علوم ہیں۔"[2]

---

[1] علم الکلام صفحہ ۱۱۱

[2] مقدمہ نعمۃ اللہ السابغہ

www.ahlehaq.org

باب ہشتم

نظامِ خلافت کی ضرورت و افادیت، خلفائے راشدین کی خلافت کا ثبوت اور ان کے احسانات

کتاب "ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" کے آئینہ میں

کتاب "ازالۃ الخفا" کی اہمیت و انفرادیت

"ازالۃ الخفا" شاہ صاحبؒ کی حجۃ اللہ البالغہ کے بعد، دوسری معرکۃ الآراء تصنیف ہے اور اپنی بہت سی خصوصیات کی بنا پر اپنے موضوع پر منفرد اور یگانہ کتاب ہے۔ پوری کتاب وجد آفریں اور ولولہ انگیز علمی اور ذوقی نکات سے لبریز ہے، خاص طور پر شاہ صاحبؒ کے قرآن مجید میں طویل تدبر، وہبی مناسبت، انکی دقیق و عمیق فہم آیات کے اشارات و مضمرات کی طرف انتقالِ ذہنی اور قوت استنباط اور وفورِ ذکاوت کے ایسے نمونے ملتے ہیں کہ ایک انصاف پسند اور سلیم الطبع انسان خود بخود اس نتیجہ پر پہونچ جاتا ہے کہ یہ علم محض کتابی اور اکتسابی نہیں ہے، اس کتاب کا مصنف اپنے زمانہ کے مروجہ نصاب درس، کتب تفسیر، اصول فقہ و علم کلام کا ساختہ پرداختہ اور ان کا خوشہ چیں اور زلہ ربا نہیں بلکہ اس علم کا تعلق موہبت خداوندی اور افاضۂ ربانی سے ہے، خود شاہ صاحبؒ کے قلم سے بے اختیار کتاب کے آغاز ہی میں یہ الفاظ نکل گئے ہیں:۔

وجودم نور توفیق الٰہی رہ دل اوست　　　　واقف است کہ توفیق الٰہی کے ناطقہ

www.ahlehaq.org

بندۂ ضعیف محض را انشراح وبسط دادہ	اس بندۂ ضعیف کے دل میں اللہ نے ایک
گردانیدند تا آنکہ بعلم الیقین دانستہ	مستقل علم کو بانشراح وبسط کے
شد کہ اثبات خلافت این بزرگواران	ساتھ القا کیا کہ اس کو علم الیقین
اصلیست از اصول دین تا وقتیکہ	کے ساتھ معلوم ہوگیا کہ ان حضرات
این اصل را محکم نگیرند ہیچ مسئلہ	(خلفائے راشدین) کی خلافت کا
از مسائل شریعت محکم نشود۔[1]	اثبات اصول دین میں سے ایک
	اصل عظیم ہے جب تک اس اصل کو
	پوری مضبوطی کے ساتھ تسلیم نہیں
	کیا جائیگا شریعت کے مسائل میں
	کسی مسئلہ کو استحکام حاصل نہیں ہوگا۔

ان صاحب کمال علماء کی بھی جو بہت سے مسائل میں شاہ صاحبؒ سے اختلاف رکھتے تھے اور جن کو علوم عقلیہ میں توغل بلکہ درجۂ امامت حاصل تھا جب اس کتاب پر نظر پڑی تو وہ مصنف کے تبحر علمی اور دقت نگاہی کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکے، مولانا محسن بن یحییٰ ترہتی صاحب "الیانع الجنی" لکھتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد مولانا فضل حق خیرآبادی (م ۱۲۷۸ھ) کو دیکھا کہ جو وقت خالی ہوتا تھا اس میں کسی کتاب کے مطالعہ میں منہمک و مستغرق رہتے، ہم لوگ خلاف معمول ان کے اس استغراق کو دیکھ کر متعجب ہوئے اور تجسس پیدا ہوا کہ یہ کیا کتاب ہے؟ اور کس کی تصنیف ہے؟ انھوں نے خود ہی فرمایا کہ اس کتاب کا مصنف ایسا بحر زخار ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں معلوم ہوتا، یہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی تصنیف "ازالۃ الخفا" ہے جس کا ایک نسخہ

---

[1] ازالۃ الخفاء مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱

مولانا کے ہاتھ آگیا ہے۔[1]

حضرت مولانا ابوالحسنات مولانا عبدالحی فرنگی محلی (م ۱۳۰۴ھ) جن کا تبحر علمی زندۂ روزگار، جامعیت اور وسعت نظر مشہور و مسلّم ہے اپنی مشہور کتاب "التعلیق الممجد علی موطا الامام محمد" میں ازالۃ الخفا کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں "کتاب عدیم النظیر فی بابہ"[2] (کتاب اپنے موضوع پر بے نظیر اور عدیم المثال ہے۔)

حجۃ اللہ اور ازالۃ الخفا کا باہمی تعلق

حجۃ اللہ البالغہ کی تصنیف کے بعد جس میں اسلام کا جامع و مربوط نظام اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ زندگی اور معاشرہ و تمدن سے اس کا ربط و تعلق ثابت ہوتا ہے اور یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ اسلام کے پیش کیے ہوئے عقائد و عبادات اور اجتماعی زندگی کے احکام پر عمل کیے بغیر کسی صحت مند معاشرہ، صالح تمدن اور معتدل و متوازن اجتماعیت کے وجود کی توقع نہیں کی جا سکتی، اس مقصد کی توضیح و تکمیل اور اس مرحلہ کو ایک نئی شان کے ساتھ جس میں قریبی زمانہ میں آنے والے دور انقلاب کی عقلیت پسند طبیعتوں اور دماغوں کی تسکین و تشفی کا سامان تھا، اس کی ضرورت تھی کہ خود اسلام کے نظم اجتماعی کے مزاج و خصوصیات اور مقاصد و ثمرۂ عمل پر نیز اس کے عالمگیر و دائمی اور صریح و منصوص ادارہ "خلافت" پر اسی شرح و بسط، نقل و عقل کی مدد، تاریخ کی شہادت اور سب سے بڑھ کر کتاب و سنت کی روشنی میں قلم اٹھایا جائے نیز ان غلط فہمیوں و گمراہیوں کا

[1] ایضاً، تحقیق ۳۵۳ مطبوعہ مجلس رحمانی، ترجمہ ازالۃ الخفا، مترجمہ حضرت مولوی اشرف رحمہ۔

[2] التعلیق الممجد مطبع یوسفی ص ۳۰

www.ahlehaq.org

پردہ چاک کیا جائے جو اس سلسلہ میں زمانہ قدیم سے رونما ہوئی ہیں اور ان کی بنیاد پر ایک بڑے فرقہ کا وجود عمل میں آیا ہے جس نے خاص طور پر شاہ صاحب کے دور میں ایرانی عنصر کے غلبہ کی بناء پر ایک ایسا ذہنی انتشار پیدا کر دیا تھا جس کا اثر عقائد و اعمال کے حدود سے آگے بڑھ کر نظام حکومت اور ہندوستان میں مسلمانوں کے اقتدار اعلیٰ پر بھی پڑا تھا اور اس نے اس ملک میں مسلمانوں کے مستقبل کو مشکوک و مشتبہ بنا دیا تھا۔

اس کی حیثیت (ان لوگوں کی نظر میں جو اس مذہب کی تاریخ اس کے بنیادی عقائد اور اس کے دین کے تصور و فہم سے واقف تھے اور جنھوں نے براہ راست اس کی مستند کتابوں اور اصلی ماخذ کا مطالعہ کیا تھا) محض ایک اجتہادی اختلاف یا دائرۂ شریعت کے اندر ایک ذیلی فرقہ کی نہیں تھی بلکہ وہ اس فہم دین کے متوازی جس کی بنیاد کتاب و سنت، منصب نبوت کی عظمت اور ختم نبوت کے عقیدہ پر تھی ایک مستقل فکر اور دینی تصور تھا، اس کا کسی قدر اندازہ فرقہ اثنا عشریہ کے عقیدۂ امامت سے ہو سکتا ہے جس کے نزدیک امامت نبوت کے ہم پلہ ہے بلکہ بعض حیثیتوں سے اس سے بھی فائق ہے۔[1]

---

[1] ملاحظہ ہو انقلاب ایران کے قائد روح اللہ خمینی صاحب جو آیت اللہ العظمیٰ الامام خمینی کے نام سے مشہور ہیں کی کتاب "الحکومۃ الاسلامیۃ"۔ علامہ خمینی اپنی کتاب کی بحث "الولایۃ التکوینیۃ" کے عنوان سے یہ لکھتے ہیں کہ امام کو ایک ایسی تکوینی ولایت حاصل ہوتی ہے اور اس عالم کے تمام ذرات ان کی حکومت و اقتدار کے آگے سرنگوں ہوتے ہیں، صحیح عبارت آتی ہے:

وإن من ضروريات مذهبنا أن لأئمتنا مقاماً لا يبلغه ملك مقرب ولا نبي مرسل، وبموجب ما لدينا من الروايات والأحاديث فإن الرسول الأعظم والأئمة عليهم السلام كانوا قبل هذا العالم أنواراً فجعلهم الله بعرشه محدقين، وجعل لهم من المنزلة والزلفى ما لا يعلمه إلا الله. (الحكومة الإسلامية، کتاب خانہ بزرگ اسلامی، ایران)	ہمارے مذہب کے ضروری و ثبوت مسائل میں سے ہے کہ ہمارے ائمہ کو وہ مقام حاصل ہے جس کو کوئی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل بھی نہیں پہنچ سکتا، اور ہمارے پاس جو روایات اور احادیث ہیں ان کے بموجب رسول اعظم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ائمہ (علیہم السلام) اس عالم سے پہلے انوار تھے، اللہ نے ان کو اپنے عرش کا احاطہ کرنے والا بنایا اور ان کو ایسا مرتبہ اور قرب عطا فرمایا جس کا علم صرف اللہ کو ہے۔

www.ahlehaq.org

شاہ صاحبؒ کتاب کی تالیف کی اولین غرض و غایت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

می گوید فقیر حقیر ولی اللہ عفی عنہ کہ دریں زمان بدعت تشیع آشکارا شدہ و نفوس عوام بشبہات ایشان متشرب گشت واکثر اہل ایں اقلیم را در اثبات خلافت خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین شکوک بہم رسانیدہ شد۔ ۱؎

فقیر حقیر ولی اللہ عفی عنہ کہتا ہے کہ اس زمانہ میں تشیع کی بدعت کا شیوع ہوا عوام کی طبیعتیں ان کے پیدا کئے ہوئے شبہات سے بھر گئیں طرفہ یہ تماشا ہوا کہ اس علاقہ کے اکثر باشندوں کے دل میں خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ثبوت خلافت کے بارے میں طرح طرح کے شکوک و اعتراضات پیدا ہو گئے۔

شاہ صاحبؒ کی نظر اس تشکیک و فتنہ کی ظاہری سطح ہی پر نہیں تھی، اس کی تہہ میں جو گہری سازش کام کر رہی تھی اور اس کے جو دور رس نتائج ظاہر ہونے والے تھے، (مثلاً اسلام کا اپنے اولین و بہترین دور میں ناکام ثابت ہونا اور صحبت و تربیت نبوی کی بے اثری، صحابہ کرام کے ذریعہ خیر القرون میں قرآن کی حفاظت، سنت کی اشاعت اور جن امور پر اتفاق ہوا اس سب پر بے اعتمادی) ان کو بھی دیکھ رہی تھی، چنانچہ فرماتے ہیں:-

ہر کہ در شکستن ایں اصل سعی می کند بحقیقت ہدم جمیع فنون دینیہ

جو شخص بھی خلافت راشدہ کی صحت کے اصول کو توڑنے کی کوشش کرتا ہے

۱؎ ازالۃ الخفاء ص

www.ahlehaq.org

کی خواہش ہے۔[۱] اور دین کے اس اصل کا انکار کرنا تھا وہ حقیقت میں تمام فنون دینیہ کو منہدم کر دینا چاہتا ہے۔

آگے تحریر فرماتے ہیں کہ:-

"خلفائے راشدین آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی امت کے درمیان قرآن مجید کے اخذ و تلقی میں واسطہ ہیں۔"[۲]

اس کے بعد وہ اس دائرہ میں ان علوم اور شعبوں کو بھی شامل کرتے ہیں جن کی دولت خلفائے راشدین ہی کے ذریعہ امت کو حاصل ہوئی۔ مثلاً علم حدیث، علم فقہ اور اس سے بڑھ کر مجتہد فیہ مسائل میں کسی ایک خاص شکل پر اجماع کا انعقاد اور اختلاف امت کا خاتمہ نیز علم احسان (جس کا نام بعد کے زمانہ میں علم سلوک پڑ گیا) اس کے بعد مراتب علم حکمت اخلاق فاضلہ اور اخلاق رذیلہ کی وضاحت اور ان کا فرق، تدبیر منزل اور سیاست مدن شاہ صاحب کے نزدیک یہ سب علوم و کمالات امت کو خلفائے راشدین ہی کی تعلیم اور طریق عمل سے حاصل ہوئے۔ اور امت اس بارے میں ان کی رہین منت ہے۔[۳]

اس لئے ہمیں مناسب معلوم ہوا کہ حجۃ اللہ البالغہ کے بعد جو گویا اسلام کی علمی و نظری تفہیم و تشریح ہے یہ دکھایا جائے کہ واقعات کی دنیا میں نبوت کے بعد کے متصل دور میں کس طرح کامیابی کے ساتھ ان اصول و تعلیمات کو عملی شکل دی گئی اور زندگی پر کس خوش اسلوبی کے ساتھ ان کا انطباق ہوا، معاشرہ انسانی پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے، ذو قدیم و جبروت اور صاحب اقتدار تمدن (جنھوں نے تمدن دنیا آپس میں تقسیم کر رکھی تھی) اور جن کی

۱؎ ازالۃ الخفاء ص ۲؎ ایضاً ص ۳؎ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ص۔

www.ahlehaq.org

www.ahlehaq.org

تاریخ صدیوں کی پرانی تھی جن سلطنتوں (دولت ساسانیہ اور دولت روما) کے سایہ میں اور ان کی رہنمائی اور سرپرستی میں پھل پھول رہے تھے اور حیاتِ انسانی پر اثر انداز ہو رہے تھے وہ کس طرح نیست و نابود ہوئیں۔[1]

چند قدیم تصنیفات

اسلام کے نظام اجتماعی، سلطنت اور اس کے دائرہ عمل پر (بامرتبہ اور کیفیت سے قطع نظر تعداد و کمیت کے لحاظ سے بھی) ہمیں قدیم ذخیرۂ کتب میں بہت کم کتابیں ملتی ہیں۔ اس موضوع پر امام ابو یوسفؒ (۱۱۳ھ تا ۱۸۲ھ) جو امام اعظم امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد رشید اور خلافت عباسیہ کے قاضی القضاۃ تھے، کی کتاب "الخراج" بنیادی حیثیت رکھتی ہے لیکن اس کا دائرہ بحث سلطنت اسلامیہ کے ذرائع آمدنی (مالیات) اور نظام محاصل تک محدود ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلی قابل ذکر کتاب قاضی القضاۃ علامہ ابو الحسن علی ابن محمد بن حبیب الماوردی (۳۶۴ھ تا ۴۵۰ھ) کی تالیف "الاحکام السلطانیۃ والولایات الدینیۃ" ہے۔ یہ متوسط سائز کے ۲۵۰ صفحات میں آئی ہے۔ اس کا مرکزی موضوع امامت اور اس کا حکم شرعی، شرائط، کیفیت انعقاد، اس کے تفویض کئے ہوئے مناصب اور امام کے فرائض و واجبات، قضاۃ کے تقرر کے احکام، امامت، ولایت صدقات اور جزیہ و خراج وغیرہ کے احکام ہیں اور حدود و نیز احتساب وغیرہ کا بیان ہے۔ خلافت راشدہ کی

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، رسالہ الفرقان عنوان "برہم تمدن دولت ساسانیہ" صفحہ ۵/۳ صفحہ ۶/۳ و عنوان "برہم تمدن دولت رومیہ" صفحہ ۵/۳ ۔ صفحہ ۲۳/۳

www.ahlehaq.org

صحت و ثبوت اور خلفائے راشدین کے فضائل و مناقب اور کارناموں سے کوئی بحث نہیں۔

اس موضوع پر سب سے بڑی کتاب "الغیاثی" ہے اس کا پورا نام غیاث الامم فی التیاث الظلم ہے، کتاب کے مصنف امام غزالی کے نامور استاد اور اپنے زمانہ کے اعلم الاساتذہ امام الحرمین ابو المعالی عبد الملک الجوینی (ولادت ۴۱۹ھ وفات ۴۷۸ھ)۱؎ ہیں، یہ کتاب سلطنت سلجوقیہ کے نامور وزیر با تدبیر نظام الملک طوسی (ولادت ۴۰۸ھ وفات ۴۸۵ھ) (بانی مدرسہ نظامیہ بغداد و نیشاپور) کے مشورہ و رضا حاصل کے لئے تصنیف کی گئی ہے۲؎ جو ضابطہ سے گو نائب سلطان اور ملک شاہ سلجوقی کے وزیر اور مدار المہام سلطنت تھے، لیکن حقیقتاً اس عظیم سلطنت بلکہ شہنشاہی کے کرتا دھرتا تھے، کتاب درحقیقت امامت کے شرعی احکام، صفات اور فرائض پر ہے، قسم اول میں ائمہ، ولاۃ، رعیت اور قضاۃ کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں، اس پر بھی بحث کی گئی ہے کہ اگر کسی زمانہ میں کوئی امام نہ ہو تو کیا کرنا چاہئے، نیز مفتیوں و والیوں کے اوصاف و فضائل بیان کئے گئے ہیں ان کی عدم موجودگی میں امت کے فرائض کیا ہو جاتے ہیں، اگر منصب امامت پر کوئی نااہل بزور شمشیر مسلط ہو جائے تو مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے؟ اگر زمانہ مفتیوں سے خالی ہو تو امت کا کیا فرض ہے؟ خلع امام کے کیا اسباب ہیں؟ پھر تفصیل سے وہ فقہی احکام بیان کئے گئے ہیں جو مفتیوں کے نہ ہونے کی صورت میں امت کو جاننے چاہئیں، اور ان پر عمل کرنا چاہئے، یہاں پہونچ کر

۱؎ یہ کتاب ڈاکٹر عبد العظیم الدیب کی تحقیق سے شیخ عبد اللہ ابن ابراہیم الانصاری کی توجہ اور اہتمام سے حکومت قطر کے "الشؤن الدینیہ" کے مصارف پر ۱۴۰۰ھ میں طبع ہوئی، کتاب کی ضخامت بڑی تقطیع پر ۶۱۱ صفحات ہیں۔ ۲؎ ابن خلکان، طبقات الشافعیہ وغیرہ۔ نظام الملک کے حالات و کارناموں کے لئے (اردو میں) ملاحظہ ہو "نظام الملک طوسی" از مولوی عبد الرزاق صاحب کانپوری مرحوم

www.ahlehaq.org

کتاب معتمد (شافعی) کی کتاب بن جاتی ہے۔ کتاب میں خلفائے راشدین کی خلافت کی صحت و حجیت سے بحث نہیں، وہ درحقیقت امامت کے شرعی احکام، صفات و فرائض پر ہے۔ کتب میں جا بجا ماوردی کی کتاب "الاحکام السلطانیہ" پر تعریض اور مؤلف پر اعتراضات بھی کیے ہیں۔

تیسری قابلِ ذکر کتاب شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۶۶۱ھ - ۷۲۸ھ) کی کتاب "السیاسۃ الشرعیۃ فی اصلاح الراعی والرعیۃ" ہے۔ مصنف علام نے کتاب کے خطبہ میں صراحت سے کہہ دیا ہے کہ یہ مختصر رسالہ ہے جس میں سیاست الٰہیہ اور نیابت نبویہ کے وہ چند اصول و احکام بیان کیے جائیں گے جن سے راعی اور رعیت کوئی بھی مستغنی نہیں۔ کتاب درحقیقت آیت قرآنی:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا	خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت
الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ	والوں کی امانتیں ان کے حوالہ کر دیا
بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ	کرو اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے
(الی قولہ تعالیٰ) ذَٰلِكَ خَيْرٌ	لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو۔
وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا	یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا
(سورۃ النساء ـ ۵۸ ـ ۵۹)	انجام بھی اچھا ہے

کی تفسیر و تفصیل ہے۔

قسم اول میں باب اول کا عنوان "الولایات" ہے، باب دوم کا "الاموال" ہے۔ اور قسم ثانی میں پہلے حدود اللہ اور حقوق اللہ سے بحث کی گئی ہے پھر حقوق العباد سے۔ کتاب چھوٹے سائز کے ۱۰۰ صفحوں پر آئی ہے۔[1]

---

[1] ہمارے سامنے اس کا جو نسخہ ہے وہ ۱۹۵۱ء میں دار الکتاب العربی مصر کی طرف سے شائع ہوا۔

www.ahlehaq.org

اس کتاب میں بھی خلافتِ راشدہ اور خلفائے راشدین کے سلسلہ کی اصولی، کلامی اور تاریخی بحثوں سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا، جس کے بارہ میں کتاب کے جلیل القدر مصنف سند اور امام کا درجہ رکھتے تھے اور اگر وہ اس کی طرف توجہ فرماتے تو وہ اسلام کے تحقیقی ذخیرۂ کتب اور مباحث میں گراں قدر اضافہ ہوتا، اس موضوع پر ان کے وسیع علم اور رواں قلم نے "منہاج السنۃ" کے صفحات پر اپنا اصلی جوہر دکھایا ہے، اور اس میں ان کے دریائے علم کی طغیانی اور رہوارِ قلم کی جولانی کا تماشا دیکھنے میں آتا ہے۔[1]

اسلام میں خلافت کی حیثیت و مقام

قرآن مجید اور حدیث نبوی میں دعوتِ اسلامی اور دینِ محمدی کے قبول کرنے اور ان پر ایمان لانے والوں کا تصور ایک منظم اور مربوط جماعت ہی کی شکل میں کیا گیا ہے، ان کے لئے "امت"، "ملت"، "جماعت" کے جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، وہ سب اسی حقیقت پر دلالت کرتے ہیں، اہل بصیرت جانتے ہیں کہ یہ الفاظ کتاب و سنت کی لغت و اصطلاح میں محض تعداد کی کثرت، اور انسانوں کے انبوہ کے جیسے سطحی مفہوم اور معنی کے لئے استعمال نہیں کئے گئے جن کا ادیان و ملل کی تاریخ میں بھی، اور قوموں اور تہذیبوں کی تقدیر میں بھی کوئی وزن اور اثر نہیں ہے، بلکہ سارا قرآن مجید جس میں امم سابقہ کے واقعات کے سلسلہ میں ان کی قوت و ضعف اور غلبہ و ہزیمت کے اسباب کے تذکرے ہیں، تعداد کی کثرت کی بے اثری، انسانی انبوہ کی بے وزنی اور صالح ترین افراد کی موجودگی میں فساد کے غلبہ، انسانوں کی مظلومیت اور دینِ حق کی مغلوبیت کے تذکرہ سے بھرا ہوا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "منہاج السنۃ" پر تبصرہ - تاریخ دعوت و عزیمت" حصہ دوم ص ۳۲۸ - ۳۳۷

www.ahlehaq.org

میزانِ عدل اور میزانِ عقل دونوں میں منتشر افراد کی (جن کی تعداد خواہ کتنی ہی زیادہ ہو) کوئی بڑی اہمیت و افادیت نہیں۔

اسلام کے پیشِ نظر جو عظیم مقاصد ہیں ان میں عبد و معبود کے تعلق کی اصلاح و تنظیم پھر اس کی ترویج و توسیع، انسانی زندگی کو اس کے قالب میں ڈھالنے کی سعی، افراد و جماعت کے باہمی تعلقات کی استواری اور خوشگواری بھی ہے، ایک ایسی شائستہ، خوش اسلوب پُرسکون اور پُرامن زندگی کے لئے فضا ہموار کرنا بھی ہے جس میں خالق کے فرائض، مخلوق کے حقوق، دونوں کے ادا کرنے کا پورا موقعہ اور انسان کا ارتقائی منازل تک پہنچنے کا پورا امکان پایا جائے جن کی صلاحیت انسان کی فطرت میں ودیعت کی گئی ہے، اس نے کوشش کی ہے کہ اس کی قوتِ عمل اور ذہانت ان خطرات کا مقابلہ کرنے اور ان نقصانات سے بچنے، اور ان مفاسد کے دور کرنے میں صرف نہ ہو، جو کبھی غیر منظم زندگی سے پیدا ہوتے ہیں کبھی خودساختہ قوانین سے کبھی ظلم انسانی اور جاہ و اقتدار کی ہوس سے، اس کے لئے ایک منزل من اللہ قانون، آسمانی شریعت، اور خدا کی الوہیت و حاکمیت کے عقیدہ پر ایک نظامِ خلافت و امارت ضروری ہے، جہاں تک شریعتِ الٰہی کا تعلق ہے اس کے منزل من اللہ، معصوم عن الخطاء، اغراض و مفادات، تعصبات اور جنبہ داریوں سے بلند و بالاتر ہونے کا عقیدہ ضروری ہے، اور جہاں تک خلافت و امارت کا تعلق ہے اس کا اس شریعت کے صحیح ترجمان و نمائندہ، اور انسانی طاقت و ارادہ کی حد تک بے جا حمایت و عصبیت، مداہنت اور عدم مساوات سے دور رہنا ضروری ہے۔

ان مقاصد کی تکمیل اور ان نتائج کے ظہور کے لئے ابتداء ہی سے صاحبِ شریعت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایسے احکام و ہدایات صادر فرمائیں جن کی موجودگی میں مسلمان

www.ahlehaq.org

ایک ایسی تنظیم اور مرکز یا جماعت کی شکل اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں جو ایک ایسے ممتاز فرد کے حکم و انتظام کے تابع ہے جو بہت سی خصوصیات میں ان سے امتیاز رکھتا ہے، ان کے مصالح، مفادات اور ضروریات کا نگراں ہے اور انھوں نے اس کو شریعت کے وسیع و لچکدار رہنما اصولوں کی روشنی میں انتخاب کیا ہے، اگر وہ امامت کبریٰ کے منصب پر فائز ہے تو اس کو خلیفۃ المسلمین، امیر المؤمنین، یا امام کہیں گے اور اگر وہ اس کا نائب یا اس کا مقرر کیا ہوا ہے یا شریعت کے احکام کے نفاذ، فصل خصومات، اور منظم دینی زندگی گذارنے کے لئے مسلمانوں نے اس کو (جزئی اور مقامی طور پر) انتخاب کیا ہے تو اس کو امیر کہیں گے۔

خلیفہ کا انتخاب ایسے دینی فرائض میں سے تھا کہ سب سے بڑے عاشق رسول اور جاں نثار رفیق حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سب سے بڑے عشاق و جاں نثاروں کے گروہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے (معہ اہل بیت عظام کے) اس مسئلہ کا تصفیہ اور خلیفۃ المسلمین کے انتخاب کو جسد اطہر و انور کی تدفین پر مقدم رکھا اور تقریباً یہی معمول ہر خلیفہ کے انتقال پر رہا۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتخاب سنہ ۱۱ھ سے لے کر خلیفہ مستعصم باللہ عباسی کی شہادت ۶۵۶ھ تک عالم اسلام خلیفۂ اسلام سے کبھی محروم نہیں رہا۔ صرف خلیفہ مسترشد باللہ جو سلطان مسعود سلجوقی کے ہاتھوں ۱۰ رمضان ۵۲۹ھ میں گرفتار ہوا تھا، کی غیبت و اسیری کے قلیل وقفہ میں جو تین مہینے سات دن سے متجاوز نہیں تھا، عالم اسلام خلیفۂ اسلام کے بغیر رہا، لیکن یہ عالم اسلام کے لئے ایک ایسا انوکھا تجربہ اور المناک واقعہ تھا جس کی وجہ سے وہ سیاہ پوش اور سوگوار اور بغداد زیر و زبر ہو گیا۔ ابن کثیر کے الفاظ میں:۔

"بغداد کے باشندوں میں ظاہر و باطن ہر لحاظ سے ایک زلزلہ سا آگیا، عوام نے مسجد کے منبروں تک کو توڑ ڈالا اور جماعتوں میں شریک ہونا بھی چھوڑ دیا، عورتیں

سر سے دوپٹہ ہٹا کر نوحہ خوانی کرتی ہوئی باہر نکل آئیں اور خلیفہ کے قید اور اس کی پریشانیوں اور مصیبتوں کا ماتم کرنے لگیں، دوسرے علاقے بھی بغداد ہی کے نقش قدم پر چلے اس کے بعد یہ فتنہ اتنا بڑھا کہ کم و بیش تمام علاقے اس سے متاثر ہو گئے ملک تتمر نے یہ ماجرا دیکھ کر اپنے بھتیجے کو معاملہ کی نزاکت اور اہمیت سے آگاہ اور خبردار کیا، اور اس کو حکم دیا کہ خلیفہ کو بحال کر دے، ملک مسعود نے اس حکم کی تعمیل کی۔[۱]

خلیفہ مستعصم باللہ کی شہادت پر شیخ سعدیؒ نے جو مرکز خلافت سے بہت دور شیراز میں رہتے تھے ایک دل دوز و جگر سوز مرثیہ کہا ہے، اور جس کا مطلع یہ ہے ؎

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں
بر زوال ملک مستعصم امیر المومنیں

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان خلافت اور خلیفہ کو کس نظر سے دیکھتے تھے اور عالم اسلام کی ان سے محرومی پر کن جذبات کا اظہار کرتے تھے۔

خلافت کی جامع و مانع تعریف

شاہ صاحبؒ نے جن کی نظر کتاب و سنت، فقہ، عقائد اور علم کلام اور سیرت و تاریخ پر نہایت وسیع اور گہری تھی، اور وہ مقاصد شریعت کے رمز آشنا تھے، خلافت کی ایسی جامع و مانع تعریف کی ہے جس سے بہتر پیش کرنی مشکل ہے، اس تعریف کا ہر لفظ اپنے ساتھ معانی و مطالب اور مثالوں کا ایک دفتر رکھتا ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں:۔

الخلافة هي الرياسة العامة — خلافت اس عمومی سربراہی اور

---

[۱] ابن کثیر جلد ۱۳ ص ۲۰۰

www.ahlehaq.org

في التصدي لإقامة الدين بإحياء العلوم الدينية وإقامة أركان الإسلام والقيام بالجهاد وما يتعلق به من ترتيب الجيوش والفرض للمقاتلة وإعطائهم من الفيء والقيام بالقضاء وإقامة الحدود ورفع المظالم والأمر بالمعروف والنهي عن المنكر نيابةً عن النبي صلى الله عليه وآله وسلم[1]

ریاست عامہ کا نام ہے جو اقامتِ دین کے کام کی تکمیل کے لیے وجود میں آئے۔ اس میں اقامتِ دین کے دائرہ کار میں علومِ دینیہ کا احیاء، ارکانِ اسلام کا قیام، جہاد اور اس کے متعلقات کا انتظام، مثلاً لشکروں کی ترتیب، جنگ میں حصہ لینے والوں کے حصص و مالِ غنیمت میں ان کا حق، نظامِ قضا کا اجراء، حدود کا قائم کرنا، مظالم و شکایات کا ازالہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرض کی ادائیگی شامل ہے اور یہ سب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیابت اور جانشینی میں ہوتا ہے۔

پھر اقامتِ دین کی مزید تشریح و تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

"ہم جب معاملات کو استقرائی نظر سے دیکھتے ہیں، جزئیات سے کلیات اور کلیات سے ایک ہی کلیہ کی طرف جو سب پر حاوی ہو منتقل ہوتے ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ان معاملات، جزئیات مختصرہ اور کلیات کثیرہ کی جنس اعلیٰ اور

---

[1] ازالۃ الخفا ص

www.ahlehaq.org

(گویا کلیۃ الکلیات) درحقیقت یہی ہے جس کا عنوان اقامتِ دین ہے جس کے ماتحت دوسری انواع و اجناس آتی ہیں جن میں سے ایک احیاءِ علومِ دین ہے جس میں قرآن و سنت کی تعلیم اور تذکیر و موعظت شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ	وہی تو ہے جس نے ان پڑھوں میں
رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ	انہیں میں سے (محمدؐ) کو پیغمبر بنا کر
وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ	بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتیں
وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ	پڑھتے اور ان کو پاک کرتے اور انہیں
لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ [1]	(خدا کی) کتاب اور دانائی سکھاتے
(سورۃ الجمعۃ - ۲)	ہیں اور اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح
	گمراہی میں تھے۔

خلفائے راشدین کی خلافت پر قرآن سے استدلال

کتاب کا سب سے وجد انگیز حصہ وہ ہے جس میں شاہ صاحبؒ نے قرآن مجید کی متعدد آیات سے خلفائے راشدین کی خلافت کے انعقاد اور ان کے خلیفۂ راشد ہونے اور ان کے ذریعے منشائے الٰہی کی تکمیل اور امرِ تکوینی کے تحقق پر استدلال کیا ہے اور آیات کے ایسے اشارات بلکہ تصریحات کی طرف توجہ دلائی ہے جن سے بدیہی طور پر (بلکہ بعض مقامات پر ریاضی کے نتائج کے رنگ میں) یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان حضرات کے سوا ان آیات کا کوئی اور مصداق اور مراد

[1] ازالۃ الخفاء ص ۲

www.ahlehaq.org

نہیں ہو سکتا۔ اور ان پیشین گوئیوں کا انطباق ان کی ذات کے سوا کسی پر، اور ان وعدوں کا تحقق ان کے دور خلافت کے سوا کسی دور میں وقوع پذیر نہیں ہوا۔ اگر ان کی شخصیتوں اور ان کے عہد کو بیچ میں سے نکال لیا جائے تو یہ صفات بغیر کسی مصداق کے اور یہ وعدے تشنۂ تکمیل رہ جاتے ہیں۔

ان آیات میں جو شاہ صاحبؒ نے پیش کی ہیں، ہم بطور نمونہ کے صرف دو آیتیں انتخاب کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک سورۂ نور کی آیت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ	جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ	نیک کام کرتے رہے ان سے خدا کا
فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ	وعدہ ہے کہ ان کو ملک کا حاکم بنائے گا
مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ	جیسا ان سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا
الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ	تھا اور ان کے دین کو جسے اس نے
مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ	ان کے لئے پسند کیا ہے مستحکم و پائیدار
لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَـيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ	کرے گا اور خوف کے بعد ان کو امن
بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ	بخشے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے
الْفٰسِقُوْنَ ۝	(اور) میرے ساتھ کسی اور کو شریک
(سورۃ النور - ۵۵)	نہ بنائیں گے اور جو اس کے بعد کفر
	کرے تو ایسے لوگ بدکردار ہیں۔

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ وعدہ (استخلاف و تمکین فی الارض اور خوف کے بعد امن کا) ان لوگوں کے ساتھ کیا گیا ہے جو سورۂ نور کے نزول کے وقت موجود

www.ahlehaq.org

اسلام اور صحبت نبوی سے مشرف، اور دین کی نصرت و تائید میں شریک تھے، شاہ صاحبؒ صفائی سے لکھتے ہیں کہ اس وعدہ کا اطلاق حضرت معاویہ، بنو امیہ اور بنو عباس پر نہیں ہوتا جو اس وقت یا تو اسلام نہیں لائے تھے یا مدینہ میں موجود نہیں تھے۔

پھر لکھتے ہیں کہ یہ بات نہ تو ممکن ہے نہ معقول کہ اس پوری جماعت مسلمین کو خلافت فی الارض سے سرفراز کیا جائے، اور وہ سب بیک وقت منصب خلافت پر فائز ہوں اس لئے اس سے کچھ خاص افراد ہی مراد لئے جا سکتے ہیں، فرماتے ہیں:۔

"لیستخلفنہم یعنی لیستخلفن جمعاً منہم" و "انقیاد لازم اوست" یعنی ان میں سے ایک جماعت کو خلیفہ بنایا جائیگا، اور انقیاد و اطاعت اس کے لئے شرط ہے۔ پھر یہ کہ جب اس وعدہ کا تحقق ہوگا، تو دین علی اکمل الوجوہ ظہور میں آئیگا، اور اس کو پورا اقتدار اور اختیار حاصل ہوگا، ایسا نہیں، جیسے اثنا عشری حضرات کہتے ہیں کہ خدا کو جو دین پسند ہے وہ ہمیشہ مستور و مختفی رہا ہے، اور اسی بنا پر ائمہ اہل بیت نے ہمیشہ تقیہ سے کام لیا، اور ان کو اپنے دین کے کھلم کھلا اعلان کی کبھی قدرت حاصل نہیں ہوئی۔ "ولیمکنن لہم دینہم الذی ارتضی لہم" ان کے لئے اللہ تعالیٰ اس دین کو قوت و غلبہ عطا فرمائیگا جس کو اس نے ان کے لئے پسند کر لیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ دین خدا کا پسندیدہ اور منتخب دین نہیں جس کا اس زمانہ خلافت میں اعلان و اظہار نہ کیا جا سکے۔[1]

اسی طرح فرماتا ہے "ولیبدلنہم من بعد خوفہم امناً" "اس زمانہ کا

---

[1] ازالۃ الخفا صفحہ ۲

میں اللہ تعالیٰ نے خوف و ہراس کی فضا کے بجائے امن و اطمینان کی فضا پیدا کر دیگا، اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ خلفائے ثلثہ اور بقیہ مسلمان اس وعدہ کی تکمیل کے وقت امن و اطمینان کے ساتھ ہوں گے، نہ ان کو مخالف الادیان کفار کا کوئی ڈر ہوگا، اور نہ کسی اور جماعت یا طاقت کا اندیشہ، برخلاف اس کے فرقۂ امامیہ کے لوگ کہتے ہیں کہ ائمہ اہل بیت ہمیشہ ترساں و ہراساں رہے، انھوں نے تقیہ سے کام لیا، ان کو اور ان کے ساتھیوں کو ہمیشہ مسلمانوں سے اذیت اور تکلیف پہنچی، اور وہ اہانت و ذلت کا سامنا کرتے رہے اور کبھی مؤید و منصور نہیں رہے۔[1] استخلاف اور تمکین فی الارض کے وعدہ کا ظہور انھیں مہاجرین اولین اور نزول آیت استخلاف کے وقت موجود رہنے والے حضرات کے ذریعہ ہوا، اور اگر یہ لوگ خلیفہ نہیں تھے تو اس وعدہ کا ظہور کبھی نہیں ہوا، اور نہ قیامت تک ہونے والا ہے "تعالی اللہ عن ذلک علواً کبیراً"[2]

دوسری آیت "قُلْ لِلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ" (سورۃ الفتح آیت ۱۶) کی ہے، شاہ صاحب نے اس آیت پر مفصل بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۶ھ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ اس خواب کی بناء پر جو آپ نے دیکھا تھا عمرہ کے قصد سے مکہ معظمہ کی طرف کوچ فرمایا، واقعہ کی اہمیت، مکہ معظمہ کے حالات اور قریش کی مخالفت کے خطرہ کی بناء پر صحابہ کرام کثیر تعداد میں ہمرکاب ہوئے، لیکن اعراب (بادیہ کے ساکنین) خوف و نفاق کی بناء پر ساتھ نہیں ہوئے

۱؎ ازالۃ الخفاء ص [illegible]   ۲؎ ایضاً ص [illegible]

www.ahlehaq.org

www.ahlehaq.org

حدیبیہ میں فتح عزیمت اور قریش کے ساتھ صلح کا وہ تاریخ ساز واقعہ پیش آیا جو حدیث اور سیرت کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ ملتا ہے، وہیں وہ بیعت رضوان ہوئی جس میں شریک ہونے والوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشنودی کا خاص پروانہ عطا فرمایا، اور قریبی زمانہ کی فتح کا مژدہ سنایا[1] پھر اسی سورہ فتح میں یہ بھی اعلان فرما دیا کہ اس فتح قریب (فتح خیبر) میں (جو محرم سنہ ۷ھ کا واقعہ ہے) ان اعراب کو ساتھ نہیں لیا جائیگا، جو حدیبیہ کے موقع پر موجود نہیں تھے، اور جنہوں نے اس عظیم و خطرناک مہم میں رفاقت سے پہلو تہی کی تھی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انْطَلَقْتُمْ	جب تم لوگ غنیمتیں لینے چلو گے تو
إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا	جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے وہ کہیں گے
نَتَّبِعْكُمْ يُرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا	ہمیں بھی اجازت دیجئے کہ آپ کے
كَلَامَ اللَّهِ قُلْ لَنْ تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ	ساتھ چلیں یہ چاہتے ہیں کہ خدا کے
قَالَ اللَّهُ مِنْ قَبْلُ فَسَيَقُولُونَ	قول کو بدل دیں کہہ دو کہ تم ہرگز
بَلْ تَحْسُدُونَنَا بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ	ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے اسی طرح
إِلَّا قَلِيلًا	خدا نے پہلے سے فرما دیا ہے پھر کہیں گے
(سورۃ الفتح ۔ ۱۵)	(نہیں) تم تو ہم سے حسد کرتے ہو
	بات یہ ہے کہ یہ لوگ سمجھتے ہی نہیں
	مگر بہت کم

لیکن اس کے بعد ہی ان متخلفین سے فرمایا گیا کہ اس فتح قریب (فتح خیبر) میں

[1] سورۂ فتح ۔ ۱۸

تو تمہیں شرکت اور اس کے مغانم سے فائدہ اٹھانے کی اجازت ہے۔ بے شک عنقریب تم کو ایسے لوگوں سے قتال کرنے کے لئے مدعو کیا جائیگا جن کی ایک صفت تو یہ ہے کہ وہ بڑی شجاعت اور طاقت کے مالک ہیں۔ دوسرے ان کی خصوصیت یہ ہوگی کہ ان سے یا تو قتال کیا جائیگا یا وہ اسلام لے آئیں گے درمیان کی کوئی چیز (جزیہ) نہیں ہے اور یہ دعوت قتال اللہ کو ایسی محبوب اور اس کا داعی ایسا معتبر اور واجب الاطاعت ہوگا کہ اگر تم اس کی دعوت قبول اور اس کے حکم کی بجا آوری کرو گے تو اللہ تعالٰی تم کو اجر حسن سے نوازے گا۔ اور اگر پہلے کی طرح روگردانی کرو گے تو عذاب الیم میں مبتلا کرے گا۔

اللہ تعالٰی فرماتا ہے:۔

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ	جو گنوار پیچھے رہ گئے تھے ان سے
سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ	کہہ دو کہ تم ایک سخت جنگجو قوم کے
شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ	ساتھ لڑائی کے لئے بلائے جاؤ گے
فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ	ان سے تم (یا تو) جنگ کرتے رہو گے
وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ	یا وہ اسلام لے آئیں گے۔ اگر تم حکم
يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝	مانو گے تو خدا تم کو اچھا بدلہ دے گا
(سورۃ الفتح - ۱۶)	اور اگر منہ پھیر لو گے جیسے پہلی دفعہ
	پھیرا تھا تو وہ تم کو بُری تکلیف کی
	سزا دے گا۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ سَتُدْعَوْنَ (عنقریب تم بلائے جاؤ گے) سے بطریق اقتضاء ثابت ہوتا ہے کہ زمانۂ مستقبل میں کوئی ایسا داعی (بلانے والا) ہوگا جو اعراب

www.ahlehaq.org

زمانہ میں رہنے والوں کو جو صلح حدیبیہ کے موقع پر لشکر اسلام کے ساتھ نہیں گئے تھے) کو ایسی قوم سے جنگ کرنے کے لئے دعوت دے گا جس کے لئے دو ہی شکلیں ہیں یا قتال یا اسلام (اور جس کا مصداق عرب کے مرتد قبائل ہی ہو سکتے ہیں جن سے جزیہ لینا جائز نہ تھا، وہ یا تو جنگ میں مارے جاتے یا اسلام قبول کرتے) اور یہ شکل صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں پیش آئی جنھوں نے مرتدین عرب سے قتال کیا، ان کا حکم شرعی یہی تھا (اس سے مراد رومی ہو سکتے ہیں نہ ایرانی جن کے لئے تین شکلیں تھیں قتال، اسلام اور جزیہ)[1] اس سے بداہۃً حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت ثابت ہوتی ہے جنھوں نے مرتدین سے جنگ کرنے کے لئے حضرت خالدؓ کی ماتحتی میں فوج بھیجی اور اعراب کو اس کی دعوت دی پھر اس دعوت کے قبول کرنے پر اجر کا وعدہ اور نہ قبول کرنے پر عذاب کا مستحق ہونا ایک خلیفہ راشد ہی کا مقام و منصب ہے۔[2]

کتاب کے دوسرے قیمتی مضامین

خلفائے راشدین کی خلافت کے اثبات کے دلائل اور خلفائے اربعہ کے فضائل و مناقب

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ازالۃ الخفاء مقصد ۱ ص ۲۹ [illegible]

[illegible] روح المعانی [illegible]

"المراد بالقوم [illegible] كما عليه جماعة من المفسرين"

[illegible]

والمراد [illegible] الزهري [illegible] بنو حنيفة [illegible] وقومه اهل اليمامة [illegible]

رافع بن خديج [illegible]

بكر رضي الله عنه [illegible]

[illegible] على صحة امامة [illegible]

---

[1] روح المعانی ص [illegible] [2] ایضاً ص [illegible] [3] ایضاً ص [illegible]

www.ahlehaq.org
www.ahlehaq.org

ان کے زمانہ کے کارناموں اور ان کے بہت سے قیمتی کلمات اور ارشادات کے علاوہ اس کتاب میں اور بھی بیش بہا فوائد تحقیقات نادرہ اور وہ قیمتی مواد ہے جو نہ عقائد و علم کلام کی کتابوں میں عام طور پر ملتا ہے نہ تاریخ اور سیر میں ان میں سے ایک قرونِ ثلاثہ[1] کی توضیح[2] خلافت و سلطنت کا فرق اور اس کی تفصیلات[3] ملک عضوض (مطلق العنان فرمانروائی) کی تشریح اور اس بات کی تصریح ہے کہ بنی اُمیہ کی سلطنت اور مطلق العنان فرمانروائی خلافت نہ تھی ان کے نزدیک اگرچہ خلافت راشدہ حضرت علی مرتضیٰ پر ختم ہو گئی لیکن وہ حضرت معاویہ کے بارے میں (ان مناقب کی بنا پر جو ان کے بارہ میں وارد ہوئے ہیں) سوءِ ظن اور طعن و تشنیع سے احتراز کی تلقین کرتے ہیں[4] لیکن ان کے بعد کے خلفاء بنی مروان کے متعلق صاف لکھتے ہیں:۔

چوں عبدالملک تسلط یافت فرق	جب عبدالملک (بن مروان) نے اقتدار
از میان برخاست و احکام خلافت جابرہ	حاصل کر لیا تو اختلاف ختم ہو گیا اور خلافت
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	جابرہ کے احکام جن کی آنحضرت صلی اللہ
در چندیں احادیث تشریح آن فرمودہ	علیہ وآلہ وسلم نے متعدد احادیث میں
بودند بر منصۂ ظہور آمد[5]	تشریح فرمائی تھی منظر عام پر آ گئے۔

اس کتاب کی ایک خصوصیت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرتب ان کے فتاویٰ اور احکام پر وہ مفصل مواد ہے جس کو اس میں جمع کر دیا گیا[6] اور جس سے ایک پوری

۱ ازالۃ الخفاء ص ۱۲۱-۱۲۲ ۲ ایضاً ص ۲۲ ۳ ایضاً ص ۲۳

۴ ایضاً ص ۲۸۱ یزید کے متعلق حضرت شاہ صاحب صاف لکھتے ہیں۔ "و ما ثم اشتغال یزید با شام و مختار با العراق" ترجمہ: ضلالت کے داعی دو تھے یزید شام میں اور مختار عراق میں (اقتباس ص ...) اسی طرح مناقب کی بحث میں یزید کو منافق و فاسق لکھا ہے۔ ص ۲۱۷

www.ahlehaq.org

فقہ فاروقی سامنے آگئی ہے۔[1]

فقہ فاروقی کو یگانہ حیثیت سے پیش کرنے اور حضرت عمرؓ کے اجتہادات اور فتاویٰ کو جمع کرنے کا شاید یہ پہلا مبارک اقدام تھا جس کو شاہ صاحبؒ نے دوسری روایات کے ساتھ انجام دیا۔ اس موضوع پر کوئی جامع مفرد کتاب اب تک تصنیف نہیں ہوئی۔ حال میں (۱۴۰۱ھ - ۱۹۸۱ء) ڈاکٹر محمد رواس قلعہ جی نے "موسوعۃ فقہ عمر بن الخطاب" (حضرت عمرؓ کی فقہ کا دائرۃ المعارف انسائیکلوپیڈیا) کے نام سے ایک ضخیم مفصل کتاب مرتب کی جو مکتبۃ الفلاح کویت کی طرف سے شائع ہوئی یہ کتاب بڑے سائز کے ۷۰۰ صفحات پر آئی ہے۔

خلفائے ثلاثہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی خلافت کے اثبات اور ان کے فضائل ومناقب، آثار اور خدمات کے ایسے تفصیلی تذکرہ کے ساتھ جس میں شاہ صاحبؒ کا ذوق وجوش صاف جھلکتا ہے اور جو اس ضرورت کی تکمیل ہے جو اس زمانہ کا تقاضا اور کتاب کی تصنیف کا اصل محرک ہے انھوں نے امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے آثار وفضائل بیان کرنے میں تأمل وتحفظ سے کام نہیں لیا ہے ان کو بھی انھوں نے پوری عقیدت، ان کے حقوق کے اعتراف اور اہل بیت کرام کے ساتھ محبت کے جذبہ اور پورے جوش کے ساتھ بیان کیا ہے۔[2] آثر سیدنا علیؓ بن ابی طالب کو حسب ذیل الفاظ سے شروع کرتے ہیں "آثر امیر المومنین وامام الاشجعین اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ" اسی طرح حضرات حسنینؓ بالخصوص سبط اکبر سیدنا حسن مجتبیٰ کا ذکر پوری عظمت ومحبت کے ساتھ کرتے ہیں، وفات نبوی کے بعد حوادث مہمہ میں حضرت عثمانؓ کی شہادت کا

[1] ملاحظہ ہو صفحہ ۱۳۴ [2] ایضاً صفحہ ۲۸۱ - ۲۸۲

www.ahlehaq.org

فتنۂ اولیٰ شمار کیا ہے[1] اور فتنۂ ثانیہ[2] گزشتہ درسوں حضرت امام حسینؓ کی شہادت کو لیا ہے اور مشکوٰۃ شریف کی ایسی روایت (جو بیہقی سے ماخوذ ہے) نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امامؓ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وہی نسبت ہے جو ایک عضو کو جسم سے ہوتی ہے اور آپ نے اس کی خبر دی ہے کہ امت ان کو شہید کرے گی[3] اس فتنہ میں واقعۂ الحرّہ کو بھی شمار کیا ہے جس میں یزید کے زمانہ میں اس کے لشکر کے ہاتھوں مدینہ طیبہ میں قتل و نہب کا خطرناک واقعہ پیش آیا، اور مدینہ و اہل مدینہ کی سخت بے حرمتی ہوئی[4] شاہ صاحبؒ نے بنی امیہ کے بارے میں جا بجا کھلی تنقید سے کام لیا ہے[5] اس طرح کتاب میں وہ توازن اور اعتدال پورے طور پر موجود ہے جو اہل سنت والجماعت کا شعار و امتیاز ہے۔

وفاتِ نبویؐ کے بعد کے تغیرات و فتن کی نشاندہی

اس کتاب کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اسلام کی دینی تاریخ، اور ذہنی و مذہبی انقلاب و تغیر کا ایک مختصر ابھرا ہوا خاکہ بھی آگیا ہے، اسلام کی سیاسی و علمی تاریخیں تو بے شمار ہیں لیکن ایسی تاریخ کہیں نہیں ملتی جس میں اسلام کے سیاسی و تمدنی تاریخی تسلسل کے درمیان دینی و ذہنی، علمی اور اخلاقی تبدیلیوں کے نشان (خواہ وہ ایسے ہلکے اور پھیکے رنگ کے ہوں جو بجز اسلامی مزاج کی واقفیت کی خورد بین کے بغیر دیکھے نہ جا سکیں) نظر آئیں، کتابوں میں تھوڑا سا منتشر مواد ملتا ہے لیکن کسی نے اس کو اپنی بحث کا عنوان نہیں بنایا، شاہ صاحبؒ خیر القرون سے متصل ہی بعد کے فتنے[6] خیر القرون اور غیر خیر القرون کے احکام کا اختلاف[7]، اور تغیرات کلیہ کے ضمن میں ان معنوی اور فکری تغیرات کا تذکرہ کرتے ہیں جو عہد رسالت اور خیر القرون کے بعد پیش آئے، ان کے عنوانات شاہ صاحبؒ

[1] ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۲۵۳ [2] ص ۲۵۴ [3] ص ۲۵۵ [4] ص ۲۵۹–۲۶۰ [5] ص ۱۲۲ [6] ص ۱۲۹

www.ahlehaq.org

کے بیان حسب ذیل ہیں۔

علوم کتب تجوید قرآن کے سلسلہ میں تحقیق و مباحث قرأت اور تلاوت پر اکتفا اور تدبر فی القرآن اور تفقہ کی کمی۔ فقہی مسائل میں موشگافی اور مسائل کی فرضی شکلوں پر جو وقت پڑے نہیں ہوئیں پہلے سے بحث و مباحثہ۔ متشابہات قرآن کی تاویل اور اس میں دور کی کوڑی لانا۔ عقائد و الٰہیات میں نئے نئے سوالات کا پیدا کرنا۔ تقرب الی اللہ کی نیت سے نئے نئے اوراد و احزاب کی ایجاد جو سنت ماثورہ پر اضافہ کرتے ہیں۔ مستحبات کی ایسی پابندی اور التزام جیسی واجبات کی ہونی چاہیے۔ فتوے دینے کے بارے میں اجتماعی مشورہ اور علمائے عاملین سے رجوع کے سلسلہ کا ختم ہو جانا۔ نئے نئے فرقوں قدریہ اور مرجیئہ وغیرہ کا پیدا ہونا۔ مسلمانوں کے باہمی اعتماد و امن کا اٹھ جانا۔ ایسے لوگوں کا حکومت پر متمکن ہو جانا جو یا تو سرے سے حکومت کا استحقاق نہیں رکھتے یا درجہ دوم سوم کے لوگ ہیں۔ ارکان اسلام کے قیام میں سستی اور غلو کا واقع ہونا۔[1]

کتاب کی طباعت و اشاعت

کتاب ازالۃ الخفا پہلی مرتبہ مولوی محمد احسن صدیقی کے اہتمام میں مفتی جمال الدین خان صاحب مدار المہام ریاست بھوپال کے حکم و ہدایت پر ۱۲۸۶ھ میں مطبع صدیقی بریلی میں چھپی۔ اس وقت تین نسخے فراہم ہو سکے جن سے تصحیح و مقابلہ کا کام کیا گیا۔ ایک منشی صاحب کا بھوپال کا نسخہ، دوسرا مولوی احمد حسن صاحب امروہی کا نسخہ، تیسرا مولوی نور الحسن صاحب کاندھلوی کا۔ قرینہ ہے کہ مصنف علام کتاب پر نظر ثانی نہیں فرما سکے۔

---

[1] ص ۱۳۳

www.ahlehaq.org

کتاب کا دوسرا ایڈیشن سہیل اکیڈمی لاہور پاکستان سے ۱۴۰۲ھ میں شائع ہوا جو پہلے ایڈیشن کا آفسٹ ہے[1]۔ کتاب کا عربی ترجمہ المجلس العلمی ڈابھیل کے اہتمام میں تیار ہوا لیکن اس کی کسی حصہ ممالک عربیہ میں اشاعت نہیں ہو سکی۔ امام اہل سنت مولانا عبد الشکور صاحب فاروقی لکھنوی نے کتاب کا اردو ترجمہ کیا جو کتاب کی فصل اول سے فصل نہم (ص ۱۵۱) تک پر مشتمل ہے۔ اس کا نام کشف الغطاء عن السنۃ البیضاء رکھا۔ اس مطبوعہ حصہ کی ضخامت ۳۰۴ صفحات ہے۔ ۱۳۳۰ھ میں مطبع انوار المطابع لکھنؤ سے شائع ہوا۔

---

[1] یہی ایڈیشن اس باب کی تحریر کے وقت پیش نظر رہا ہے اور اسی کے صفحات کا حوالہ دیا گیا ہے۔

www.ahlehaq.org

www.ahlehaq.org

باب نہم

سیاسی انتشار اور حکومت مغلیہ کے دورِ احتضار میں شاہ صاحب کا مجاہدانہ و قائدانہ کردار

تین نوخیز جنگجو طاقتیں

کتاب کے باب ہشتم میں گزر چکا ہے کہ بارہویں صدی ہجری کا ہندوستان سیاسی انتشار اور اخلاقی حیثیت سے انحطاط و پستی، بدنظمی و طوائف الملوکی اور انتشار و اضطراب کے اس نقطہ پر پہنچ گیا تھا جس کو کسی معاشرہ و نظام کا دمِ واپسیں یا حالتِ احتضار سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ مغلیہ سلطنت ایک حکمراں مسلمان خاندان کے طویل ترین اور وقیع ترین اقتدار کی علامت (Symbol) بن کر رہ گئی تھی جس کے پیچھے نہ کوئی طاقت تھی نہ سلیقہ نہ حوصلہ۔[1]

بظاہر اس وقت سلطنت مغلیہ کی جگہ پر پورے ملک کی قسمت کا فیصلہ کرنے والی تین نوخیز جنگجو طاقتیں تھیں جو علی الترتیب مرہٹہ، سکھ، جاٹ۔

مرہٹے

مرہٹے جن کی سرگرمیاں پہلے دکن میں محدود تھیں اور جن کی حیثیت ایک منظم قانونی

---

[1] ہندوستان (سیاسی حالت)۔

www.ahlehaq.org

حکومت کے خلاف ایک احتجاجی گروہ (AGITATORS) اور چھاپہ مار (GUERRILLAS) طاقت سے زیادہ نہ تھی، مرکزی حکومت کی روزافزوں کمزوری، طالع آزما سرداروں کی باہمی زور آزمائی اور امرائے سلطنت کی کوتاہ نظری کی وجہ سے (جو اپنے حریف کو زک دینے یا زچ کرنے کی نیت سے مرہٹوں سے کام لیتے رہتے تھے) ایک ایسی ہمہ گیر طاقت بن گئے جو دہلی کے تخت پر قبضہ کرنے اور اس خلا کو پُر کرنے کا خواب دیکھنے لگے جو مغلیہ کی فوجی طاقت کی کمزوری اور ان کی انتظامی نااہلی نے پیدا کر دیا تھا۔

۱۷۵۶ء میں[1] ملہار راؤ ہولکر اور رگھوناتھ راؤ نے شمالی ہند پر اپنا تسلط قائم کرنے کا فیصلہ کیا، اور جاٹوں کی مدد سے ۱۷۵۷ء کو دہلی پر حملہ کر دیا، نجیب الدولہ کو مجبور ہو کر صلح کرنی پڑی، اس کے بعد انھوں نے پنجاب کا رخ کیا جو اس اہم جنگی علاقہ کا دروازہ تھا جس سے فاتح ہندوستان میں داخل ہوتے رہے، اور جو ابھی تک کسی غیر اسلامی طاقت کے زیر نگیں نہیں رہا تھا، انھوں نے اپریل ۱۷۵۸ء میں لاہور پر قبضہ کر لیا، اور آدینہ بیگ کو اپنی طرف سے پنجاب کا حاکم مقرر کیا، آدینہ بیگ کے مرنے پر انھوں نے سباجی سندھیا کو پنجاب کا حاکم (گورنر) مقرر کیا۔

صفدر جنگ کے اشارہ پر مرہٹے پہلے دو آبہ میں (جو ان علماء و مشائخ کا مرکز تھا جو خود دہلی کی زیب و زینت تھے) داخل ہوئے، اب دتاجی سیندھیا نے ۱۷۵۹ء میں دکن سے آ کر سارے ہندوستان کے فتح کر لینے کا بیڑا اٹھایا، پہلے روہیلکھنڈ [illegible] اور اودھ کا رخ کیا، اور اس ارادہ سے جمنا کو عبور کیا، ۱۷۵۹ء میں جب دریا قابل عبور ہوئے اس نے گوبند رائے بندیلے کو بیس ہزار لشکر کے ساتھ روہیلکھنڈ میں

---

[1] حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی وفات سے ۵ سال پیشتر۔

اتار دیا۔ اس نے رام گنگا سے اتر کر امروہہ تک (جو دہلی سے زیادہ فاصلہ پر نہیں ہے) ملک لوٹ لیا۔

۲۲ر جولائی سنہ ۱۷۶۰ء (۹ر ذی الحجہ سنہ ۱۱۷۳ھ) کو مرہٹے پایۂ تخت دہلی میں داخل ہوئے یعقوب علی خاں قلعہ دار نے قلعہ حوالہ کر دیا۔ بھاؤ نے قلعہ کی قلعہ داری شنکر راؤ کے سپرد کی اس نے دیوانِ خاص کی نقرئی (سیمیں) چھت کو اتار لیا اور ٹکسال میں بھیج دیا۔ قدم شریف اور حضرت نظام الدین اولیاء کی درگاہ میں سونے چاندی کا جو سامان تھا لے لیا۔ ۱۰ر نومبر سنہ ۱۷۶۰ء (۲۹ر صفر سنہ ۱۱۷۴ھ) کو شاہ جہان ثانی کو معزول کر کے مرزا جوان بخت خلف شاہ عالم عالی گہر کو تخت پر بٹھایا گیا۔ چاہتا تھا کہ خود تیموری تخت پر جلوہ افروز ہو اور وہ ایسا کر سکتا تھا مگر لشکر کے دانشمندوں نے اس کو اس ارادہ سے باز رکھا کہ اس سے پورے ملک میں شورش برپا ہو جائے گی اور رعایا تخت پر کسی مرہٹہ سردار کو بیٹھا دیکھ کر آسانی سے برداشت نہیں کر سکے گی۔ اس وقت مرہٹوں کی مملکت کو جو وسعت حاصل تھی وہ نہ اس سے پہلے کبھی ہوئی تھی نہ اس کے بعد ہوئی۔ اس کی شمالی سرحد اٹک اور ہمالیہ کے پہاڑ تھے، جنوب میں جزیرہ نمائے دکن کے پچھلے سرے یعنی سمندر تک پھیلی ہوئی تھی، جو علاقے ان حدود کے اندر آزاد تھے وہ اس کے باج گزار تھے۔ ان کے پاس آزمودہ کار سپہ سالار ملازم تھے، دس ہزار پیادہ فرنگستان کی قواعد دان ان کے پاس موجود تھی۔ پانی پت کی لڑائی میں ان کے پاس پچپن ہزار سوار تھے اور پندرہ ہزار پیادے تھے، دو سو توپیں (علاوہ قلعہ شکن توپوں کے) ساتھ تھیں، راجپوتوں کی فوج بھی ساتھ ہو گئی تھی۔ اس طرح سب مل کر تین لاکھ لڑنے والے سپاہی ان کے جھنڈے کے نیچے اور زیر قیادت تھے۔

www.ahlehaq.org

بایں ہمہ مرہٹوں کا مزاج شاہانہ اور ذمہ دارانہ نہ تھا، ہندوستان کے ایک مؤرخ کے بقول "وہ آدھے بادشاہ آدھے راہزن تھے"[1] رعایا پروری، ہمدردیٔ خلائق اور انسانی جان و مال، عزت و آبرو کی حفاظت کی تمدنی و معروفی روایات (جو رعونت و نخوت کے موقعوں پر بھی خود مختار حاکموں اور بادشاہوں کی کسی حد تک حفاظت کرتی اور عناں گیر ہوتی رہی ہیں) ایسے شائستہ تاریخی پس منظر (BACK GROUND) نہ ہونے اور اعلیٰ اور واضح تعمیری و سیاسی مقاصد کے مفقود ہونے کی وجہ سے، پھر اس سب کے علاوہ ہندو مذہب و تہذیب کے احیاء کے جذبہ (HINDU REVIVALISM) نے ان میں جارحیت، فیصلوں میں عجلت اور عدم رواداری کی صفت پیدا کر دی تھی، لوٹ کا مال اور اس کی محبت ان کی قومی کمزوری تھی۔

مرہٹوں کی ہنگامہ آرائیوں سے ہندو مسلمان سبھی متاثر ہوتے تھے، دیہاتوں کی بے دردی سے لوٹ مار، لوگوں کے ہاتھ ناک کان کاٹ لینا معمولی غیر معمولی بات تھی، حملہ آور لٹیروں کی نفسانی ہوس کا شکار بلا تفریق مذہب و ملت عورتوں کا پورا طبقہ بنتا تھا، اس میں بھی ہر طرح کے حدود سے تجاوز کر کے بہیمانہ و وحشیانہ عمل کا مظاہرہ کیا جاتا رہا، بنگال کے مشہور شاعر گنگا رام نے بنگال پر ان کے حملوں پر تبصرہ کرتے ہوئے ان تاثرات کا اظہار کیا ہے[2]۔

بنگالی مصنفوں نے بھی مرہٹوں کی اخلاق سوز حرکتوں پر اپنے استعجاب کا اظہار

---

[1] تاریخ ہندوستان از مولوی ذکاء اللہ دہلوی ص ۲۳۰ ج ۹

[2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو جادو ناتھ سرکار کی کتاب FALL OF THE MOGHAL EMPIRE, P. 67

www.ahlehaq.org

گیا۔[1] مرہٹوں کے اقتدار کا عوام پر بڑا اقتصادی اثر پڑا، مولانا غلام علی آزاد بلگرامی کے بقول "ان کی نیت یہ ہے کہ جہاں تک ان کی دسترس ہو خلق خدا کے معاشی ذرائع مسدود کر کے اپنے قبضہ میں کر لیں"۔ مرہٹے مغلیہ سلطنت کے ان دور افتادہ علاقوں سے چوتھ[2] وصول کرتے تھے، یہ لوگ ان کے رحم و کرم پر تھے۔

مرہٹوں کی تاخت صرف فوجی حدود اور عوام کے استحصال ہی کے دائرہ میں محدود نہ تھی، وہ ہندو مذہب و تہذیب کی "احیائیت" (REVIVALISM) پر بھی مبنی تھی، اس تحریک کے قائد اول شیواجی کے متعلق ماؤنٹ سٹوارٹ الفنسٹن (گورنر بمبئی) اپنی تاریخ ہند میں لکھتا ہے:-

"اس کی طبیعت نے ہندوانہ تعصبوں سے تربیت پائی تھی ....
اسی طبیعت پر پھیلا ہونے سے وہ مسلمانوں اور ان کے رسم و رواج سے سخت نفرت اور ہندوؤں اور ان کے طور طریقوں سے بڑی رغبت رکھتا تھا اور یہ ترقی روز افزوں تھی، اس کا یہ مزاج تدبیر ملکی سے ایسا راس آیا تھا کہ اس نے بھگتوں کی صورت بنائی، اور گایوں کی، براہمنوں اور دیوتاؤں کی حمایت کا دعویٰ کیا۔"[3]

---

[1] PISSURLEN: PORTUGUESES, II p. 49

[2] سب سے پہلے شیواجی نے چوتھ وصول کیا جو لگان کا چوتھائی تھا، یہ چوتھ دوسری ریاستوں سے ان کی حفاظت یا حملہ نہ کرنے کے لئے وصول کرتے تھے، جبکہ اپنی مملکت میں کسانوں سے پیداوار کا تیس فی صد لیا کرتے تھے جو بعد میں بڑھ کر چالیس فی صد ہو گیا تھا۔

[3] تاریخ ہند (اردو ترجمہ) ص ۵۳۱ (علی گڑھ ۱۸۶۶ء)

پانی پت کے میدان میں آخری فیصلہ ہونے سے پہلے اور حالات کی نزاکت کا خیال کر کے انھوں نے نواب شجاع الدولہ کی معرفت (جو اس سے پہلے مرہٹوں کے لئے اپنے دل میں نرم گوشہ رکھتے تھے) کوشش کی کہ شاہ ابدالی سے صلح ہو جائے۔ شجاع الدولہ نے ان مسلسل تجربوں اور تلخ حقیقتوں کی بناء پر ان کو جو جواب دیا اس سے مرہٹوں کے قومی مزاج اور ان کی فتح مندی اور غلبہ کے اثرات و نتائج پر اچھی روشنی پڑتی ہے۔

نواب شجاع الدولہ نے کہا:۔

"دکن کے برہمن ہندوستان پر مدت سے متسلط ہیں، ان کے سر پر وفور طمع و حرص و بدعہدی و بدقولی کے سبب سے یہ بلا شاہ درانی کی آئی ہے، ایسوں کے ساتھ کیا کوئی صلح کرے جو کسی کی آبرو اور آسائش کے روادار نہ ہوں، سب چیزیں اپنے اور اپنی قوم کے لئے چاہتے ہوں، آخر سب ان کے ہاتھوں سے ایسے عاجز ہوئے کہ انھوں نے اپنے ناموس اور حفظ آبرو اور رفاہ خلائق کے لئے شاہ ابدالی کو تکلیف کر کے ولایت سے بلایا ہے، اور اس کے صدمات کو مرہٹوں کی ایذا رسانی سے سہل سمجھا ہے۔"[1]

بالآخر ۱۴ جنوری ۱۷۶۱ء (۶ جمادی الآخرہ ۱۱۷۴ھ) کو پانی پت کے میدان میں احمد شاہ ابدالی کی افغانی فوجوں، نواب نجیب الدولہ کے روہیلہ سپاہیوں اور نواب شجاع الدولہ کے لشکر کی متحدہ طاقت سے مرہٹوں کو شکست فاش ہوئی، اور بقول ایک مورخ کے "مرہٹوں کی طاقت چشم زدن میں کافور کی طرح اڑ گئی"۔ احمد شاہ ابدالی کی آمد کے محرکات اور پس منظر اور اس فیصلہ کن جنگ کی مزید تفصیلات جس نے تاریخ کے

---

[1] تاریخ ہندوستان۔ ج ۹ ص ۳۰

www.ahlehaq.org

دھارے کو موڑ دیا۔ شاہ صاحب کے تابناک کارنامہ کے سلسلہ میں آئندہ صفحات پر پڑھیئے گا۔

سکھ

سکھ پنجاب کا ایک مذہبی گروہ تھا جس کی بنیاد پندرہویں صدی عیسوی میں گرو بابا نانک (۱۴۶۹ء – ۱۵۳۸ء) کے ہاتھوں پڑی۔ وہ نفس کشی، اخلاقیات اور سچائی کی تعلیم دیتے تھے۔ سیرالمتاخرین کے بیان کے مطابق بابا نانک نے فارسی اور دینیات کی تعلیم ایک بزرگ سید حسن سے حاصل کی تھی، اور ان کی بابا نانک پر خصوصی نظر تھی۔[1] تیسرے گرو امرداس نے سکھوں کی مذہبی اور معاشرتی تنظیم کے سلسلہ میں سب سے پہلے قدم اٹھایا۔ اکبر بادشاہ ان کے مکان پر ان سے ملنے گیا، اور انھیں ایک بڑی جاگیر عطا کی۔ انھوں نے اخلاقیات کی تعلیم میں گرو نانک کی تعلیمات کی روح کو قائم رکھا اور ہندوؤں کی اوہام پرستی خصوصاً رسم ستی کی کھلم کھلا مخالفت کی اور نکاح بیوگان کے احکام جاری کیے۔ اکبر نے ۱۵۷۷ء میں انھیں ایک وسیع قطعہ اراضی عنایت کیا۔ انھیں کے زمانہ میں امرتسر کے مذہبی مرکز کی بنیاد پڑی۔ اس طرح سکھوں کی قومی زندگی کے لئے ایک روحانی مرکز تیار ہو گیا۔

۱۵۸۱ء میں گرو ارجن اپنے باپ کے جانشین ہوئے۔ انھوں نے سکھوں کو

---

[1] بعض روایات کے مطابق بابا گرو نانک متعدد مسلمان درویشوں اور فقیروں کی صحبت میں رہے۔ ان میں پیر جلال، میاں مٹھا شاہ، شرف الدین، پیر عبدالرحمٰن اور پاک پٹن کے فرید ثانی اور شاہ ابراہیم کے نام خاص طور پر لئے گئے ہیں۔ بعض روایات کے مطابق بابا نانک نے بغداد و حرمین شریفین کا سفر بھی کیا۔ شیخ فرید پاک پٹن سے ان کا خاص ارتباط تھا۔

www.ahlehaq.org

ایک فرقہ کی حیثیت سے منظم کرنے کی مزید کوشش کی، اور گرنتھ کی تدوین عمل میں لائے۔ گرو ارجن نے اپنے آپ کو سچا بادشاہ کے نام سے ملقب کیا جو ان کے سیاسی اقتدار کی ہوس کا پتہ دیتا ہے۔ جہانگیر کے حکم سے گرو کو لاہور میں قید کر دیا گیا، اس لیے کہ انھوں نے اس کے باغی شہزادہ خسرو کی مالی امداد کی تھی، وہاں ان کو قتل کر دیا گیا۔[1] ان کے جانشین ہرگوبند نے علانیہ مخالفت و مزاحمت کا طرز عمل اختیار کیا جس سے سکھوں کی فوجی زندگی کا آغاز ہوا، انھوں نے جلد ہی شاہانہ منصب اختیار کر لیا، وہ شہنشاہ جہانگیر کے خلاف دشمنی کے جذبات رکھتے تھے، اور اپنے باپ کی موت کا اس کو ذمہ دار سمجھتے تھے۔ انھوں نے ہرگوبند پور کا ایک مضبوط قلعہ بنایا جہاں سے نکل کر وہ میدانی علاقوں پر تاخت کرتے تھے، جہانگیر نے انھیں گوالیار کے قلعہ میں نظر بند کر دیا لیکن کچھ عرصہ کے بعد رہا کر دیا، اور ان کا بڑا اعزاز کیا، شاہجہاں کی تخت نشینی کے فوراً بعد انھوں نے کھلم کھلا سرکشی اختیار کر لی اور حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، آخر میں وہ پہاڑیوں کی طرف نکل گئے اور ۱۶۴۵ء میں انتقال کیا۔[2]

۱۶۶۴ء میں اورنگ زیب کے زمانہ میں ہرگوبند کے بیٹے تیغ بہادر گرو منتخب ہوئے، انھوں نے مفروروں اور قاتلوں سکھوں کو پناہ دی، ان کا اقتدار ملک کی ترقی میں حائل ہوا، شاہی دستوں نے ان پر چڑھائی کی اور انھیں قید کر کے دہلی لے آئے

---

[1] گرو ارجن کو حقیقت میں چندو لال نے ذاتی مخالفت کی بنا پر قتل کرایا تھا جو جہانگیر کے یہاں رسوخ رکھتا تھا، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "تاریخ ہندوستان" ج ۵ ص ۔

[2] ملاحظہ ہو J. D. CUNNINGHAM.

A HISTORY OF THE SIKHS OXFORD, 1918, P. 64

جہاں انھیں اورنگ زیب کے حکم سے ۱۶۷۵ء میں سزائے موت دی گئی۔ ان کی موت کے بعد ان کے بیٹے گوبند رائے گورو تسلیم کیا گیا۔ انھوں نے سکھوں کو جو ابتداء میں محض ایک مذہبی ذہن رکھنے والی جماعت تھی ایک جنگجو قوم بنا دیا۔ انھوں نے سکھوں میں جمہوری مساوات کے جذبات کو ابھارا اور انھیں ایک قوم کی صورت میں منظم کرنے کا کام کیا۔ اورنگ زیب کے انتقال تک وہ زندہ رہے۔ اورنگ زیب کے جانشین بہادر شاہ نے گرو کے ساتھ مفاہمت کی کوشش کی اور انھیں دکن کی فوجی کمان عطا کر دی۔ لیکن انھوں نے اکتوبر ۱۷۰۸ء میں ایک افغان ملازم کے زخم سے جانبر نہ ہوتے ہوئے انتقال کیا۔ انھوں نے کسی کو اپنا جانشین نامزد نہیں کیا، اور اپنے پیروؤں کو حکم دیا کہ گرنتھ کو وہ اپنا آئندہ گرو اور خدا کو اپنا واحد محافظ تصور کریں۔

گرو گوبند کا جانشین بندہ بیراگی ہوا جس کی اصل حیثیت سکھوں کے فوجی قائد کی تھی (وہ اصلاً کشمیری راجپوت تھا جس نے سکھ مت اختیار کر لیا تھا) اس نے پنجاب میں وسیع پیمانہ پر رہزنی کی وارداتیں شروع کر دیں۔ اورنگ زیب کی وفات کے بعد سلطنت مغلیہ پر بہت سرعت سے زوال آنا شروع ہو گیا۔ اس کے بیٹوں اور پوتوں کے مابین تخت کے لئے متواتر لڑائی جھگڑے شروع ہو گئے جن کی وجہ سے سکھوں کو کھلم کھلا اپنی طاقت میں اضافہ کرنے کا موقع مل گیا۔ بندہ بیراگی مسلمانوں کو ہزاروں کی تعداد میں بے دردی سے قتل کرتا اور قصبہ بقصبہ لوٹتا ہوا دہلی کے عین قریب دو آبہ میں جا پہنچا۔ مئی ۱۷۱۰ء میں اس نے سرہند پر دھاوا بول دیا، اور لوٹ مار اور قتل و غارت گری کے لئے کھلا چھوڑ دیا۔ قصبہ کے

۱؎ گرو تیغ بہادر کے قتل کی بھی تنہا اورنگ زیب پر ذمہ داری نہیں۔ اس میں ان کے مخالفین کا ہاتھ ہے۔

(جنگ لندن ۱۵ دسمبر ۱۹۸۵ء)

www.ahlehaq.org

باشندوں پر بلا تمیز عمر و صنف ہیبت ناک مظالم توڑے گئے، بہادر شاہ نے پنجاب کا رخ کیا، شاہی فوجوں نے بندہ کو شکست دی لیکن بندہ پہاڑیوں کی طرف نکل گیا، فرخ سیر کی تخت نشینی کے بعد سیاسی انتشار اور شاہی خاندان کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر بندہ بیراگی نے دوبارہ دہشت انگیزی سے کام لینا شروع کیا، بالآخر ۱۷۱۶ء میں اسے دہلی میں لا کر قتل کر دیا گیا، سکھوں کے نزدیک بھی وہ کوئی محترم و محبوب شخصیت نہیں تھا، اس نے مذہب کے عقائد و عبادات میں بھی کچھ تبدیلیاں کیں، اس کی قیادت میں سکھ ایک فوجی طاقت بن گئے، فرخ سیر کے عہد میں پنجاب کے مغل گورنر معین الملک نے (جو میر منو کے نام سے زیادہ مشہور ہے) فرخ سیر کی تعزیری حکمت عملی کو جاری رکھا، مگر سلطنت مغلیہ کے زوال کی رفتار بہت تیز تھی، پنجاب کی حکومت احمد شاہ ابدالی کے پے در پے حملوں کی وجہ سے زیادہ کمزور ہو گئی تھی، سکھوں کو دوبارہ اٹھنے اور ابھرنے کا موقع ملا، وہ نہ صرف احمد شاہ درانی کے فرزند شاہزادہ تیمور کو جو پنجاب کا حاکم تھا، اور جس نے امرتسر پر حملہ کر کے ہر مندر کو منہدم اور مقدس تالاب کو ملبہ سے پُر کر دیا تھا، نکالنے میں کامیاب ہوئے بلکہ لاہور پر عارضی طور پر قبضہ بھی کر لیا، اور ان کے فوجی سردار جسا سنگھ کلال نے اپنے نام کا سکہ بھی جاری کر دیا، لیکن رگھوبا کے زیر کمان مرہٹوں کی آمد (۱۷۵۸ء) پر وہ لاہور سے نکل گئے، احمد شاہ نے پانچویں بار پنجاب کا رخ کیا، پانی پت کی مشہور لڑائی کے بعد جس نے مرہٹہ طاقت کی کمر توڑ دی جونہی احمد نے پیچھا چھوڑا، سکھ پھر نکل آئے، اور انھوں نے اپنی کھوئی ہوئی سلطنت دوبارہ حاصل کر لی، احمد شاہ پھر واپس آیا، اور لدھیانہ میں (۱۷۶۲ء میں) اس نے سکھوں کو شکست فاش دی لیکن اس کے جانے کے بعد ۱۷۶۴ء میں سکھوں نے سرہند کو تخت و تاراج کر کے ویران کر دیا، اور ایک بار پھر لاہور پر قبضہ کر کے خالصہ حکومت

www.ahlehaq.org

کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد سکھ متعدد ریاستوں اور گروہوں میں جن کو مسلیں کہتے تھے منقسم ہو گئے۔ ان پر کوئی حاکم اعلیٰ متعین نہیں تھا اور مذہب کے سوا ان کے درمیان کوئی چیز مشترک نہیں تھی۔ تیس سال کی اس غیر مستقل صورت حال کے بعد پنجاب میں رنجیت سنگھ کا ستارۂ اقبال بلند ہوا۔ جنہوں نے ان مخالف گروہوں کو ایک متحدہ سلطنت کی شکل میں متحد کر دیا۔

سکھ مذہب کا نصب العین ہندوؤں کے مذہبی عقائد کی تطہیر تھا۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ بابا نانک اسلامی تعلیمات سے متاثر تھے۔ چنانچہ ان کا عقیدۂ توحید، بنی نوع انسان کی مساوات اور بت پرستی سے اجتناب وغیرہ اسلام کے اثر کا نتیجہ ہے۔[1]

سکھوں کے مذہبی ادب کی زبان پر فارسی کے گہرے اثرات ہیں۔ خصوصاً ادی گرنتھ میں فارسی و اسلامی، دینی و صوفیانہ الفاظ کی بڑی آمیزش ہے۔[2]

اس کے پورے قرائن موجود تھے کہ یہ اصلاحی تحریک (اگر اپنے اصولوں پر سختی سے قائم رہتی اور ہندو مذہب و تہذیب میں تحلیل نہ ہو جاتی) ہندوستانی معاشرہ میں کوئی انقلابی خدمت انجام دیتی اور سکھ ہندوؤں سے الگ ایک مستقل و ممتاز فرقہ ہوتا جس کی اساس توحید و مساوات پر ہوتی اور اس طرح وہ مسلمانوں کے قریب تر مذہبی گروہ ہوتا، لیکن حکومت وقت کے ساتھ تصادم، اور سیاسی عمل و ردعمل کے بے شمار چکروں نے جو مذہبی و اخلاقی نتائج سے بے پروا ہو کر وقت کے تقاضوں اور جماعتوں کے مفادات کی تکمیل کرتے

۱؎ ملاحظہ ہو جب جی نیز MACAULIFFE ۲ : ۳۴۷

۲؎ تاریخی مواد و معلومات کا بنیادی حصہ "دائرہ معارف اسلامیہ" ج ۱۱ کے مقالہ سکھ سے ماخوذ ہے جو پروفیسر محمد اقبال کے قلم سے ہے۔

www.ahlehaq.org

سکھوں کو مسلم حکومتوں ہی نہیں مسلم عوام سے دور و نفور اور ان سے برسرِ پیکار بنا دیا اور خصوصیت کے ساتھ بارہویں صدی ہجری اور اٹھارویں صدی عیسوی کے وسط میں ان کو ہندوستان کی انتشار انگیز طاقتوں میں ایک متحد اور بڑے بڑے شہروں کے پُر امن شہریوں کے لئے ایک دہشت انگیز اور زلزلہ خیز طاقت میں تبدیل کر دیا۔ ان کے دورِ حکومت میں اکثر اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دورِ اقتدار میں خاص طور پر مساجد و مقابر کی بے حرمتی ہوئی، عبادات میں خلل ڈالا گیا۔ اور یہ وہ صورتِ حال پیدا ہوئی جس کی ترجمانی علامہ اقبال نے اپنے اس شعر میں کی ہے ؎

خالصہ شمشیر و قرآں را ببرد
اندراں کشور مسلمانی بمرد

اس صورتِ حال کے خلاف تیرہویں صدی کے تقریباً وسط اور انیسویں صدی کے ثلث اول میں حضرت سید احمد شہیدؒ (۱۲۰۱ھ - ۱۲۴۶ھ) اور مولانا اسماعیل شہیدؒ (۱۱۹۳ھ - ۱۲۴۶ھ) نے جو شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی دانش گاہ کے تعلیم یافتہ اور ان کے فرزند اکبر شاہ عبدالعزیزؒ کے تربیت یافتہ تھے رنجیت سنگھ کی مذہبی حکومت کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا اور اسی کے ساتھ اپنے اس وسیع و عمیق منصوبہ اور مہم کا آغاز کیا، جو ہندوستان کو غیر ملکی اقتدار سے آزاد کرانے، حکومتِ شرعی کے قیام اور مسلم معاشرہ کی اصلاح و تطہیر اور احیائے دین کے لئے شروع کی گئی تھی۔[2]

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سیرت سید احمد شہیدؒ جلد اول حصہ اول، باب عنوان "پنجاب میں مسلمانوں کی حالت" ص ۱۳ تا ۱۶۔

[2] ملاحظہ ہو سیرت سید احمد شہیدؒ ۱-۲

جاٹ

جاٹ مرہٹوں کی طرح نہ کوئی منظم فرقہ تھے نہ سکھوں کی طرح کوئی مذہبی گروہ، لیکن مغل سلطنت کی کمزوری، سیاسی انتشار اور عام آبادی کے عدم تحفظ کے احساس نے ان میں ایک طرح کی نسلی و جماعتی تنظیم پیدا کر دی تھی اور وہ ایک تخریبی اور انتشار انگیز طاقت بن گئے تھے جس کا مقصد قیام سلطنت اور کوئی سیاسی انقلاب نہ تھا محض گڑبڑ سے ہونے والے حالات سے عارضی فائدہ اٹھانا، استحصال اور اقتصادی مقاصد کی تکمیل تھی۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی اپنی کتاب "شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات" میں لکھتے ہیں:-

"جمنا کے جنوبی علاقہ میں آگرہ سے دہلی تک جاٹ آباد تھے ان کی مشرقی سرحد چنبل تھی اس علاقہ میں ان کی ہنگامہ آرائی کا یہ عالم تھا کہ مرکزی حکومت کا ناک میں دم آ گیا تھا بقول سرکار دہلی اور آگرہ کی سڑک پر ایسا کانٹا برداشت نہیں کیا جا سکتا تھا (FALL, VOL I, P 363) دہلی سے آگرہ نقل و حرکت میں بڑی احتیاط برتنی پڑتی تھی، دکن کو اجمیر ہوتی ہوئی جو فوجیں جاتی تھیں وہ اس علاقہ سے گزرتی تھیں۔

بہادر شاہ کے زمانہ میں اس سڑک کی مخدوش حالات کا اندازہ "دستور الانشاء" کے مطالعہ سے ہوتا ہے (ملاحظہ ہو دستور الانشاء از یار محمد ص ۳۲) ۱۷۱۲ء میں جب شیخ ناشد سے اس علاقہ سے گزرے تو انہوں نے بھی ان ہنگاموں کو دیکھا۔ (LATER MUGHALS, I, P. 321)

www.ahlehaq.org

جان سرمن (JOHN SURMAN) جو ۱۷۱۵ء میں یہاں سے گزرا تھا اس نے جاٹوں کی امن سوز حرکتوں کا ذکر اپنی ڈائری میں کیا ہے:۔

(ORME COLLECTIONS, P. 1694)

شاہ جہاں کے عہد میں جاٹوں نے ایک مرتبہ زبردست شورش برپا کی تھی ۱۰۴۸ھ/۱۶۳۸ء میں متھرا کا فوجدار مرشد قلی خاں ان سے لڑتا ہوا مارا گیا تھا۔

سر جدوناتھ سرکار تاریخ اورنگ زیب جلد پنجم صفحہ ۲۹۲ پر لکھتے ہیں:۔

اورنگ زیب کی شمالی ہندوستان سے غیر حاضری کا فائدہ دو نئے جاٹ لیڈروں راجہ رام اور رام چہرہ نے اٹھایا...... راجہ رام کی قانون شکن حرکتوں کو آگرہ کا گورنر صفی خاں بھی نہ روک سکا۔ جاٹوں نے راستے بند کر دیئے اور بہت سے علاقوں کو لوٹا۔ اور اکبر کے مقبرہ کو لوٹنے کے لئے سکندرہ کا رخ کیا لیکن میر ابو الفضل نے جو وہاں کا فوجدار تھا بہادری سے مقابلہ کیا۔ اور ان کو آگے نہ بڑھنے دیا۔ راجہ رام نے مشہور تورانی افسر اغر خاں کا سامان لوٹا ...... اغر خاں جاٹوں سے لڑتا ہوا مارا گیا۔[1]

ہر چرن داس مصنف چہار گلزار شجاعی کا بیان ہے کہ جب جاٹوں نے پرانی دہلی کو لوٹنا شروع کیا تو دہلی کے باشندے گھبراہٹ اور پریشانی میں گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ وہ دربدر گلی بہ گلی مارے مارے پھرتے تھے۔ بالکل اس طرح جیسے کوئی لوٹا ہوا جہاز ظالم موجوں کے رحم و کرم پر ہو۔ پاگلوں کی طرح ہر شخص پریشان حال اور گھبرایا ہوا نظر آتا تھا۔ (قلمی نسخہ صفحہ ۴۳۱)[2]

---

[1] شاہ ولی اللہ صاحب کے سیاسی مکتوبات از پروفیسر خلیق احمد نظامی صفحہ ۱۷۵   [2] ایضاً صفحہ ۱۷۶

مولوی ذکاء اللہ صاحب ۱۱۷۵ھ کے واقعات میں لکھتے ہیں:-

"آگرہ کے قلعہ میں جاٹوں کا تسلط تھا۔ دہلی سے تیس میل پر جاٹوں کا عمل دخل تھا راجہ سورج مل بڑا ہوشیار صنعت آرائی میں ماہر اور ملک ستانی میں کاردان تھا۔ اس نے آگرہ سے مرہٹہ سردار کو نکال دیا اور میوات پر قبضہ کر لیا۔ چار قلعے نہایت مستحکم بنائے۔ اس نے دلی کی سلطنت سے ایسی درخواستیں کرنی شروع کیں جن سے سلطنت کا ... نواب نجیب الدولہ نے اپنی حسن تدبیر اور روہیلوں کی مدد سے جاٹوں پر فتح حاصل کی۔ راجہ سورج مل نجیب الدولہ کے مقابلہ میں دہلی کے قریب مارا گیا۔ اس کے بعد جاٹوں کی ریاست میں بہت سے جھگڑے برپا ہوئے۔ سورج مل کے دو بیٹے مارے گئے تیسرا بیٹا رنجیت سنگھ راجہ ہوا۔ اس کے عہد میں جاٹوں کی ریاست کا بڑا عروج ہوا۔ ایک ملک پر وہ فرماں روائی کرتے تھے۔ اس کے شمال مغرب میں الور اور جنوب مغرب میں آگرہ تھا۔ اس کی آمدنی دو کروڑ روپے کی تھی۔ ساٹھ ہزار فوج ان کے پاس تھی۔"[1]

دہلی کی حالت

مرہٹوں، سکھوں اور جاٹوں کے حملوں سے جو گویا روزانہ کا معمول بن گیا تھا اور حفاظت و دفاع کی ہر قسم کی طاقت اور اہلیت کے فقدان سے دہلی ایک ایسا بے ثمر اور غیر محفوظ درخت بن گیا تھا جس پر ہر طرف سے خزاں بلا کا حملہ کرتا اور اس کو برگ و بار سے محروم کر دیتا۔ دہلی کے باشندے جو ساری سلطنت میں نہ صرف عزت و احترام کی

[1] مختصراً از "تاریخ ہندوستان" از مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی۔ جلد نہم ص ۲۱۲-۲۱۸

www.ahlehaq.org

نگاہ سے دیکھے جاتے تھے بلکہ علم و زبان، تہذیب و شرافت اور عادات و اطوار میں بھی معیار سمجھے جاتے تھے، "علاّ اور دلی کے لئے "خوانِ یغما" بن گئے تھے، اس عہد کے علماء و مشائخ کے (جن کا شعار "انقطاع الی اللہ اور رضا بالقضاء" ہے) خطوط سے بھی جو انھوں نے اپنے معتقدین و احباب کو لکھے ہیں، اس بدامنی، بے اطمینانی اور بے یقینی کا اندازہ ہوتا ہے، یہاں پر صرف حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے ہم عصر اور سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کے گلِ سرسبد حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں (۱۱۱۱ھ - ۱۱۹۵ھ) کے خطوط کے چند اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں، ایک مکتوب میں لکھتے ہیں :-

از تشویشاتِ شہر و زہ دلی تنگ آمدہ ایم۔	دلی کے روزمرہ کے ہنگاموں اور بے اطمینانی سے تنگ آگیا ہوں۔

ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں :-

از بے حرمتی فقر قصدِ دلی می کنیم۔	بے حرمتی سے تنگ ترکِ دلی کا عزم کرتا ہے۔

ایک اور مکتوب میں وزرائے سلطنت کی بدامنی اور اہلِ شہر کی پریشان حالی کا تذکرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :-

احوالِ مردمِ شہر از بیماری عام و بدامنی ناگفتنی است خدا از ایں بلدۂ معمورہ غضبِ الٰہی بردارد کہ فتنے در امور سلطنت نماند و خدا خبر گیرند۔	عام بیماری اور بدامنی سے اہلِ شہر کی پریشانی کا حال کہاں تک لکھا جائے! خدا اس شہر سے غضبِ الٰہی کا سایہ ہٹائے، باہر نکالے کہ امور سلطنت میں کوئی نظم باقی نہیں ہے۔

---

۱ کلماتِ طیبات، مکتوب ص ۳۰ ۲ ایضاً ص ۲۶ ۳ ایضاً ص ۸۶

www.ahlehaq.org

خدا اپنا فضل فرمائے۔

حملۂ نادری

شاہ صاحب ۱۱۴۵ھ میں حجاز سے دہلی پہنچے تھے، پانچ سال ہی گزرے تھے کہ ۱۱۵۱ھ میں نادر شاہ کا دہلی پر وہ حملہ ہوا جس نے سلطنت مغلیہ کی رہی سہی چولیں ہلا دیں اور دہلی کی خاک اڑا دی۔ اس حملے نے دہلی کے غیرت مند شہریوں اور شریف خاندانوں کے دل و دماغ پر وہ اثر ڈالا کہ وہ زندگی سے بیزار ہو گئے اور اپنے ہاتھوں اپنی موت کا سامان کرنے کے لیے تیار تھے، شاہ عبدالعزیز صاحب کے ملفوظات میں ہے کہ آپ نے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس قتل عام اور عزت و ناموس کی بربادی کے موقع پر اہل دہلی کے شرفاء نے راجپوتوں کے دستور کے مطابق جوہر[1] کا قطعی طور پر ارادہ کر لیا تھا، اس موقع پر والد ماجد (حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ) مسلمانوں کو واقعۂ کربلا اور سیدنا حسینؓ کے مصائب یاد دلا کر اس ارادے سے باز رکھا کہ انھوں نے ان زہرہ گداز و ناقابل تصور مصائب کے باوجود صبر و رضا کی راہ اختیار کی اور خدا کی رضا میں خواہش کشی کی اور خودکشی کا ارادہ نہیں کیا۔

نامساعد و زلزلہ انگیز حالات میں تدریس و تصنیف کی یکسوئی

مرہٹہ گردی، جاٹ گردی، سکھ گردی اور نادر گردی کے ہوش ربا مصائب و زلزلہ

---

[1] جب راجپوت شکست یا ہزیمت سے مجبور ہو جاتے تھے اور عزت و زندگی کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا تھا تو اپنے اہل و عیال کو بھینٹ کر کے جنگ میں کود جاتے تھے۔

www.ahlehaq.org

کے درمیان جو دلی کو زیر و زبر کر کے رکھ دیتے تھے، اور جن میں بعض اوقات نقل مکانی بھی کرنا پڑا "القول الجلی" سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۷۴ھ کے دوران فتنہ میں شاہ صاحب خدام کی استدعا پر وطن مالوف سے مع اہل خانہ و متعلقین منتقل ہو کر قصبہ بڈھانہ میں تشریف لائے، جب رمضان کا مہینہ آیا تو معمول قدیم کے مطابق ایک چلہ کا اعتکاف بھی فرمایا۔ شاہ صاحبؒ درس، تصنیف، دعوت الی اللہ، تزکیۂ نفوس و تربیت طالبین کا کام اس جمعیت خاطر اور اس اہتمام و انصرام کے ساتھ کرتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ دلی ہی نہیں سارے ہندوستان میں معتدل و پرسکون حالات ہیں اور وہ ایک گوشۂ عافیت میں بیٹھے ہوئے علمی تحقیق، فکری رہنمائی اور اخلاقی تربیت اور احیائے ملت کے کام میں ہمہ تن مصروف ہیں، مولانا سید سلیمان ندویؒ نے بڑی خوبی اور بلاغت کے ساتھ اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:۔

"ایسے کم مصنف گزرے ہیں جن کی تصانیف میں ان کے زمانہ کی روح نہ ہویدا ہو گئی زمان و مکان کی جھلک نہ ہو، اور کم از کم یہ کہ اپنے زمانہ کی علمی ناقدر شناسی اور اضطراب احوال کا ذکر نہ ہو، مگر شاہ صاحب کی تصانیف کا یہ حال ہے کہ وہ زمانی مکانی قید سے بالکل پاک، زود رنجی و شکایت اور حرف و حکایت سے سراپا بے نیاز ہیں، یہ معلوم بھی نہیں ہوتا کہ یہ کتابیں اس زمانہ میں لکھی گئی ہیں جب امن و اطمینان اس ملک سے حرف غلط کی طرح مٹ گیا تھا، سارا ملک طوائف الملوکی، خانہ جنگی، سیاسی بدنظمی اور ہر طرح کے شور و شر میں مبتلا تھا، دلی کی سیاسی مرکزیت مٹ چکی تھی، ہر شہر یہ اپنی بادشاہی کا خواب دیکھ رہا تھا، سکھ ایک طرف، مرہٹے دوسری طرف، جاٹ تیسری طرف اور روہیلے چوتھی طرف ملک میں ہڑبونگ مچائے ہوئے تھے"

ے۔ القول الجلی (قلمی)

www.ahlehaq.org

اور نادر شاہ اور احمد شاہ جیسے پرجوش سپہ سالار جس کے دروازے کے پاس کھڑے جب جاتے تھے آندھی کی طرح آجاتے اور سیلاب کی طرح نکل جاتے تھے اس دلی میں دلی حملہ کے کتنی دفعہ لٹی اور کتنی دفعہ بنی مگر شاہ ولی اللہ کے ایوان علم کا امن و اطمینان کہ یہ سب کچھ آنکھوں کے سامنے ہوتا رہا مگر نہ دل کو اضطراب نہ خیال میں انتشار نہ قلم میں اضطراب نہ زبان پر زمانہ کا گلہ نہ قلم سے بے اطمینانی کا اظہار ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بلندی کے جس آسمان پر علم و فضل کے جس بام مکاں پر تھے وہاں تک زمین کی آندھیاں نہیں پہنچتیں اور زمان و مکان کی گرد و غبار وہاں ایک کام نہیں کر سکتی اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ پہلے اہل علم کی شان کتنی بلند اور اصحاب تسلیم و رضا کا منصب کتنا اونچا ہے۔

أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ — اللہ کی یاد ہی سے دل اطمینان پاتے ہیں۔ (الرعد)

صحیح علم کی صحیح خدمت بھی ذکر اللہ کی دوسری شکل ہے اس لئے اگر وہ بھی قلب میں اطمینان اور روح میں سکون پیدا کرے تو عجیب نہیں، شاہ صاحب کی تصنیفات کے ہزاروں صفحے پڑھ جائیے آپ کو یہ معلوم بھی نہ ہوگا کہ یہ بارہویں صدی ہجری کے اس آشوب زمانہ کی پیداوار ہے جب ہر چیز بے اطمینانی اور بدامنی کی نذر تھی صرف یہ معلوم ہوگا کہ علم و فضل کا ایک دریا ہے جو کسی شور و غل کے بغیر سکون و آرام کے ساتھ بہہ رہا ہے جو زمان و مکان کے خس و خاشاک کی گندگی سے پاک و صاف ہے۔[1]

---

[1] شاہ ولی اللہ نمبر الفرقان ص ۳۲۵-۳۲۶

www.ahlehaq.org

سیاسی انتشار اور حکومت مغلیہ کے دور احتضار میں مجاہدانہ و قائدانہ کردار

صرف یہی نہیں کہ شاہ صاحب مصائب و حوادث کے اس گرد و غبار و بلکہ ان کی موسلادھار بارش کے درمیان زیر آسمان بیٹھے ہوئے تصنیف و تحقیق اور درس و تعلیم میں اس طرح منہمک تھے کہ نہ ہوا کے تیز جھونکے سے زیر تسوید کتاب کا کوئی ورق الٹتا تھا، نہ بارش کا کوئی قطرہ اس کے کسی نقش کو مٹاتا تھا، بلکہ وہ ان حالات کو تبدیل کرنے، اس ملک میں مسلمانوں کے اقتدار کو دوبارہ واپس لانے اور ایک فرض شناس، حقیقت پسند، احکام شریعت پر عمل کرنے والی، عام شہریوں کی عزت و ناموس کی محافظ، انتشار انگیز طاقتوں کو ختم کرنے والی مستحکم و خوش حال سلطنت کے قیام کے لئے بھی ساعی اور سرگرم تھے اور اس سلسلہ میں بھی وہ ایسا قائدانہ کردار ادا کر رہے تھے، جو بڑے سے بڑا سیاسی مبصر ادا کر سکتا تھا جس کو تصنیف و تالیف اور درس و تحقیق سے ادنیٰ مناسبت اور ذرہ برابر فرصت نہ ہو۔

مجددین اور احیائے اسلام، اور محققین و مصنفین میں اگر کسی کی زندگی میں یہ جامعیت نظر آتی ہے تو شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی زندگی میں، جنھوں نے سنہ ۷۰۰ھ میں شام کے مسلمانوں کو خون آشام تاتاریوں کا مقابلہ کرنے کی دعوت دی اور ان کے اکھڑتے ہوئے قدم جمائے، پھر جب سلطان مصر محمد بن قلاوون نے شام آکر تاتاریوں سے جنگ کرنے کا ارادہ ملتوی کیا اور اہل شام میں سخت انتشار اور اضطراب پیدا ہوا تو وہ خود مصر گئے اور سلطان کو ملک شام کی حفاظت اور تاتاریوں سے مقابلہ پر آمادہ کیا، اور سلطان کے ساتھ جہاد میں شرکت کی اور تاتاریوں کو ایسی شکست فاش ہوئی جس کی مثال ان کی گزشتہ تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔[1]

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تاریخ دعوت و عزیمت" جلد دوم صفحہ ۴۴-۴۸

www.ahlehaq.org

شاہ صاحب نے بھی اپنے علمی مشاغل اور احیاء و تجدید کی مساعی کے ساتھ ایسے سیاسی تدبر اور دور بینی فراست اور بلند نگاہی سے کام لیا کہ اگر مغلوں میں کچھ بھی صلاحیت یا امرائے سلطنت میں ہمت اور سیاسی شعور ہوتا تو ہندوستان نہ صرف تنگ نظر اور انتشار پسندوں کی حوصلہ آزمائیوں سے محفوظ ہو جاتا، بلکہ انگریزوں کے اس تسلط سے بھی محفوظ ہو جاتا جس نے انیسویں صدی کے وسط میں ہندوستان کو کمزور اور میدان کو خالی پاکر اپنے قدم جما لئے، اور اس کو برطانوی سلطنت میں نہ صرف شامل کیا، بلکہ اس سے وہ قوت اور وسائل حاصل کئے جس نے دنیا کی پوری سیاست پر اثر ڈالا اور مسلم اور عرب ممالک پر اپنا اقتدار جمایا۔

شاہ صاحب کی اس جمعیت خاطر، ہمت و استقامت، بلند نگاہی و اولوالعزمی کو اس کے مقابلے میں ملک کی زوال انگیز فضا کو دیکھتے ہوئے (جس میں نہ کسی تجدید اور نہ مسلسل مشغولیت کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، نہ کسی انقلاب حال اور ترشح عہد زوال کی امید) اقبال کا یہ شعر حقیقت حال کی سچی تصویر معلوم ہوتا ہے ؎

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے ہیں انداز خسروانہ

شاہ صاحبؒ کا احساس و اضطراب

شاہ صاحب جنہوں نے ابتدائے سن شعور میں اورنگ زیب عالمگیرؒ کے دبدبۂ حکومت و اقبال سلطنت کے آثار دیکھے تھے (اور اس سے پہلے کے (جب سلطنت مغلیہ کا ستارۂ اقبال بلند اور جاہ و جلال قائم تھا) قصے وہاں کے بزرگوں اور اہل خاندان سے سنے تھے اور جن کے قلم سے خلافت راشدہ کے کارنامے اور تاریخ اسلام کے عہد زریں کے تابناک نقوش،

www.ahlehaq.org

اسلامی حکومت کے فرائض و ذمہ داریوں اور اس کے ساتھ غیبی مدد اور نصرت کی تفصیل ازالۃ الخفاء کے صفحات پر ثبت ہوئی تھی، ان کی آنکھوں نے مغلیہ سلطنت کے عہد زوال اور فرخ سیر اور محمد شاہ کے زمانہ کی بدنظمی و طوائف الملوکی [illegible] مذہب و ملت، اہل ملک کی جان و مال، عزت و آبرو کا عدم تحفظ [illegible] شعائر اسلام کی بے حرمتی اور مسلمانوں کی (جو چھ سو سال سے اس ملک پر حکومت کر رہے تھے) مجبوری اور بے بسی کا نظارہ دیکھا تو ان کا حساس و درد مند دل خون کے آنسو رویا اور خون کے یہ قطرے ان کے گوہر بار قلم سے ان خطوط کے صفحات پر جو انھوں نے اپنے زمانہ کے بعض اہل دول اور معتمدین کو لکھے ہیں ٹپک پڑے۔ یہاں پر اس کے چند نمونے پیش کیے جاتے ہیں۔ ایک معاصر بادشاہ کے نام[1] سورج مل جاٹ کے دور دورہ اور اسلام کی غربت کا حال بیان کرتے ہوئے ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

ازاں باز شوکت سورج مل افزود	اس کے بعد سے سورج مل کی شوکت
یافت و از دو کروه بیانہ گرفتہ	ترقی پا گئی بیانہ سے دو کوس فاصلے
تا اقصی اکبرآباد طولاً و از حدود	سے اکبر آباد کے آخر تک طول میں
میوات تا فیروزآباد و شکوه آباد	اور میوات کے حدود سے فیروز آباد
عرضاً متصرف شده و اذان و صلاۃ	اور شکوه آباد تک عرض میں سورج مل
مفقود گشتہ کہ برپا دارد۔[2]	قابض ہو گیا کسی کی طاقت نہیں کہ
	وہاں اذان و نماز جاری کر سکے۔

---

[1] جیسا کہ آگے آئیگا اس بات کے پہلے قرائن موجود ہیں کہ یہ خط احمد شاہ ابدالی کے نام لکھا گیا ہے۔

[2] مکتوب بہ بعض سلاطین (شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے سیاسی مکتوبات ۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی ص)

www.ahlehaq.org

اسی مکتوب میں ایک آباد و مردم خیز شہر بیانہ کی ویرانی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

شہر بیانہ کہ شہر قدیم اسلام بود	شہر بیانہ جو کہ اسلام کا قدیم شہر
و علماء و مشائخ از سمت ہفت صد	تھا اور جہاں پر علماء و مشائخ
سال در آں جا اقامت داشتند	سات سو سال سے اقامت پذیر
قہراً و جبراً متصرف گشتہ ہمہ	تھے اس شہر پر قہراً و جبراً قبضہ
مسلمانان را بخواری اخراج نمودند[1]	کر کے مسلمانوں کو ذلت و خواری
	کے ساتھ وہاں سے نکال دیا۔

ملازمین شاہی جن کی تعداد لاکھ سے اوپر تھی کی خستہ حالی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

چوں خزانہ پادشاہ نماند تقدی	جب خزانہ بادشاہ نہیں رہا،
ہم موقوف شد آخر حال ہمہ از	نقدی بھی موقوف ہو گئی آخرکار
ہم پا خیمہ او کاسۂ گدائی در	سب ملازمین تتر بتر ہو گئے اور
دست گرفتہ اند و از سلطنت	کاسۂ گدائی اپنے ہاتھ میں لے لیا
بجز نامے باقی نماند[2]	سلطنت کا بجز نام کے اور کچھ
	باقی نہ رہا۔

مسلمانوں کے مختلف طبقوں کا حال لکھتے ہوئے ان کے قلم سے یہ موثر جملہ نکل گیا ہے:۔

بالجملہ ایں جماعت مسلمین قابل ترحم اند[3]	غرض کہ جماعت مسلمین قابل رحم ہے۔

نواب نجیب الدولہ کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:۔

۱؎ ایضاً ص ۲؎ ایضاً ص ۳؎ ایضاً ص

www.ahlehaq.org

مسلمانانِ ہندوستان چہ دہلی وچہ
غیر آں چندیں صدمات رسیدہ اند
وچند بار نہب وغارت آخر کار
باستخواں رسیدہ است جائے ترحم
است۔[1]

مسلمانانِ ہندوستان نے خواہ وہ
دہلی کے ہوں خواہ اس کے علاوہ
کسی اور جگہ کے کئی صدمات
دیکھے ہیں اور چند بار لوٹ مار کے
شکار ہوئے ہیں، چاقو ہڈی تک
پہونچ گیا ہے، رحم کا مقام ہے۔

شاہ صاحب حقائق و واقعات اور موثر اور طاقتور اسباب پر نظر کرکے یقینی نتائج اور مستقبل قریب کی اس طرح پیشین گوئی کرتے ہیں جس میں قیاس و ذہانت کا دخل نہیں محض حالات کا غیر جانبدارانہ اور حقیقت پسندانہ جائزہ ہے:۔

اگر غلبۂ کفر معاذ اللہ بہمیں مرتبہ
ماند مسلماناں اسلام فراموش
کنند واندک زمانے نگزرد
کہ قومے شوند کہ تمیز اسلام را
نشناسند از کفر را۔[2]

اگر غلبۂ کفر معاذ اللہ اسی انداز پر رہا
تو مسلمانان اسلام کو فراموش کردیں گے
اور تھوڑا ہی زمانہ گزرے گا کہ
یہ مسلم قوم ایسی قوم بن جائیگی کہ
اسلام اور غیر اسلام میں تمیز
نہ کرسکے گی۔

مغل بادشاہوں اور ارکانِ سلطنت کو نصیحت و مشورہ

شاہ صاحب نے خاندان مغلیہ کے سلاطین کے عروج و زوال اور ان کے اسباب کا

[1] مکتوب ہفتم بطرف نجیب الدولہ ص۲۲-۲۳ [2] ایضاً ص۱۲

www.ahlehaq.org

بغور مطالعہ فرمایا تھا (جیسا کہ حجۃ اللہ البالغہ کے اس مضمون سے ظاہر ہوتا ہے جو باب ہفتم میں گزر چکا ہے) سلطنت مغلیہ کے علاوہ انہوں نے دوسری اسلامی سلطنتوں کی تاریخ بھی دقت نظر سے پڑھی تھی اور اس سے انہوں نے وہ حکیمانہ نتائج اخذ کئے تھے جو قرآن مجید کا ایسا ہی حامل اور عالم اخذ کر سکتا ہے جو خدا کے قانون مجازات اور سنت اللہ سے واقف ہے ان سے یہ حقیقت مخفی نہ تھی کہ اس خاندان کا مزاج طویل موروثی سلطنت اسباب عیش و عشرت کی فراوانی اور خود غرض مصاحبین اور مشیران سلطنت کی کوتاہ نظری سے فاسد ہو گیا ہے اور بیماریاں اس کے جسم میں جڑ پکڑ گئی ہیں، وہ عرب فلسفی مورخ علامہ ابن خلدونؒ کے اس حکیمانہ مقولہ سے بھی بے خبر نہ تھے کہ اِن الھرم اِذا نزل بالدولۃ لا یرتفع [1] (جب کوئی سلطنت بڑھاپے کے مرحلہ میں داخل ہو جاتی ہے تو اس کا از سر نو جوان ہونا (عام طور پر) ممکن نہیں ہوتا۔)

لیکن صحیح فکر مندی، سچی طلب اور دل سے لگی ہوئی بات انسان کو ایسی جگہ بھی قسمت آزمائی پر آمادہ کرتی ہے، جہاں کامیابی کی امید موہوم بھی ہو، جب مسافر پر تشنگی کا غلبہ ہوتا ہے اور جان لبوں پر آجاتی ہے، ہزار عقل و دانائی اور تجربوں کے باوجود بھی اس کے قدم پانی کی امید میں چشمۂ سراب کی طرف بے اختیارانہ اٹھ جاتے ہیں کہ عقل کی خود فریبی بھی پیاس کی علامت ہے، عرفی نے کیا خوب کہا ہے ؎

ز نقص تشنہ لبی داں بہ عقل خویش مناز
دلت فریب گر از جلوۂ سراب نخورد

(اپنی پیاس کی کمی کو اس کا سبب سمجھ، اپنی عقل پر ناز نہ کر اگر تیرے دل نے (جان بوجھ کر بھی)

[1] ملاحظہ ہو مقدمۃ ابن خلدون فصل ان الھرم اذا نزل بالدولۃ لا یرتفع صـ۲۰۱

www.ahlehaq.org

سراب کی ظاہری چمک دمک سے دھوکا نہیں کھایا!

لیکن انسان پھر ایک ایسے خاندان کا معاملہ جس نے صدیوں جاہ و جلال سے حکومت کی تھی ایک بے جان اور جامد سراب سے بہرحال مختلف ہے اور اس سے یہ توقع کرنی بیجا نہیں کہ اس میں پھر کوئی با حمیت اور صاحب عزیمت مرد میدان پیدا ہو سکتا ہے جو حالات کا رُخ بدل دے اور جاں بلب سلطنت میں زندگی کی نئی روح پھونک دے شاہ صاحب اپنے عہد کے قرآن مجید کے بڑے رمز شناس اور محرم تھے ان کے سامنے قرآن کی یہ آیت تھی :۔

تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ	تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا اور
فِي اللَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ	تو ہی دن کو رات میں داخل کرتا ہے
وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ	اور تو ہی بے جان سے جاندار پیدا
مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝	کرتا ہے اور تو ہی جاندار سے بے جان
(آل عمران ۔ ۲۷)	پیدا کرتا ہے اور تو ہی جس کو چاہتا ہے
	بے شمار رزق بخشتا ہے۔

اسی بنا پر شاہ صاحب نے سلطنت مغلیہ کے حالات کو اچھی طرح جانتے ہوئے بھی اپنے زمانے کے ایک مغل بادشاہ[1] کو خط لکھا ہے جس میں اس کو اصلاح حال، تقویت سلطنت اور خدا کی رحمت و نصرت کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے ایسے حکیمانہ اور دانشمندانہ مشورے دیئے گئے ہیں جو اعلیٰ درجہ کی حکمت دین، تاریخ و سیاست اور نظم مملکت کے عمیق و وسیع مطالعہ پر مبنی ہے شروع میں لکھا ہے کہ :۔

امیدواری از فضل حضرت باری   اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے

---

[1] افسوس ہے کہ اس مغل بادشاہ کا نام (جس کے نام یہ اہم خط لکھا گیا ہے) معلوم نہیں ہو سکا۔

www.ahlehaq.org

آنست کہ اگر بموجب این کلمات
عمل کنند تقویت امور سلطنت
وبقائے دولت ورفع منزلت
بظہور می رسد فقط

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
آنچہ استاد ازل گفت ہماں می گویم

امید ہے کہ اگر ان کلمات کے بموجب
عمل کریں گے تو امور سلطنت کی
تقویت، حکومت کی بقا اور
عزت کی بلندی ظہور پذیر ہوگی۔

شاعر کہتا ہے۔
کہ مجھ کو آئینہ کے پیچھے طوطی کے مانند
رکھا ہے جو کچھ استاد ازل نے کہا ہے
وہی کہتا ہوں۔

اس خط میں جو بادشاہ وقت اس کے وزیر اور امراء سلطنت کو لکھا گیا ہے[1] چند نہایت دانشمندانہ سیاسی و انتظامی مشوروں کے بعد جن کے بغیر سلطنت کا قیام، رعیت کا آرام اور لوگوں کا اعتماد بحال نہیں ہو سکتا، آخر میں لکھا ہے کہ قاضی اور محتسب ایسے لوگوں کو بنایا جائے جن کو رشوت ستانی کی تہمت نہ لگی ہو اور وہ مذہب اہل سنت والجماعت کے ہوں، نیز یہ کہ ائمہ مساجد کو اچھے طریقہ پر تنخواہ دی جائے، نماز باجماعت کی حاضری کی تاکید کی جائے اور اس کا پورے اہتمام کے ساتھ اعلان کیا جائے کہ ماہ رمضان کی بے حرمتی نہ ہونے پائے آخر میں یہ کہ بادشاہ اسلام اور امرائے عظام ناجائز عیش و عشرت میں مشغول نہ ہوں، گذشتہ گناہوں سے سچے دل سے توبہ کریں اور آئندہ گناہوں سے بچتے رہیں اگر ان کلمات پر عمل کیا جائیگا تو مجھے امید ہے کہ بقائے سلطنت، تائید غیبی اور نصرت الٰہی میسر ہوگی۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔[2]

---

[1] شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات، مکتوب اول بجانب بادشاہ و وزیر و امراء۔

[2] ملاحظہ ہو سیاسی مکتوبات صفحہ [illegible]

www.ahlehaq.org

اس طرح شاہ صاحب نے اپنا وہ فرض ادا کر دیا جو ایک مجدد عالم دین شارح قرآن و حدیث اور وقت کے مصلح اور مجدد کو ادا کرنا چاہیے تھا جو اپنے فرائض اور ذمہ داریوں سے آگاہ اور ان خطرات سے باخبر ہے جو صرف حکمران خاندان ہی کے سر پر نہیں بلکہ پورے اہل ملک کی گردنوں پر ننگی تلوار کی طرح لٹک رہے تھے، شاہ صاحب نے اپنے اسلاف کے اتباع اور تابعین امت کے دستور کے مطابق سرکار دربار سے براہ راست کوئی تعلق نہیں رکھا تھا اور اپنے بوریائے فقر پر متمکن رہے تھے، لیکن حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ اور ان کے جانشین حضرت سید نصیر الدین چراغ دہلیؒ کی طرح ان کا دل حکومت وقت اور اس کی صحیح رہنمائی کے لئے دعا میں مشغول تھا اور ان لوگوں کو جو اس مرکز علمی و روحانی سے تعلق رکھتے تھے وہ اپنے قلم سے صحیح مشورہ دینے میں کسی بخل اور احتیاط سے کام نہیں لیتے تھے، ایک دو بار ایسا بھی ہوا کہ بادشاہ خود اچانک شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور دعا کی درخواست کی۔ اپنے محبوب و معتمد مرید مسترشد اور برادر نسبتی شاہ محمد عاشق پھلتیؒ کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

"جمعرات کے دن بادشاہ[1] حضرت نظام الدین اولیاء اور دیگر مشائخ کے مزارات کی زیارت کرنے کے لئے سوار ہو گیا تھا۔ مجھے پہلے سے اطلاع نہیں تھی۔ کابلی دروازہ سے سواری آتے وقت سوار ہو کر قریب تھا کہ یہ وارد ہوا، فقیر کو کوئی اطلاع ہی نہ تھی، مسجد میں بوریے پر آ کر بیٹھ گیا۔ اس قدر تو قبل ملاقات کرنا لازم ہوئی کہ فقیر جس مصلے پر بیٹھتا ہے اور نماز ادا کرتا ہے اس کو اس طریقہ سے بچھوا دیا کہ اس کی ایک جانب بیٹھ گیا اور دوسری جانب بادشاہ۔ بادشاہ نے اول مصافحہ کیا بڑی تعظیم کے ساتھ چھوڑا، کہا میں مدت سے آپ کی ملاقات کا مشتاق تھا لیکن آج اس جوان کی بھلائی میں

---

[1] اغلب یہ ہے کہ مکتوب میں بادشاہ کا نام صحیح نہیں ہے اور کسی اور ذریعہ سے اس کی وضاحت ہو سکی

www.ahlehaq.org

یہاں بھی ضمناً اشارہ وزیر کی طرف کیا پھر کہا کہ غلبۂ کفر اور عصبیت کا تفرقہ تھا
اس وجہ سے پیدا ہو گیا ہے کہ سب کو معلوم ہے چنانچہ مجھے تو سونا اور کھانا پینا دوبھر
ہو گیا ہے اس بارہ میں آپ سے دعا مطلوب ہے میں نے کہا کہ پہلے بھی میں دعا
کرتا تھا اور اب تو انشاء اللہ اور زیادہ دعا میں مشغول رہوں گا۔

اسی دوران میں وزیر نے مجھ سے کہا کہ حضرت بادشاہ پانچوں وقت کی نماز کا
بڑا اہتمام فرمانے لگے ہیں میں نے کہا الحمد للہ یہ وہ بات ہے کہ ایک مدت کے بعد
سننے میں آ رہی ہے ورنہ اس سے قریب کے بادشاہوں میں سے کسی میں یہ نماز کی پابندی
سننے میں نہیں آئی تھی۔[1]

آخر میں شاہ صاحبؒ نے بادشاہ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وہ وصیت سنائی جو انہوں نے
حضرت عمر فاروقؓ کو خلیفہ بناتے وقت فرمائی تھی:-

"خلیفہ کو بھی عجیب عجیب مشکلات درپیش ہوتی ہیں اعدائے دین کی طرف سے
بھی اور موافقین کی طرف سے بھی ان تمام مشکلات کا بس ایک ہی علاج ہے کہ
رضیات حق کو اپنا نصب العین بنا کر حق تعالیٰ سے ہی مدد طلب کی جائے اور
اس کے غیر سے قطع نظر کر لی جائے۔"[2]

شیخ محمد عاشق کے نام ایک اور خط میں تحریر فرماتے ہیں:-

"بادشاہ[3] اور اس کی والدہ آئے تھے پہلے مسجد میں نماز کا انتظام کیا گیا،
اس صحبت سے بادشاہ کے آنے کی غرض یہ تھی کہ بے تکلف ہو کر کچھ دیر بیٹھے

---

[1] سیاسی مکتوبات ص۱۲۵-۱۲۶ [2] ایضاً ص۱۲۶-۱۲۷ [3] یہاں بادشاہ سے احمد شاہ مراد ہے
جو محمد شاہ کا فرزند و جانشین تھا ۱۱۶۱ھ میں تخت نشین ہوا۔

www.ahlehaq.org

لفرمائیں [illegible] اور [illegible] تر آمیں مخلوق خدا کی

[illegible] ہے خصوصی نفیس [illegible]

[illegible] کا زمانہ طویل موروثی سلطنت کے اثرات اور [illegible] خانہ جنگیاں اور سازشیں اس درجہ کو پہونچ گئی تھیں کہ کوئی بڑے سے بڑا صاحب عزم و [illegible] نہیں کر سکتا تھا [illegible] زوال کو عروج سے، کمزوری کو نئی طاقت اور توانائی سے بدل کر [illegible] ملک کے حالات میں انقلاب نہیں لا سکتا تھا [illegible] تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ جب کسی سلطنت کا زوال اپنے آخری حدود تک پہونچ جاتا ہے اور خانہ جنگیوں اور سازشوں کی سرگرمیاں سلطنت کو [illegible] کی طرح اندر سے کھوکھلا کر دیتی ہیں تو بڑے سے بڑا قوی الارادہ جفاکش اور صاحب [illegible] اس سلطنت میں زندگی کی نئی روح پھونکنے میں ناکام رہتا ہے، متعدد بار ایسا پیش آیا کہ حکمراں خاندان کا آخری آدمی جس کے زمانہ میں سلطنت کا [illegible] پیش آیا اپنے بہت سے پیشروؤں سے بہتر تھا اور اس نے سلطنت کو [illegible] سے بچانے کی جان توڑ کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا، بنی مروان کے خاندان اور بنی امیہ کی سلطنت کے آخری [illegible] مروان بن محمد معروف بہ مروان الحمار (م ۱۳۲ھ) اور خلافت عباسیہ کے خاندان کا آخری فرمانروا مستعصم باللہ (م ۶۵۶ھ) اور کسی حد تک تیموری خاندان کا آخری فرمانروا ابوظفر بہادر شاہ (م ۱۲۷۹ھ / ۱۸۶۲ء) اس کی چند مثالیں ہیں۔

اس لئے ضرورت تھی کہ شاہ صاحب کا جیسا بالغ نظر مصلح، دقیق النظر مؤرخ اور فراست ایمانی کا حامل ہر شخص تمام مغل فرمانرواؤں اور ان کے امرائے دربار سے رابطہ قائم کرنے، ان کے اندر [illegible] حمیت ملی و غیرت دینی بیدار کرنے، بگڑے ہوئے حالات [illegible]

لہ سیاسی مکتوبات [illegible]

اختلاف انگیز طاقتوں سے بچنا آسان ہی پڑتا، وہ اور تیار کرنے پر اکتفا نہ کرکے شاہ صاحب نے درباری امراء کے محدود حلقہ سے باہر نکل کر ان امرائے سلطنت آزمودہ کار قائدین افواج اور عالی حوصلہ سرداروں سے خط و کتابت کی جن کے خاکستر میں ان کی دینی حمیت اور قومی عزت کی کوئی دبی ہوئی چنگاری نظر آئی، ان میں حسب ذیل امرائے سلطنت اور قائدین تھے، وزیر مملکت آصف جاہ[1]، نواب فیروز جنگ نظام الملک کے جانشین، عماد الملک وزیر ملک محمد خان بلوچ، نواب مجد الدولہ بہادر[2]، نواب عبید اللہ خان کشمیری، میاں نیاز گل خان، سید احمد روہیلہ۔

لیکن شاہ صاحب کی نگاہ انتخاب و اختصاص (جس کے ساتھ فراست ایمانی اور الہام ربانی شامل معلوم ہوتا ہے) اس عہد کی دو عظیم شخصیتوں پر پڑی جن میں سے ایک ہندوستان کے اندر کی تھی اور ایک باہر کی، یہ ہماری مراد امیر الامراء نواب نجیب الدولہ اور احمد شاہ ابدالی والیٔ افغانستان سے ہے۔

نواب نجیب الدولہ

نواب نجیب الدولہ[3] میں وہ تمام صفات و خصائص پائے جاتے تھے جو عہد قدیم میں بانیان سلطنت کی خصوصیت ہیں اور جنھوں نے شخصی سلطنتوں اور خاندانوں کے عروج و اقتدار کے عہد میں (جب ذاتی جوہر اور وفاداروں کی جمعیت کا فراہم ہو جانا

---

[1] مجموعہ مکتوبات حضرت شاہ عبدالرحیم و حضرت شاہ ولی اللہ (قلمی) مخطوطہ مسلم یونیورسٹی لائبریری حبیب گنج، ملفوظات ص ۱۲ [2] ان کے نام چار خط ہیں ملاحظہ ہو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے سیاسی مکتوبات ص ۹۶ [3] تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو نجیب التواریخ از نصیر الدین (قلمی نسخہ حبیب گنج) مختصر حالات کے لئے شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات ص ۲۲۰-۲۲۴

www.ahlehaq.org

فتح اور قیام سلطنت کے لئے کافی ہوتا تھا) ابھر کر دار ادا کیا ہے اور ان کے ہاتھوں کسی فتح و تسخیر کے کسی کارنامہ کا ظہور ہوا ہے ان کے اندر اپنے ولی نعمت کے ساتھ وفاداری کا جوہر اپنے رفیقوں اور ماتحتوں کے ساتھ شرافت و احسان کی خو، سپہ گری کا جوہر و شجاعت اور قائدانہ صلاحیت کوٹ کوٹ کر بھری تھی، لیکن تاریخی تجربہ یہ ہے کہ یہ صفات گو ان جنگی طاقتوں کو شکست دینے اور ملک فتح کرنے میں تو کامیاب ہو جاتی ہیں لیکن ایسے ماحول میں جس میں غداری اور کورنگی کو "فن شریف" کا درجہ دیا جائے، بے اصولی و بے کرداری کو اعلیٰ درجہ کی سیاست سمجھا جائے اور موقع سے فائدہ اٹھانے کو دانشمندی اور دور اندیشی تصور کیا جائے، اکثر مفید بننے کے بجائے ناکامیابی پریشانی اور مشکلات پیدا ہونے کا باعث بنتی ہیں، بدقسمتی سے نواب نجیب الدولہ اور آصف جاہ نظام الملک کو ایسا ہی فاسد ماحول ملا تھا، مؤرخین اس کے اعلیٰ کردار اور سپاہیانہ و قائدانہ صلاحیت کی تعریف میں یک زبان ہیں، سر جادو ناتھ سرکار لکھتا ہے:-

> "ایک مؤرخ کی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ اس کی کس خوبی کی سب سے زیادہ تعریف کرے، میدان جنگ میں اس کی حیرت انگیز قیادت کی، یا مشکلات میں اس کی تیز نگاہ یا صحیح رائے کی، یا اس کی اس فطری صلاحیت کی جو اس کو انتشار و ابتری میں ایسی راہ دکھاتی تھی جس سے نتیجہ اس کے موافق نکل آتا تھا"[1]

مولوی ذکاء اللہ دہلوی تاریخ ہندوستان میں لکھتے ہیں:-

"نجیب الدولہ ایسا عاقل ہوشیار و دانشمند تھا کہ کثرت ہونے میں امانت داری

---

[1] SARKAR: FALL OF THE MUGHAL EMPIRE VOL. ... P. 416

[2] تاریخ ہندوستان ... ص ۲۳۲

www.ahlehaq.org

دیانتداری تو اس وقت میں اس پر ختم تھی وہ اپنے پرائے آقاؤں نواب وزیر دوندے خاں روہیلہ، نواب شجاع الدولہ کی فرمانبرداری کئے جاتا تھا، ملہار راؤ ہلکر سے بھی اس کا ساز باز چلا جاتا تھا یاد رہے کہ یہ مرہٹہ پانی پت کی لڑائی سے اپنے ہم وطنوں کو چھوڑ کر بھاگ گیا تھا، غرض یہ ہوا آخر اس ٹوٹی پھوٹی سلطنت کو برباد ہونا تھا۔[1]

شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں:-

نزد نجیب الدولہ نہ صد عالم بود
ادنیٰ پنج روپیہ اعلیٰ پنج صد گر

نجیب الدولہ کے یہاں نو سو[2]
عالم تھے جن میں سے سب سے نیچے
درجہ والے کو پانچ روپیہ اور اعلیٰ کو
پانچ سو روپیہ ملتے تھے۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی کے بقول ۱۷۶۱ء سے ۱۷۷۰ء تک وہ دہلی کی سب سے بڑی شخصیت تھی تمام سیاست اس کے گرد گھومتی تھی اور وہ سارا انتظام حکومت اپنے کاندھوں پر سنبھالے ہوئے تھا۔[3]

شاہ صاحبؒ نے جن کو اللہ تعالیٰ نے مردم شناسی و حقیقت پسندی کا وہ ملکہ عطا فرمایا تھا جو ان لوگوں کو عطا ہوا کرتا ہے جو تاریخ اصلاح و تجدید یا رکارِ آدم گری و مردم سازی میں کوئی بڑا کام کرتے ہیں، قحط الرجال کے اس عہد میں جو مصلحت دوں اور طالع آزماؤں سے بھرا ہوا تھا اپنے کام کی تکمیل و مدد کے لئے نجیب الدولہ کا انتخاب کیا اور ان کی دور بین و باریک بین نگاہ نے اس جوہر قابل اور اس کے اندر دینی حمیت کو دیکھ لیا،

۱؎ تاریخ ہندوستان جلد نہم ص ۱۰۲ ۲؎ ملفوظات ص ۸۳ ۳؎ سیاسی مکتوبات ص ۲۲

www.ahlehaq.org

شاہ صاحب نے ان سے مراسلت شروع کی اور ان چنگاریوں کو فروزاں کرنے کی کوشش کی جو ان کی خاکستر میں دبی ہوئی تھیں، وہ ان کے نام اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:-

خدائے عزوجل آں امیر المجاہدین را	خدائے عزوجل امیر المجاہدین کو
بنصر ظاہر و تائید باہر ختم کناد	نصرت ظاہرہ اور تائید واضح کے ساتھ
و این عمل را بعز قبول رسانیده	مشرف کرے اور اس عمل کو قبولیت کے
ثمرات عظیم و برکات جسیم بر آں مرتب	درجہ میں پہنچا کر بڑی بڑی برکتیں
گرداناد۔	اور نعمتیں اس پر مرتب کرے۔
از فقیر ولی اللہ عفی عنہ بعد سلام	فقیر ولی اللہ عفی عنہ کی جانب سے
محبت شمام واضح آنکہ دعائے نصر	بعد سلام محبت شمام واضح ہو کہ نصرت
مسلمین کردہ می شود واز مرشد غیبی	مسلمین کے لئے یہاں دعا کی جا رہی ہے
نفحات قبول شنیدہ می شود امید	اور مرشد غیبی سے آثار قبول
واثق است کہ خدائے تعالیٰ بر دست	محسوس ہو رہے ہیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ
ایشاں احیاء طریقۂ جہاد فرمودہ	آپ کے ہاتھ پر دینی جہاد کو زندہ
برکات آں عاجلاً و آجلاً نصیب	کرے اور اس کے برکات اس دنیا اور آخرت
کند۔	میں عطا فرمائے گا۔
انہ قریب مجیب۔[1]	انہ قریب مجیب۔

ایک دوسرے خط میں ان کو "امیر الغزاۃ" اور "رئیس المجاہدین" کے لقب سے یاد فرماتے ہیں۔[2]

ایک اور مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

---

[1] سیاسی مکتوبات ص [illegible]   [2] ایضاً ص [illegible]

www.ahlehaq.org

"معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں تائید ملت اسلامیہ اور امداد دولت اسلامیہ کا کام آپ ہی کے زیر انجام پائے گا جو اس کا نتیجہ کا مرتبہ ہے اور یقین ہے آپ کسی طرح کے وساوس و خیالات کو دل میں جگہ نہ دیں انشاء اللہ تمام کام دوستوں کی مرضی اور خواہش کے مطابق انجام پذیر ہوں گے۔"[1]

شاہ صاحب نواب نجیب الدولہ کے نام خطوط میں دعا و تہنیت پر اکتفا نہیں کرتے ان کو بڑے مفید جہادی مشورے بھی دیتے ہیں اور ان غلطیوں اور واقعات کے اعادہ سے کلیتاً محترز رہنے کی تلقین بھی فرماتے ہیں جو اس سے پہلے حملہ آوروں اور مسلمان افواج سے ظہور پذیر ہوئے اور جو خدا کی نصرت و تائید سے مانع بن جاتے ہیں ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

"جب افواج شاہی لشکر دہلی میں ہوں تو اس وقت اس بات کا پورا انتظام ہونا چاہیے کہ شہر دہلی کی عزت و عظمت پامال نہ ہو جائے دہلی والے کئی مرتبہ لوٹ چکے ہیں ہتک عزت اور بے آبروئی کا مزہ دیکھ چکے ہیں اسی وجہ سے مطلب برآری اور مقاصد میں ناکامی تو رہی ہے آخر یہ مظلوموں کی آہ بھی اثر رکھتی ہے اگر اس بار آپ چاہتے ہیں کہ وہ کام جو تشنۂ تکمیل تھے وہ مکمل ہو جائیں تو اس بات کی پوری تاکید پابندی ہونی چاہیے کہ کوئی فوجی دہلی کے مسلمانوں اور غیر مسلموں سے جو ذمی کی حیثیت رکھتے ہیں تعرض نہ کرے۔"[2]

شاہ صاحب متعدد خطوط میں ہندوستان کی ابتری، انتشار پسند اور جنگجو طاقتوں کے خطرہ اور ملک کو ان کے گزند سے محفوظ کر دینے کی ضرورت کی طرف بار بار توجہ دلاتے ہیں جن کا ذکر اس باب کے آغاز میں موجود ہے، کہ اس کے بغیر ملک میں نظم و نسق، امن و امان، شعائر دینی و معابد کی حفاظت اور معتدل اصول کے مطابق (Normal) زندگی گزاری نہیں جا سکتی۔

---

[1] سیاسی مکتوبات ص [illegible]　[2] ایضاً ص [illegible]

www.ahlehaq.org

اس کی وجہ سے سارا ملک مستقل طور پر حالت جنگ اور عسکری نظام کی صورت میں زندگی گذار رہا ہے[1]

شاہ صاحب کو نواب نجیب الدولہ سے زیادہ تعلق خاطر معلوم ہوتا ہے۔ وہ ان سے ایسی توقعات رکھتے ہیں کہ بار بار اس کی تاکید فرماتے ہیں کہ جب وہ کسی مقصد کے لئے عزیمت فرمائیں تو شاہ صاحب کو اس کی ضرور اطلاع کریں تاکہ وہ دعا میں مشغول ہو جائیں[2] نیز ان کو بار بار فتح و کامیابی کی امید دلاتے ہیں اور اس کی پیشین گوئی فرماتے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ

"فقیر کو اس بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے"[3]

شاہ صاحب نے نواب نجیب الدولہ ہی کو احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان بلانے کے لئے خاص ذریعہ بنایا ان کے نام براہ راست خط لکھنے کے علاوہ جو آئندہ صفحات میں آ رہا ہے ان سے بھی خطوط لکھوائے اور ان کو بار بار تاکید کی۔ نواب نجیب الدولہ نے شاہ صاحب کی وفات کے آٹھ سال بعد رجب ۱۱۸۴ھ / ۳۰ اکتوبر ۱۷۷۰ء انتقال کیا پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں کہ :-

"اس کی عدل گستری و بالغ نظری کا یہ واقعہ ہمیشہ تاریخ میں یادگار رہے گا کہ وہ جس وقت بستر مرگ پر آخری سانس لے رہا تھا تو اس نے اپنی فوجوں کو (جو اس کے ساتھ ہاپوڑ کے مقام پر مقیم تھیں اور گڑھ مکتیسر کا سفر کر رہا تھا) حکم دیا کہ گنگا کے میلے میں آنے جانے والے ہندو زائرین کے جان و مال کی پوری حفاظت کی جائے"[4]

---

[1] ملاحظہ ہو مکتوب ششم و ہفتم سیاسی مکتوبات صفحہ [illegible] [2] ملاحظہ ہو مکتوب چہارم و پنجم سیاسی مکتوبات صفحہ [illegible] [3] مکتوب ششم صفحہ [illegible] و مکتوب ہفتم صفحہ [illegible]

[4] سیاسی مکتوبات صفحہ [illegible] بحوالہ سرکار جلد [illegible] صفحہ [illegible]

احمد شاہ ابدالی

شاہ صاحب نے اپنی بالغ نظری، ہندوستان کی صورت حال کے حقیقت پسندانہ مطالعہ، ارکان سلطنت اور امراء و دربار کی بے کرداری اور حکمراں خاندان کی روز افزوں نااہلی سے دو حقیقتیں ایسی بھانپ لی تھیں جو روز روشن کی طرح صاف تھیں، ایک تو یہ کہ ملک کی پہلی ضرورت اس بے نظمی اور طوائف الملوکی کو دور کرنا ہے جس سے نہ اہل ملک کی جان و مال عزت و آبرو محفوظ ہے، نہ کسی تعمیری کام اور بہتر نظم و نسق کی گنجائش ہے جیسا کہ گزشتہ صفحات میں گذر چکا ہے اس افراتفری، بے یقینی اور سراسیمگی کی دائمی فضا کی ذمہ داری ان تین انتشار پسند اور جنگجو گروہوں پر تھی، جو نہ تو کسی ایسے ملک میں حکومت کا تجربہ رکھتے تھے جس میں مختلف مذاہب، قومیں و تہذیبیں صدیوں سے پائی جاتی تھیں اور جس کے انتظام کی ذمہ داری سنبھالنے کے لئے اعلیٰ درجہ کا احساس ذمہ داری، قوت ضبط و تحمل، وسیع النظری اور فراخ دلی ضروری تھی، نہ ان کے پاس ملک کو اعتدال و سکون عطا کرنے، اہل ملک کا اعتماد بحال کرنے اور نظم و نسق کو بہتر بنانے کے لئے کوئی منصوبہ تھا، نہ کوئی تخیل، اس لئے پہلا کام یہ تھا کہ ان تینوں طاقتوں بالخصوص مرہٹوں کے غلبہ کے خطرہ سے ملک کو محفوظ کر دیا جائے جس سے ہندوستان کے اس مرکزی حصہ کو جو حکومتوں کا مستقر رہا ہے یعنی لاہور سے دہلی اور صوبجات متحدہ تک کے علاقہ کو کسی وقت اطمینان نہیں تھا کہ کس وقت میدان جنگ میں تبدیل اور گلزار و پر رونق شہر ایک آزاد شکارگاہ میں تبدیل ہو جائیں گے جہاں شکاریوں کو پُرامن شہریوں کو چڑیوں اور جانوروں کی طرح مارنے کی اجازت ہوگی اور ان کی پشتوں اور نسلوں کا اندوختہ دیکھتے دیکھتے تاراج ہو جائیگا، اس سے دوسرے درجہ پر وہ خطرہ تھا جو سکھوں اور جاٹوں کی شکل میں تہذیب و تمدن

www.ahlehaq.org

وہ دولت و ثروت کے ان مرکزوں کو بلائے ناگہانی کی طرح پیش آتا رہتا تھا۔

دوسری حقیقت یہ بھی کہ اس خطرہ کو دور کرنے کے لئے کسی ایسے تجربہ کار عسکری قائد اور منظم سپاہ کی ضرورت ہے جو نہ صرف جنگی طاقت سے معمور ہو لیکن محض وہی ہو اس کے اندر سپہ گری کے جوہر و شجاعت و بہادری کے سوا۔ ایمانی غیرت و دینی حمیت بھی ہو نیز وہ ان داخلی و ذہنی اختلافات، رقابتوں اور ریشہ دوانیوں اور خود غرضیوں سے محفوظ ہو جو دہلی کے ایوان سلطنت اور ملک کے اہل سیاست کو گھن کی طرح کھا رہی تھیں، اور جن کی موجودگی میں کسی ایسے بلند مقصد کی تکمیل کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی جس میں بجائے کسی شخصی مقصد، مذہبی گروہ یا ذاتی فتح مندی کے حصول کے ملت کا فائدہ، اسلام کی تقویت اور ملک کی حفاظت مقصود و پیش نظر ہو، شاہ صاحب کی نظر میں ایک ذریعہ اور واسطہ کی حیثیت سے تو امیر الامراء نواب نجیب الدولہ کی اہمیت اگر (اور پسندیدہ) ضرورت و افادیت تھی لیکن وہ حالات کی سنگینی کے پیش نظر تنہا کافی نہیں تھے اور ان کے ذریعہ ان طاقتوں کا زور نہیں توڑا جا سکتا تھا جنھوں نے اپنی فوجی طاقت اتنی بڑھا لی تھی کہ ملک کی کوئی واحد فوجی طاقت ان کو شکست نہیں دے سکتی تھی، اس کے لئے ایک تازہ دم بیرونی فوجی قائد کی ضرورت تھی جو اس ملک کے لئے مطلقاً اجنبی اور نو وارد نہ ہو، وہ اس ملک کے نشیب و فراز، باشندگان ملک کی رسم و رواج اور یہاں کے حریف اور نبرد آزما گروہوں کے مزاج اور کمزوریوں سے بھی واقف ہو، اور جو اس کا حوصلہ اور طاقت بھی رکھتا ہو کہ اس ملک کو ان فوری خطروں سے محفوظ کر کے عنان حکومت یہاں کے قدیم حکمران خاندان کے کسی اہل اور باصلاحیت فرد، وفادار صاحب کردار امیر یا وزیر کے حوالہ کر کے واپس چلا جائے کہ یہی حقیقت پسندی، آئینی معقولیت اور حب الوطنی کا تقاضا ہے۔

اس نازک دور اور دشوار کام کے لئے جس میں بہت نازک و دشوار کام کی طرح حضرت

www.ahlehaq.org

ومنفعت کے پہلو ہوا کرتے ہیں) شاہ صاحب کی نظر انتخاب احمد شاہ درّانی (۱۱۳۴ھ تا ۱۱۸۶ھ) والی قندھار پر پڑی جو ہندوستان کے لئے اجنبی اور نو وارد نہیں تھا، وہ ملتان میں پیدا ہوا تھا،[۱] یہاں تک کہ ایک مؤرخ ابدالی [illegible] ہے اس نے مختلف حالات و مقاصد کے تحت ۱۱۶۱ھ سے ۱۱۸۲ھ تک ہندوستان پر ۹ حملے کئے، شاہ صاحب اور نواب نجیب الدولہ کی دعوت اور پانی پت کے معرکہ سے پہلے وہ چھ مرتبہ ہندوستان آچکا تھا، وہ ملک کے نشیب و فراز، طریقۂ جنگ، فوجی طاقتوں کے تناسب اور امراء و ارکین سلطنت کے رجحانات سے واقف تھا، وہ اٹھارویں صدی عیسوی اور بارہویں صدی ہجری کے وسط کے ان ممتاز ترین فوجی قائدین میں تھا جو عرصۂ دراز کے بعد پیدا ہوتے ہیں اور مستقل حکومتوں کی بنیاد رکھتے ہیں، اس نے بڑی خوبی و کامیابی کے ساتھ منتشر افغانوں کی شیرازہ بندی کی، منصفانہ قوانین جاری کئے بلکہ احتساب قائم کیا، وہ سپہ گری، مکارم اخلاق اور شرافت نفس کی صفات کا جامع تھا، علم و ادب کا ذوق رکھتا تھا، فارسی کے ساتھ اپنی قوم میں بہت محبوب و مانوس بھی تھا، وہ بڑا پابند مذہب اور علماء و صلحاء کی مجالست کا خواہش مند، سادات و مشائخ کا ادب کرنے والا، اپنے مذہبی معلومات میں اضافہ اور علمی تبادلۂ خیال کا شائق، رحم دل و فیاض، مساوات اور مذہبی رواداری پر عامل تھا، اس نے بعض ایسی سنتوں کا احیاء کیا جن کا افغانی ماحول میں نام لینا بھی مشکل تھا، مثلاً بیوگان کا نکاح ثانی، وہ خود بھی تعلیم یافتہ اور اہل قلم تھا، اپنی روحانی ترقی کا متمنی رہتا تھا،[۲] فریزر نے لکھا ہے کہ :۔

۱؎ مقالہ (C. COLLIN DAVIES) انسائیکلوپیڈیا آف اسلام

۲؎ احمد شاہ ابدالی کے حالات میں ملاحظہ ہو ڈاکٹر گنڈا سنگھ کی کتاب

AHMAD SHAH DURRANI - FATHER OF MODERN AFGHANISTAN, ASIA PUBLISHING HOUSE, 1949

www.ahlehaq.org

مشرقی ممالک کی بہت سی خرابیوں سے احمد شاہ مبرا تھا، شراب نوشی افیون وغیرہ سے اجتناب کلی کرتا تھا، لالچ اور دنا فقانہ حرکتوں سے پاک تھا، مذہب کا سخت پابند تھا، اس کی سادہ مسکین باوقار عادتیں اس کو ہر دلعزیز بنا دیتی تھیں اس تک پہونچنا آسان تھا، وہ انصاف کا خاص خیال رکھتا تھا کبھی کسی نے اس کے فیصلہ کی شکایت نہیں کی۔[1]

احمد شاہ درانی شاہ صاحبؒ کے زمانہ میں چھ مرتبہ ہندوستان آکر اور مقامی اور وقتی ضرورتوں کو پورا کر کے واپس جا چکا تھا، ان حملوں میں اپنی فوجی طاقت کے مظاہرہ اور وقتی ضروریات کی تکمیل کے علاوہ اس نے کوئی اور مفید کام انجام نہیں دیا تھا، اس کی فوج نے دینی، اسلامی تعلیمات وآداب کی پابندی بھی نہیں کی تھی جن کی ایک پابند شریعت مسلمان سے توقع کی جاتی ہے، اس کے بعض حملوں سے شاہ صاحبؒ اور ان کے متعلقین کو بھی پریشانی ومصائب برداشت کرنے پڑے تھے، لیکن ان کمزوریوں اور تلخ تجربات کے باوجود وہی ایک ستارۂ امید تھا جو اس تاریک افق پر نظر آتا تھا، مولانا محمد عاشق صاحب پھلتی کا بیان ہے کہ اس سے پہلے بھی شاہ صاحبؒ یہی فرماتے تھے "شد را دریں دیار غلبہ شدنی است" (اس کا اس علاقہ پر غلبہ ہوگا) ایک مرتبہ بہادر خاں بلوچ کے سوال کے جواب میں فرمایا "دریں ملک غلبہ کلی وے خواہد شد" (اس ملک پر اس کا پورا غلبہ ہوگا) ایک مرتبہ اس کی موت کی افواہ گرم ہوئی شیخ محمد عاشق کے دریافت کرنے پر فرمایا:-

وے چہ معلوم شدہ نیست کار احمد شاہ — جو معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ احمد شاہ
درانی بار دیگر دریں ملک می آید ایں — درانی اس ملک میں پھر آئیگا اور

---

[1] HISTORY OF THE AFGHANS ماخوذ از سیاسی مکتوبات ص ۲۲۵-۲۲۶

کفار را براندازد و دین را رواج دہد | ان کفار کو زیر و زبر کرے گا باوجود
او را از ظلم برائے ہمیں کار گذاشتہ | ظالم کے جو وہ کر رہا ہے اس کو
اند۔[4] | اسی لئے اب تک اللہ نے باقی رکھا
| ہے وہ یہی کام ہے۔

شاہ صاحبؒ کو امید تھی کہ اللہ تعالیٰ شاہ ابدالی کے حالات کی اصلاح فرمائیگا اور اس سے وہ کام لے گا جو نظام ہو یا اب کسی دوسرے امیر یا قائد کے بس کا نہیں ہے۔ حکیم ابو الوفا کشمیری سے ایک مرتبہ فرمایا کہ ابدالی کو حصول مقصد میں جو دشواریاں پیش آ رہی ہیں وہ اس وبال ظلم کی بنا پر ہیں جو اس نے (اپنے پہلے حملوں میں) ہندوستان کے شہروں پر کئے ہیں بعد کو اس کے حالات ٹھیک ہو جائیں گے۔[1]

شاہ صاحبؒ احمد شاہ ابدالی سے ملک کو اس غیر یقینی صورت حال اور انتشار سے محفوظ کر دینے اور سلطنت کو شاہی خاندان کے کسی لائق تر آدمی کے حوالہ کر دینے کا کام لینا چاہتے تھے، شاہ صاحبؒ نے اس کی آمد سے پہلے پیشین گوئی کی تھی اور فرمایا تھا کہ ابدالی یہاں نہ ٹھہرے گا بلکہ اولاد ملوک میں سے کسی کے حوالہ کر کے چلا جائیگا۔[2]

بالآخر شاہ صاحبؒ نے احمد شاہ ابدالی کو نجیب الدولہ سے خطوط لکھوائے پھر براہ راست ایک پُر زور و پُر اثر خط لکھا جو شاہ صاحب کی سیاسی بصیرت، دینی حمیت، اخلاقی جرأت اور زور انشاء کا آئینہ دار ہے[3]، اس خط میں ہندوستان کی موجودہ صورت حال، اس کا قدیم طرز حکومت، اس کے مختلف صوبوں کا نظم و نسق، ملک کی مختلف نسلی و مذہبی گروہوں

---

[1] ماخوذ از سیاسی مکتوبات ص ۲۰۲-۲۰۳ [2] ایضاً ص ۲۰۳ [3] ایضاً

[4] پورا خط ملاحظہ ہو مکتوب دوم بعض سلاطین کے عنوان سے شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات ص ۶۱

www.ahlehaq.org

کی تعداد و طاقت کا تناسب ان کے بارے میں مسلمان بادشاہوں کی سیاسی غلطیوں اور کوتاہ نظری ان کا تدریجی طور پر طاقت پکڑ لینا اور اقتدار حاصل کرنا اس سلسلہ میں مرہٹہ اور جاٹ کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور ان کے اقتدار اور بار بار کے حملوں سے غربت اسلام اور مسلمانوں کی مظلومیت کا دلدوز نقشہ کھینچا گیا ہے اور اس باحمیت مسلمان تاجدار کو جو اس وقت ہندوستان سے لے کر ایران تک سب سے بڑی منظم فوجی طاقت کا مالک تھا اس صورت حال کا مقابلہ کرنے اور سلطنت مغلیہ کو اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے اور ملک کی ذمہ داری سنبھالنے کا موقع دینے پر آمادہ کیا گیا ہے اور صفائی کے ساتھ لکھا گیا ہے:۔

درین زمانہ پادشاہ صاحب اقتدار	اس زمانہ میں ایسا بادشاہ جو
وشوکت باشد و قادر بشکست لشکر	صاحب اقتدار اور شوکت ہو اور
کفار و دور اندیش جنگ آزمائی غیر آں	لشکر مخالفین کو شکست دے سکتا ہو
ملازمان آنحضرت موجود نیست[۱]	دور اندیش و جنگ آزما ہو سوائے
	آنجناب کے کوئی اور موجود نہیں۔

آگے لکھتے ہیں:۔

ما بندگان الٰہی رسول خدا صلے اللہ	ہم بندگان الٰہی حضرت رسول اللہ
علیہ وسلم شفیع می آریم و بنام خدائے	صلے اللہ علیہ وسلم کو شفیع بناتے ہیں
عزوجل سوال می نمائیم کہ ہمت	اور خدائے عزوجل کے نام پر التجا
بانہمت را بجانب جہاد کفار	کرتے ہیں کہ ہمت مبارک کو

۱؎ سیاسی مکتوبات ص ۱۲

ایں نواحی بصورت قرآنیستاد پیش
خدائے عزوجل آں اہل سبیل دہند
اعمال آنحضرت ثبت شود و بدیوان
مجاہدین فی سبیل اللہ نام آں
نوشتہ شود و در دنیا غنائم بے حساب
بدست غازیان اسلام افتد و
مسلمانان از دست کفار نجات یابند۔

اس جانب توجہ فرمانا متعین ہے
مقابلہ کریں تاکہ خدائے تعالیٰ کے
یہاں بڑا ثواب جناب کے نامۂ اعمال
میں لکھا جائے اور مجاہدین فی سبیل اللہ
کی فہرست میں نام درج ہو جائے
دنیا میں بے حساب غنیمتیں ملیں اور
مسلمان دست کفار سے خلاصی
پا جائیں۔

اسی خط میں انھیں سیاسی بصیرت اور حالات سے گہری واقفیت کی بنا پر مرہٹوں کی ان زور خیز طاقتوں کے بارے میں جن کا کسی مقابل منظم طاقت کے نہ ہونے کی وجہ سے ہیبت و طاقت کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی اور ان کو ناقابل شکست سمجھا جاتا تھا صحیح اندازہ پیش کیا ہے جو ایک تجربہ کار قائد اور سیاسی مبصر ہی پیش کر سکتا ہے مرہٹوں کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

"قوم مرہٹہ کا شکست دینا آسان کام ہے بشرطیکہ غازیان اسلام کمر ہمت باندھ لیں حقیقت یہ ہے کہ قوم مرہٹہ خود قلیل ہے لیکن ایک گروہ کثیر ان کے ساتھ ملا ہوا ہے ایک گروہ میں سے ایک مست کو بھی اگر درہم برہم کر دیا جائے تو یہ قوم منتشر ہو جائیگی اور اصل قوم ہی شکست سے ضعیف ہو جائیگی کیونکہ یہ قوم قوی نہیں ہے اس لئے ان کا تمام سلیقہ اسی قدر فوج جمع کرنا ہے جو چیونٹیوں اور ٹڈیوں سے زیادہ ہو، دلاوری اور سامان حرب کی بہتات ان کے یہاں نہیں ہے۔"[2]

---

[1] سیاسی مکتوبات ص ۱۰۱ [2] ایضاً ص ۸۶

www.ahlehaq.org

شاہ صاحب کی ہدایت کے مطابق نجیب الدولہ نے احمد شاہ ابدالی کو جو خطوط لکھے پھر شاہ صاحب نے جو طویل و مؤثر خط براہ راست لکھا (جس کا کچھ اقتباس اوپر گذرا) وہ بے اثر نہیں رہا، احمد شاہ ابدالی نے ۱۱۷۳ھ (۱۷۵۹ء) میں مرہٹوں کا زور توڑنے اور نجیب الدولہ اور شجاع الدولہ کی مدد کرنے کے لئے (جنھوں نے اس موقع پر سیاسی شعور اور اسلامی اتحاد کا ثبوت دیا تھا) ہندوستان کا قصد کیا، ایک سال ذیلی جنگوں اور حملوں میں گذر گیا، آخر ۱۱۷۴ھ (۱۴ جنوری ۱۷۶۱ء) کو پانی پت کے میدان میں مرہٹوں اور افغانوں اور ہندوستانی اسلامی متحدہ محاذ کے درمیان وہ فیصلہ کن جنگ ہوئی جس نے ہندوستان کی تاریخ کا رخ بدل دیا، اور مرہٹوں کو ہندوستان کے نئے ابھرتے ہوئے سیاسی نقشہ سے باہر نکال دیا، اس جنگ کا مختصر حال مولوی ذکاء اللہ صاحب مؤلف "تاریخ ہندوستان" کے الفاظ میں لکھا جاتا ہے[1]:-

"لڑائی میں بڑا گھمسان ہو گیا مگر اب بھی مرہٹوں کا پلہ بھاری تھا، احمد شاہ نے اپنے بھگوڑے سپاہیوں کو پھر کر قتل کرنے کا حکم سنا اور یہ کہہ دیا جو بھاگے گا مارا جائے گا۔ بعد اس کے اس نے اپنی صف کو آگے بڑھنے کا حکم دیا، ایک پیادہ کو اپنے بائیں طرف دشمن کے بازو پر حملہ کا حکم دیا، اس تدبیر کا تیر ٹھیک نشانہ پر بیٹھا، قلب میں پیادوں میں بھلا سوا اس کے دو گھوڑوں پر سوار لشکر کو لڑا رہے تھے خنجر اور کمان شہ بازی ہو رہی تھی کہ یکایک خدا معلوم کیا ہوا کہ مرہٹوں کے لشکر کا قدم میدان جنگ سے اکھڑ گیا، قدم کا اکھڑنا تھا کہ میدان جنگ کا ان کے مردوں سے بھر گیا تھا، لشکر اسلامیہ نے ان کا تعاقب بڑے جوش و خروش سے ہر جانب میں ۲۸ ہزار ہندو ۲۸ ہزار تہ تیغ کیا

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ ہندوستان جلد نہم ص ۲۰۳-۲۰۹

اور مرہٹوں کو مار مار کر ڈھیر لگا دیا۔ جو مرہٹے ان دشمنوں کے ہاتھ سے بچ گئے ان کو گنواروں نے مار ڈالا۔ سداشیو راؤ بھاؤ مارے گئے۔ جنکوجی سیندھیا کو کسی درانی نے چھپا رکھا تھا۔ وہ بھی دریافت کرنے سے پکڑا گیا اور مارا گیا۔ ابراہیم خان گاردی بھی قید ہوا۔ ایک ہفتہ کی مدت میں اس کے زخموں پر بھی مرہم رکھا گیا۔ تھیر بلاد بھی بھاگتے ہوئے مارے گئے۔ نانا جی مہادا جی بچ کر نکل گیا۔ آپاجی سیندھیا بھی لنگڑا ہو کر وہاں سے بچ نکلا۔ ان دو سرداروں کے سوا کوئی اور نامور سردار نہیں بچا۔ مرہٹوں کو ایسی شکست کبھی نہیں ہوئی تھی نہ ایسی مصیبت پڑی تھی۔ اس سے ساری قوم کا دل پژمردہ و افسردہ ہو گیا۔ اس صدمے سے بالاجی پیشوا تھوڑے دنوں کے بعد مر گیا جب شکست کی خبر پہنچی تھی ایک مندر میں بیٹھا اشلوک پڑھانا اختیار کر لیا تھا۔[1]

بقول ایک مؤرخ کے "مرہٹوں کی طاقت چشم زدن میں کافور کی طرح اڑ گئی" سر جدوناتھ سرکار نے لکھا ہے کہ مہاراشٹر میں کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں صف ماتم نہ بچھ گئی ہو لیڈروں کی پوری نسل ایک ہی معرکہ میں غائب ہو گئی۔[2]

شاہ صاحب کے نقشے کے مطابق احمد شاہ ابدالی نے وقت کا یہ ضروری کام انجام دے کر افغانستان کی طرف عنان عزیمت موڑ دی۔ مولوی ذکاء اللہ لکھتے ہیں:۔

بعد میں فتح کے احمد شاہ پانی پت سے کوچ کر کے دہلی میں آیا اور چند روز متوقف رہا۔ ہندوستان کا بادشاہ شاہزادہ علی گوہر یعنی شاہ عالم کو مقرر کیا اور بادشاہ سے شجاع الدولہ کے وزیر اور نجیب الدولہ کے امیر الامراء ہونے کی سفارش کی۔ شاہ عالم اس وقت

---

[1] تاریخ ہندوستان جلد نہم ص [2] شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات ص

دہلی میں نہ تھا اس لئے اس کے بیٹے جواں بخت کو بادشاہ کا نائب دہلی میں مقرر کیا اور نجیب الدولہ کو دہلی کا منتظم مقرر کیا اور شجاع الدولہ کو خلعت دے کر اودھ اور الہ آباد کے صوبوں پر بھیج دیا اور خود قندھار کو چلا گیا۔[1]

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں کہ:-

"جنگ پانی پت کے بعد احمد شاہ ابدالی نے شاہ عالم کو دہلی بلانے کی بے حد کوشش کی اور اپنا آدمی بھیجا۔ جب نہ آیا تو احمد شاہ ابدالی نے شاہ عالم کی والدہ نواب زینت محل سے خط لکھوایا۔ احمد شاہ نے شاہ عالم کو بلانے کی کوشش اس لئے کی تھی کہ وہ انگریزوں کے اثر سے نکل آئے اور دہلی آکر احمد شاہ کی موجودگی میں اپنی طاقت کا استحکام کرلے۔"[2]

خلیق صاحب لکھتے ہیں کہ:-

"مرہٹوں، جاٹوں، سکھوں کی تحریکیں اتنی وسعت اور ہمہ گیری نہ رکھتی تھیں کہ وہ ہندوستان کی مرکزیت و وحدت کو برقرار رکھنے کی تدبیر سوچیں۔ شاہ صاحب اپنے پورے نظام میں اکبر، جہانگیر، شاہجہاں اور اورنگ زیب کے زمانہ کی مرکزیت اور سلطنت ہند کے اقتدار اعلیٰ کو بحال دیکھنا چاہتے تھے لیکن اس طرح سے کہ مطلق العنان بادشاہوں کے بجائے انصاف کی حکومت ہو۔"[3]

اگر سلطنت میں تھوڑی سی بھی جان ہوتی تو وہ جنگ پانی پت کے نتائج سے فائدہ اٹھا کر اپنے اقتدار کو ہندوستان میں پھر کچھ صدیوں کے لئے قائم رکھ سکتی تھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ مغلیہ سلطنت اس وقت بے روح جسم کی مانند تھی۔ جنگ پانی پت کا اصلی فائدہ تو فاتحین جنگ پلاسی نے اٹھایا۔[4]

---

[1] تاریخ ہندوستان جلد ۹ صفحہ ۲۶۲ [2] سیاسی مکتوبات صفحہ ۲۰۴ [3] ایضاً صفحہ ۳۴ [4] ایضاً صفحہ ۴۴

شاہ عالم نے اپنی پست ہمتی اور کوتاہ نظری سے یہ زریں موقع کھو دیا اور ساری کی ساری اور خود اپنی والدہ زینت محل کے مشفقانہ خط کے باوجود پورے دس برس کے بعد ۱۱۸۵ھ کے آخر میں ۲۵ دسمبر ۱۷۷۱ء کو قلعہ میں داخل ہوا، اس کے بعد اس کے اور اس کے جانشینوں کے ساتھ جو کچھ پیش آیا وہ تاریخ میں تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ اس کا نقطۂ عروج (CLIMAX) ۱۸۵۷ء کا انقلاب سلطنت بلکہ اختتام سلطنت ہے (اگرچہ سلطنت برائے نام تھی) جو انگریزوں کے ہاتھ پیش آیا جنھوں نے اپنی دانشمندی اور سیاسی ذہانت سے ہندوستان پر تسلط کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔

شاہ صاحب کے بعد ان کے صحیح جانشین اور علم و بصیرت اور غیرت و حمیت دینی کے وارث ان کے فرزند ارجمند سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنے والد ماجد کے شروع کیے ہوئے کام کو نہ صرف جاری رکھا بلکہ اس کی توسیع و تکمیل کی کوشش کی اور سیاسی حالات کی تبدیلی کے ساتھ اپنی توجہ اس وقت کے سیاسی میدان کے اصل حریف اور حقیقی طاقت (انگریزی اقتدار) کی طرف موڑ دی جس نے اب خطرہ سے ابھر کر (جس کے دیکھنے کے لیے سیاسی بصیرت درکار ہوتی ہے) واقعہ کی شکل اختیار کر لی تھی جس کے دیکھنے کے لیے بصارت بھی کافی ہوتی ہے۔[1]

شاہ عبدالعزیزؒ کے بعد انہیں کے دانش گاہ کے دو تربیت یافتہ صاحب عزیمت داعی و مصلح حضرت سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ نے حضرت شاہ صاحبؒ کے سیاسی نقشہ میں (جو انھوں نے نظری طور پر "حجۃ اللہ البالغہ" اور "ازالۃ الخفا" کے صفحات اور تفہیمات میں پیش کیا تھا) رنگ بھرنے کی کوشش کی اور اس کو خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کی اساس پر قائم کرنے کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دی، انھوں نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی

---

[1] اس اجمال کی تفصیل باب یازدہم میں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے سلسلہ میں آچکی۔

www.ahlehaq.org

تعلیمات اور ان کی دی ہوئی روشنی سے کتنا فائدہ اٹھایا، ان کے عزائم کتنے بلند، ان کی نگاہ کتنی دور بیں، ان کا قلب کتنا وسیع اور فراخ تھا، وہ پنجاب کے مسلمانوں کو سکھوں کی فوجی حکومت کے استحصال و استیصال کی اسی طرح کی فوری مصیبت سے بچانے کے بعد (جس طرح شاہ ولی اللہ صاحب نے مرہٹوں اور جاٹوں کے روزمرہ کے قتل و غارت گری سے اپنے وقت کے احول و معاشرہ کو بچانے کی کوشش کی تھی) اور انگریزوں کو جن کو وہ "بیگانگان بعید الوطن تاجران متاع فروش" کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں نکالنے کے بعد ہندوستان کو وہ کس طرح آزاد کرانا اور اسلام کے عدل و مساوات کے اصول پر اس کا نظم و نسق قائم کرنا چاہتے تھے، اس کا اندازہ ان کے مکاتیب سے ہوگا جو انھوں نے سلاطین وقت، امراء، ناداروں، صاحب حیثیت مسلمانوں اور مؤثر شخصیتوں و اعیان ریاست کو لکھے ہیں۔[1]

اس طرح اس سلسلے کے اہل دعوت و عزیمت کو یہ کہنے کا حق ہے کہ ؎

آشفتہ ایم ہر سر خارے ز خون دل
قانون باغبانیٔ صحرا نوشتہ ایم

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "سیرت سید احمد شہید" جلد دوم کا "دسواں باب جہاد اور اس کے مقاصد و اسباب" ص [illegible]

باب دہم

امت کے مختلف طبقات کا احتساب

اور

ان کو دعوتِ اصلاح و انقلاب

شاہ صاحب کا امتیاز

عام طور پر جن علمائے کبار کا ذوق علمی، تصنیفی اور تحقیقی ہوتا ہے اور ان کو ذکاوتِ باریک بینی اور دقیقہ رسی سے حصۂ وافر عطا ہوتا ہے، وہ عام طور پر مطالعۂ کتب، علمی مباحث پر تحقیق و تدقیق یا تدریس و تصنیف کے شغل میں ہمہ تن منہمک و مستغرق رہتے ہیں اور معاشرہ کے مختلف طبقات اور عامۃ المسلمین کی کمزوریوں اور بیماریوں سے یا تو بے خبر ہوتے ہیں یا ان کے لئے اس عوامی سطح تک اترنا اور اس علمی نظری بلندی سے (جس میں دنیا کی ہر لذت و حلاوت سے بڑھ کر لذت و حلاوت ہوتی ہے) نزول دشوار ہوتا ہے۔

علمائے سلف میں اس بارے میں دو شخصیتوں کا واضح طریقہ پر استثناء کیا جا سکتا ہے:

ایک حجۃ الاسلام امام غزالی (متوفی ۵۰۵ھ) کا جنھوں نے اپنی شہرۂ آفاق و زندۂ جاوید کتاب احیاء علوم الدین میں اپنے زمانہ کے مسلم معاشرہ اور ملت اسلامیہ کے مختلف طبقات کی بیماریوں اور کمزوریوں کی اس طرح نشاندہی کی ہے کہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ

www.ahlehaq.org

اپنے زمانہ کی عوامی زندگی اور معاشرہ کے مختلف طبقات سے علماء کے حلقہائے درس اور مشائخ کی مجالس ذکر و فکر سے لے کر خلفاء و سلاطین کے درباروں، امراء کے ایوانوں اور رؤساء کے عشرت خانوں تک، اور ان محل سراؤں سے لے کر اہل حرفہ و تاجروں کی دکانوں اور بازاروں کے پرشور ہنگامہ خیز احوال تک سے واقف ہیں، اور جانتے ہیں کہ نفس و شیطان نے کس کس طرح سے علماء و رؤساء کے مختلف طبقوں اور عوام و خواص کے مختلف حلقوں کو فریب دے رکھا ہے، دینی مفاہیم و حقائق کس طرح تبدیل ہو گئے ہیں، اور وہ مقصد اصلی (سعادت اخروی اور رضائے الٰہی) سے کس طرح غافل ہیں۔[1]

یہی مقالہ اجمال و تفصیل اور طرز و اسلوب کے فرق کے ساتھ علامہ ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ) کا اپنی مشہور تصنیف تلبیس ابلیس میں ہے، اس کتاب میں انھوں نے اپنے زمانہ کی پوری مسلمان سوسائٹی کا جائزہ لیا ہے اور مسلمانوں کے ہر طبقہ اور جماعت کو سنت و شریعت کے معیار سے جانچا ہے اور اس کی کمزوریوں، بے اعتدالیوں اور غلطیوں کی نشاندہی کی ہے اور اس بارے میں کسی طبقہ کی رعایت نہیں کی، علماء و محدثین فقہاء و واعظین، ادباء و شعراء، سلاطین و حکام، عبّاد و زہّاد، صوفیائے اہل دین اور عوام سب کا بے لاگ احتساب کیا، اور ان کے مغالطوں کا پردہ چاک کیا ہے۔[2]

لیکن جہاں تک تلبیس ابلیس کا تعلق ہے، یہ تنقید و احتساب زیادہ تر "سلبی" اور منفی انداز کا ہے، اس کے ساتھ اصلاح حال کی مفصل و پرزور "مثبت" دعوت نہیں ہے، اگر ہے تو مقدار و تاثیر میں اس کے درجہ کی نہیں ہے، غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے

---

[1] تفصیل اور مثالوں کے لئے ملاحظہ ہو احیاء علوم الدین ج ۳ و تاریخ دعوت و عزیمت حصہ اول ص [illegible]

[2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تلبیس ابلیس از ص ۱۹ تا ۴۱۰ و تاریخ دعوت و عزیمت ج ۱ ص ۲۲۳ تا ۲۳۹

موضوع کے دائرہ میں اس سے زیادہ گنجائش نہیں تھی۔

مختلف طبقاتِ امت سے خصوصی خطاب

ان نامور شہرۂ آفاق علماء و داعیانِ دین و معلّمینِ اخلاق کے بعد (جو اپنے اصلاحی و تربیتی مقام کے ساتھ عظیم المرتبت عالم و مصنف بھی تھے) ہمیں (اپنے محدود مطالعہ میں) اس سلسلہ میں شاہ ولی اللہ صاحب کا کارنامہ سب سے زیادہ روشن اور تابناک نظر آتا ہے، انھوں نے سلاطینِ اسلام، امراء و ارکانِ دولت، فوجی سپاہیوں، اہلِ صنعت و حرفت، مشائخ کی اولاد (پیرزادوں) غلط کار علماء، متقشّف اور خود رو گیر واعظوں اور تارک الدنیا و عزلت گزیں زاہدوں کو علیحدہ علیحدہ خطاب کیا ہے، ان کی دُکھتی ہوئی رگوں پر انگلی رکھی ہے اور ان کی اصل بیماریوں اور خود فریبیوں کی نشاندہی کی ہے، ان سب کے علاوہ امتِ اسلامیہ سے عمومی اور جامع خطاب فرمایا ہے اور ان کے امراض کی تشخیص کی ہے اور ان کا علاج بتایا ہے، ان خصوصی خطابات میں شاہ صاحب کے دل کا درد، اسلامی حمیت کا جوش، دعوت کا جذبہ اور زورِ قلم اس نقطۂ عروج پر ہے جس کی شان سابق الذکر مصلحین و ناقدین اور ان کی مذکورہ بالا کتابوں میں نہیں ملتی۔[1] شاہ صاحب کی مشہور کتاب "التفہیمات الالٰہیۃ"[2] (جلد ۱-۲) سے یہاں پر مختلف اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں جن میں آپ نے اپنے زمانہ کے مختلف ممتاز اور صاحبِ اثر طبقوں کے سربراہوں سے خطاب کیا تھا۔[3] ان خصوصی خطابات سے شاہ صاحب کی ژرف نگاہی

---

[1] یہ کتاب مجلس علمی ڈابھیل سورت کی طرف سے ۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۶ء میں مدینہ برقی پریس بجنور سے دو جلدوں میں شائع ہوئی۔

[2] شاہ صاحب کی اصل عبارت عربی میں ہے، اس کا ترجمہ خود پیش کرنے کے بجائے ہم نے فاضل گرامی ... کا ... نقل کیا ہے۔

www.ahlehaq.org

حکمت دعوت، اخلاقی جرأت اور واقفیتِ معاشرہ و فقہ کا ایسا اظہار ہوتا ہے جس کو دیکھ کر ہیچ کا ایک ایسا طالب علم جو اس عہد و معاشرہ کی زبوں حالی، اہلِ علم و اہلِ قلم کی مصلحت اندیشی اور داعیوں و مصلحوں کی اصلاحِ حال سے مایوسی کی کیفیت سے واقف ہے انگشت بدنداں رہ جاتا ہے اور بے اختیار کہہ اٹھتا ہے۔ ع

ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی؟

سلاطین اسلام سے خطاب

"اے بادشاہو! اہلِ عقل کی رائے اس زمانہ میں اس امر پر متفق ہو چکی ہے کہ تم تلواریں کھینچ لو اور اس وقت تک نیام میں داخل نہ کرو جب تک کہ مشرک بالکلیہ جدا نہ ہو جائے اور اہل کفر و فسق کے سرکش لیڈر کمزور بوڑھوں کے گروہ میں جا کر شامل نہ ہو جائیں اور یہ کہ ان کے قابو میں پھر کوئی ایسی بات نہ رہ جائے جس کی بدولت وہ آئندہ سر اٹھا سکیں، "وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلّٰهِ" (یعنی ان سے جنگ کرتے رہو تا آنکہ فتنہ فرو ہو جائے اور دین صرف اللہ کے لئے مخصوص ہو جائے) پھر جب کفر و اسلام کے درمیان ایسا کھلا نمایاں امتیاز پیدا ہو جائے تب تمہیں چاہئے کہ ہر تین دن

(باقی حاشیہ ص کا) مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کے اس مضمون کے تبصرہ پیش کرنے کا شرف حاصل ہے جو الفرقان کے شاہ ولی اللہ نمبر کے لئے آخر میں حضرت کا "ایک عجیب خط" کے عنوان سے لکھا تھا۔ اس مضمون میں شاہ صاحب کے ان مکتوبات کو اردو میں ترجمہ کر کے پیش کیا ہے، اور ان پر مختلف عنوانات لگائے ہیں اس طرح شاہ صاحب کے مبارک تذکرے کے ساتھ ایک فلسفی و مفکرِ عالم کی نئی چیز تازہ اور زندہ رہے گی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

www.ahlehaq.org

یا پندرہ دن کے سفر کی منزلوں پر ایک ایک حاکم مقرر کرو ایسا حاکم جو عدل و انصاف کا مجسمہ ہو، قوی ہو جو ظالم سے مظلوم کا حق وصول کر سکتا ہو اور خدا کے حدود کو قائم کر سکتا ہو، اور اس میں سرگرم ہو کر پھر لوگوں میں بغاوت و سرکشی کے جذبات پیدا نہ ہوں نہ وہ جنگ پر آمادہ ہوں اور نہ دین سے مرتد ہونے کی کسی میں جرأت باقی رہے، نہ کسی گناہ کبیرہ کے ارتکاب کی کسی کو مجال ہو، اسلام کا کھلے بندوں اعلان ہو اور اس کے شعائر کا علانیہ اظہار کیا جائے ہر شخص اپنے متعلقہ فرائض کو صحیح طور پر ادا کرے، چاہیے کہ ہر جگہ کا حاکم اپنے پاس اتنی قوت رکھے جس کے ذریعے اپنی متعلقہ آبادی کی اصلاح کر سکتا ہو۔

مگر اس کے ساتھ اس کو اتنی قوت فراہم کرنے کا موقع نہ دیا جائے جس کے بل بوتے پر وہ خود ان سے نتیجہ گیر ہونے کی تدبیر سوچنے لگے اور حکومت کے مقابلہ پر آمادہ ہو جائے۔

چاہیے کہ اپنے متعلقہ مقبوضات کے بڑے علاقوں اور اقلیم پر ایسے امیر مقرر کیے جائیں جو جنگی مہمات کا بھی اختیار رکھتے ہوں، ایسے امیر کے ساتھ بارہ ہزار کی جمعیت رکھی جائے مگر جمعیت ایسے آدمیوں سے بھرتی ہو جن کے دل میں جہاد کا ولولہ ہو اور خدا کی راہ میں کسی کی ملامت سے خوفزدہ نہ ہوں، ہر سرکش اور متمرد سے جنگ اور مقابلہ کی ان میں صلاحیت ہو ...... ے بار رشاد ہوا جب تم یہ کر لو گے تو اس کے بعد ملأ اعلیٰ کی رضامندی یہ چاہے گی کہ تم لوگوں کی منزل اور عائلی زندگی کی طرف توجہ کرو ان کے باہمی معاملات کو سلجھاؤ اور ایسا کرو کہ پھر کوئی معاملہ ایسا نہ ہونے پائے جو شرعی قوانین کے مطابق نہ ہو اس کے بعد

www.ahlehaq.org

لوگ امن وامان کی صحیح مسرت سے فائز المرام ہو سکتے ہیں۔

امیروں اور ارکان دولت سے خطاب

اے امیرو! دیکھو کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے دنیا کی فانی لذتوں میں تم ڈوب جاتے ہو اور جن لوگوں کی نگرانی تمہارے سپرد ہوئی ہے ان کو تم نے چھوڑ دیا ہے تاکہ ان میں بعض بعض کو کھاتے اور نگلتے رہیں کیا تم علانیہ شرابیں نہیں پیتے؟ اور پھر اپنے اس فعل کو تم برا بھی نہیں سمجھتے تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ بہت سے لوگوں نے اونچے اونچے محل اس لئے کھڑے کئے ہیں کہ ان میں زناکاری کی جائے، شرابیں ڈھالی جائیں، جوا کھیلا جائے لیکن تم اس میں دخل نہیں دیتے اور اس حال کو نہیں بدلتے کیا حال ہے ان بڑے بڑے شہروں کا جن میں چھ سو سال سے کسی پر حد شرعی نہیں جاری ہوئی جب کوئی کمزور مل جاتا ہے تو اسے پکڑ لیتے ہو اور جب قوی ہوتا ہے تو چھوڑ دیتے ہو تمہاری ساری ذہنی قوتیں اس پر صرف ہوتی ہیں کہ لذیذ کھانوں کی قسمیں پکاتے رہو اور نرم گداز جسم والی عورتوں سے لطف اٹھاتے رہو، اچھے کپڑوں اور اونچے مکانات کے سوا تمہاری توجہ اور کسی طرف منعطف نہیں ہوتی کیا تم نے اپنے سر کبھی اللہ کے سامنے جھکائے؟ خدا کا نام تمہارے پاس صرف اس لئے رہ گیا ہے کہ اپنے تذکروں اور قصے کہانیوں میں اس نام کو استعمال کرو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے لفظ سے تمہاری مراد زمانہ کا انقلاب ہے کیونکہ تم اکثر بولتے ہو خدا قادر ہے کہ ایسا کرے یعنی زمانہ کے انقلاب کی یہ تعبیر ہے۔

۱۔ تفہیمات الٰہیہ جلد اول ترجمہ ۲۱۵ تا ۲۱۹

www.ahlehaq.org

فوجی سپاہیوں کو خطاب

"اے فوجیو! اور عسکریو! تمہیں خدا نے جہاد کے لئے پیدا فرمایا تھا مقصد یہ تھا کہ اللہ کی بات اونچی ہوگی اور خدا کا کلمہ بلند ہوگا اور شرک اور اس کی جڑوں کو تم دنیا سے نکال پھینکو گے لیکن جس کام کے لئے تم پیدا کئے گئے تھے اسے تم چھوڑ بیٹھے اب جو تم گھوڑے پالتے ہو ہتھیار جمع کرتے ہو اس کا مقصد صرف یہ رہ گیا ہے کہ بس اس سے اپنی دولت میں اضافہ کرو، اس سلسلہ میں جہاد کی نیت سے تم بالکل خالی الذہن ہوچکے ہو۔ تم شرابیں پیتے ہو، بھانگ کے پیالے چڑھاتے ہو ڈاڑھیاں منڈواتے ہو اور مونچھیں بڑھاتے ہو، عام لوگوں پر زیادتیاں اور ظلم کرتے ہو حالانکہ جو کچھ ان کا لے کر کھاتے ہو اس کی قیمت ان تک نہیں پہنچتی۔ —خدا کی قسم تم عنقریب اللہ کی طرف واپس جاؤ گے پھر تمہیں وہ بتائے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔ تمہارے ساتھ خدا کی یہ مرضی ہے کہ اچھے پارسا صالحین نمازیوں کا لباس اور ان کی وضع اختیار کرو، چاہئے کہ اپنی ڈاڑھیاں بڑھاؤ، مونچھیں کترواؤ پنج وقتہ نماز ادا کیا کرو اور عام لوگوں کے مال سے بچتے رہو، جنگ اور مقابلہ کے میدان میں ڈٹے رہو، تمہیں چاہئے کہ سفر اور جنگ وغیرہ کے موقع پر نماز میں جو آسانیاں اور رخصتیں رکھی گئی ہیں انہیں سیکھو، مثلاً قصر کرنا، جمع کرنا، سنتوں کے ترک کرنے کی اجازت ہے اس سے واقف ہونا، تیمم کی اجازت سے مطلع ہونا، پھر اس کے بعد نماز کو خوب زور سے پکڑ لو اور اپنی نیتوں کو درست کرلو اللہ تعالیٰ تمہارے جاہ و منصب میں برکت دے گا اور دشمنوں پر پیہم فتح عطا فرمائے گا"[1]

[1] مقامات ص ۲۱۶

www.ahlehaq.org

اہل صنعت و حرفت سے خطاب

ارباب پیشہ! دیکھو دیانت کا جذبہ تم سے مفقود ہو گیا ہے، تم اپنے رب کی عبادت سے بالکل غافل ہو چکے ہو، اور تم اپنے فرضی بنائے ہوئے معبودوں پر قربانیاں چڑھاتے ہو، تم مدار[1] اور سالار[2] کا حج کرتے ہو، تم میں بعض لوگوں نے بھانڈ بازی اور ڈھولک اور گنڈے وغیرہ کا پیشہ اختیار کر رکھا ہے، یہی ان کی دولت ہے اور یہی ان کا ہنر ہے، یہ لوگ خاص قسم کا لباس اور جامہ اختیار کرنے میں خاص طرح سے گھڑے ہوئے ہیں، ان میں جس کی آمدنی کم ہوتی ہے وہ اپنی عورتوں اور بال بچوں کے حقوق کی پروا نہیں کرتے، تم میں بعض صرف شراب خوری کو پیشہ بنائے ہوئے ہیں، اور تم میں ہی کچھ لوگ عورتوں کو اپنے پیچھے لگا کر پیٹ پالتے ہیں، یہ کیسا بدبخت آدمی ہے، اپنی دنیا و آخرت دونوں کو برباد کر رہا ہے حالانکہ حق تعالیٰ نے تمہارے لئے مختلف قسم کے پیشے اور کسب کے دروازے کھول رکھے ہیں جو تمہاری اور تمہارے متعلقین کی ضرورتوں کے لئے کافی ہو سکتے ہیں، بشرطیکہ تم اعتدال کی راہ اپنے خرچ میں اختیار کرو اور محض اتنی روزی پر قناعت کرنے کے لئے آمادہ ہو جاؤ جو تمہیں آسانی سے اخروی زندگی کے منازل تک پہنچا دے لیکن تم نے خدا کی ناشکری کی اور غلط راہ حصول رزق کی اختیار کی، کیا تم جہنم کے عذاب سے نہیں ڈرتے جو بڑا ہی کڑوا ہے۔

---

[1] شاہ بدیع الدین مدار مکنپوری مراد ہیں جو شاہ مدار کے نام سے مشہور ہیں۔ [2] سید سالار مسعود غازی بہرائچ جن کے جھنڈے نکالے جاتے ہیں اور لوگ دور دور سے آکر ان کے عرس میں شریک ہوتے ہیں۔

www.ahlehaq.org

دیکھو! اپنی صبح و شام کو تم خدا کی یاد میں بسر کیا کرو اور دن کے بڑے حصہ کو اپنے پیشہ میں صرف کرو اور رات کو اپنی عورتوں کے ساتھ گذارو اپنے خرچ کو اپنی آمدنی سے ہمیشہ کم رکھا کرو، پھر جو بچ جایا کرے اس سے مسافروں کی مسکینوں کی مدد کیا کرو اور دیکھو اپنے اتفاقی مصائب اور ضرورتوں کے لئے پس انداز کیا کرو۔ تم نے اگر اس راہ کو اختیار نہ کیا تو تم غلط راہ پر جا رہے ہو اور تمہاری تدبیر درست نہیں ہے۔"[1]

پھر اسی طرح مشائخ کی اولاد، اس زمانہ کے طلبۂ علم اور واعظوں زاہدوں کو بھی آپ نے خصوصیت کے ساتھ پکارا ہے مثلاً مشائخ کی اولاد کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

مشائخ کی اولاد یعنی پیرزادوں سے خطاب

"اے وہ لوگو! جو اپنے آباؤ اجداد کے رسوم کو بغیر کسی حق کے پکڑے ہوئے ہو یعنی گذشتہ بزرگان دین کی اولاد میں ہو، میرا آپ سے سوال ہے کہ آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ ٹکڑیوں ٹکڑیوں، ٹولیوں ٹولیوں میں آپ بٹ گئے ہیں، ہر ایک اپنے اپنے رنگ میں اپنی اپنی سنک میں آلاپ رہا ہے اور جس طریقہ کو اللہ نے اپنے رسول محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے نازل فرمایا تھا اور محض اپنے لطف و کرم سے جس راہ کی طرف راہنمائی فرمائی تھی اسے چھوڑ کر ہر ایک تم میں ایک مستقل پیشوا بنا ہوا ہے اور لوگوں کو اسی کی طرف بلا رہا ہے اپنی جگہ اپنے کو راہ یافتہ اور راہ نما ٹھہرائے ہوئے ہے حالانکہ در اصل وہ خود گمراہ

---

[1] ایضاً ص۲۱۷

www.ahlehaq.org

اور دوسروں کو بھٹکانے والا ہے۔ ہم ایسے لوگوں کو قطعاً پسند نہیں کرتے جو محض لوگوں کو اس لئے مرید کرتے ہیں تاکہ ان سے نذرانے وصول کریں، ایک علم شریعت کو سیکھ کر دنیا ڈھونڈتے ہیں کیونکہ جب تک اہل دین کی شکل و شباہت اور طرز و انداز وہ نہ اختیار کریں گے دنیا حاصل نہیں ہو سکتی۔

اور نہ ہم ان لوگوں سے راضی ہیں جو سوائے اللہ و رسول کے خود اپنی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں اور اپنی مرضی کی پابندی کا لوگوں کو حکم دیتے ہیں، یہ لوگ بہت بڑا راہزن اور گمراہ ہیں، ان کو تم دجالوں کذابوں فتانوں اور ان لوگوں میں سے جانو جو فتنہ اور آزمائش کے شکار ہیں۔

خبردار! خبردار! ہرگز اس کی پیروی نہ کرنا جو اللہ کی کتاب اور رسول کی سنت کی طرف دعوت نہ دیتا ہو اور اپنی طرف بلاتا ہو، اور بچا رہے کہ زبانی جمع خرچ صوفیائے کرام کے اشاروں کے متعلق عام مجلسوں میں کیا جائے کیونکہ مقصود (تصوف) سے صرف یہ ہے کہ آدمی کو احسان کا مقام حاصل ہو جائے، لوگو! دیکھو کیا تمہارے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس ارشاد میں کوئی عبرت نہیں ہے۔

وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا	یہ میری راہ ہے سیدھی تو اس پر چلو
فَاتَّبِعُوهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ	اور مختلف راہوں کے پیچھے نہ پڑو وہ
بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ۔ (الانعام ۱۵۳)	تمہیں اللہ کی راہ سے بچھڑا دیں گے؟[1]

پھر اس زمانہ کے طلبۂ علم کو خطاب کرکے فرماتے ہیں:۔

[1] ایضاً ص ۲۱۳

www.ahlehaq.org

غلط کار علماء سے خطاب

"اے بدقسمتو! جنھوں نے اپنا نام "علماء" رکھ چھوڑا ہے تم یونانیوں کے علوم میں ڈوبے ہوئے ہو اور صرف ونحو و معانی میں غرق ہو اور سمجھتے ہو کہ یہی علم ہے یاد رکھو! علم یا تو قرآن کی کسی آیت محکم کا نام ہے یا سنت ثابتہ قائمہ کا۔ چاہیے کہ قرآن سیکھو پہلے اس کے غریب لغات کو حل کرو پھر سبب نزول کا پتہ چلاؤ اور اس کے مشکلات کو حل کرو اسی طرح جو حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صحیح ثابت ہو چکی ہے اسے محفوظ کرو یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نماز کس طرح پڑھتے تھے وضو کرنے کا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا کیا طریقہ تھا اپنی ضرورت کے لئے کس طرح جاتے تھے روزے کیونکر رکھا کرتے تھے حج کا آپ کا کیا طریقہ تھا گفتگو کا کیا انداز تھا اپنی زبان کی حفاظت کس طرح فرماتے تھے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیا تھے، چاہیے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی پوری روش کی پیروی کرو اور آپ کی سنت پر عمل کرو مگر اس میں بھی اس کا خیال رہے کہ جو سنت ہے اسے سنت ہی سمجھو، نہ کہ اسے فرض کا درجہ عطا کرو، اسی طرح چاہیے کہ جو تم پر فرائض ہیں انہیں سیکھو مثلاً وضو کے ارکان کیا ہیں نماز کے ارکان کیا ہیں زکوٰۃ کا نصاب کیا ہے قدر واجب کیا ہے میت کے حصوں کی مقدار کیا ہے پھر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی عام سیرت کا مطالعہ کرو جس سے آخرت کی رغبت پیدا ہو صحابہ اور تابعین کے حالات پڑھو اور یہ چیزیں نوافل سے فاضل اور زیادہ ہیں لیکن ان دنوں تم جن چیزوں میں الجھے ہوئے ہو اور

www.ahlehaq.org

جس راہ پر سرگرم ہے بجز اس کو آخرت کے علم سے کیا واسطہ یہ دنیا کمانے کا ذریعہ ہے[1]

پھر ان ہی طلباء کو فرماتے ہیں :-

"جن علوم کی حیثیت صرف ذرائع اور آلات کی ہے (مثلاً صرف و نحو وغیرہ) تم ان کی حیثیت آلہ اور ذریعہ ہی کی سمجھو، نہ کہ خود انہی کو مستقل علم بنا بیٹھو، علم کا پڑھنا تو اس لئے واجب ہوا کہ اس کو سیکھ کر مسلمانوں کی بستیوں میں اسلامی شعائر کو رواج دو لیکن تم نے دینی شعائر اور اس کے احکام کو تو چھپایا انہیں اور لوگوں کو ذرائع از ضرورت باتوں کا مشورہ دے رہے ہو۔

تم نے اپنے حالات سے عام مسلمانوں کو یہ باور کرا دیا ہے کہ علماء کی بڑی کثرت ہو چکی ہے، حالانکہ ابھی کتنے بڑے بڑے علاقے ہیں جو علماء سے خالی ہیں، اور جہاں علماء پائے بھی جاتے ہیں وہاں بھی دینی شعائر کو غلبہ حاصل نہیں ہے"[2]

پھر آپ نے ان لوگوں کو بھی مخاطب کیا ہے جنہوں نے اپنے وسوسوں کا نام دین رکھ چھوڑا ہے، اور جو ان کے وسواسی معیار پر پورا نہیں اترتا، گویا دین سے وہ خارج ہے، اس گروہ میں زیادہ تر زہاد، عباد اور وعاظ ہی اس زمانہ میں مبتلا تھے اسی لئے عنوان کا آغاز انہیں سے کیا گیا ہے، فرماتے ہیں :-

دین میں تنگی پیدا کرنے والے واعظوں اور کنج نشیں زاہدوں سے خطاب

"دین میں خشکی اور سختی کی راہ اختیار کرنے والوں سے میں پوچھتا ہوں اور

---

[1] ایضاً ص ۲۱۶ [2] ایضاً ص ۲۱۵

www.ahlehaq.org
www.ahlehaq.org

واعظوں اور عابدوں اور ان کے ہم نشینوں سے سوال ہے جو خانقاہوں میں بیٹھے ہیں کہ جبہ پہنے او دین کو غائب کرنے والو! تمہارا کیا حال ہے، ہر بری بھلی بات ہر رطب و یابس پر تمہارا ایمان ہے، لوگوں کو تم جعلی اور گھڑی ہوئی حدیثوں کا وعظ سناتے ہو، اللہ کی مخلوق پر تم نے زندگی تنگ کر چھوڑی ہے، حالانکہ تم تو زینت امت محمدیہ! اس لئے پیدا ہوئے تھے کہ لوگوں کو آسانیاں بہم پہنچاتے نہ کہ ان کو دشواریوں میں مبتلا کر دو گے۔ تم ایسے لوگوں کی باتیں دلیل میں پیش کرتے ہو جو بیچارے مغلوب الحال تھے اور عشق و محبت الٰہی میں عقل و ہوش کھو بیٹھے تھے، حالانکہ اہل عشق کی باتیں وہیں کی وہیں لپیٹ کر رکھ دی جاتی ہیں نہ کہ ان کا چرچا کیا جاتا ہے۔ تم نے وسواس کو اپنے لئے گوارا کر لیا ہے اور اس کا نام احتیاط رکھ چھوڑا ہے حالانکہ تمہیں صرف یہ چاہیے تھا کہ اعتقاداً و عملاً احسان کے مقام کے لئے جن امور کی ضرورت ہے بس اس کو سیکھ لیجئے، لیکن جو بیچارے اپنے خاص حال میں مغلوب تھے خواہ مخواہ ان کی باتوں کو احسان کے خالص امور میں گڈمڈ کرنے کی حاجت نہ تھی اور نہ ارباب کشف کی چیزوں کو ان میں مخلوط کرنے کی ضرورت تھی، چاہیے کہ مقام احسان کی طرف لوگوں کو بلاؤ، پہلے اسے خود سیکھو اور پھر دوسروں کو دعوت دو، کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ سب سے بڑی رحمت اور سب سے بڑا کرم اللہ کا وہ ہے جسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے۔ یہی صرف ہدایت ہے، جو آپ کی ہدایت سے پھر تم کیا بنا سکتے ہو کہ تم جن افعال کو کرتے ہو وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام نہیں کیا کرتے تھے۔[۱]

---

۱ [illegible]

www.ahlehaq.org

آخر میں ایک عام خطاب تمام مسلمانوں کے نام ہے جو بلا کسی خاص طبقہ کی تخصیص کے ہے
فرماتے ہیں:-

عام امت مسلمہ سے جامع خطاب، امراض کی تشخیص اور علاج کی تجویز

پھر مسلمانوں کی عام جماعت کی طرف اب مخاطب ہوتا اور کہتا ہوں کہ اے آدم کے بچو! دیکھو تمہارے اخلاق سو چکے ہیں، تم پر بیجا حرص و آز کا بھوت سوار ہوگیا ہے تم پر شیطان نے قابو پالیا ہے، عورتیں مردوں کے سر چڑھ گئیں ہیں، اور مرد عورتوں کے حقوق برباد کر رہے ہیں، حرام کو تم نے اپنے لیے خوشگوار بنا لیا ہے اور حلال تمہارے لیے بدمزہ ہو چکا ہے، بخدا قسم ہے اللہ کی اللہ نے ہرگز کسی کو اس کی بس سے زیادہ تکلیف نہیں دی ہے، چاہیے کہ تم اپنی شہوانی خواہشوں کو نکاح کے ذریعہ پوری کرو، خواہ تمہیں ایک سے زیادہ نکاح ہی کیوں نہ کرنا پڑے، اور اپنے مصارف وضع قطع میں تکلف سے کام نہ لیا کرو، اسی قدر خرچ کرو جس کی تم میں سکت ہو، یاد رکھو! ایک کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھاتا، اور اپنے اوپر طاقت سے زیادہ تنگی سے کام نہ لو، اگر تم ایسا کرو گے تو تمہارے نفوس بالآخر فسق کے حد تک پہنچ جائیں گے، اللہ تعالیٰ اس کو پسند فرماتا ہے کہ اس کے بندے اس کی آسانیوں سے نفع اٹھائیں جیسا کہ یہی اس کو پسند ہے کہ جو چاہیں وہ اعلیٰ مدارج پر احکام کی پابندی بھی کر سکتے ہیں، اپنے شکم کی خواہشوں کی تکمیل چاہیے کہ کھانوں سے کرو اور اتنا کمانے کی کوشش کرو جس سے تمہاری ضرورتیں پوری ہوں، اور دوسروں کے سینوں کے بوجھ بننے کی کوشش نہ کرو کہ ان سے مانگ مانگ کر کھایا کرو،

www.ahlehaq.org

تم ان سے الگ رہو ورنہ دین اسی طرح بیچا جائے بادشاہوں اور حکام کے ہاتھ اور یہ بھی ہو جب
ذہن جاؤ تو تمہارے لئے یہی پسندیدہ ہے کہ تم خود کما کر کھایا کرو اور اگر تم ایسا کرو گے تو
خدا تمہیں معاش کی بھی راہ سجھائے گا جو تمہارے لئے کافی ہوگی۔

اے آدم کے بچو! جسے خدا نے ایک جائے سکونت دے رکھی ہو جس میں وہ آرام
کرے اتنا پانی ... جس سے وہ سیراب ہو اتنا کھانا جس سے سیر ہو جائے اتنا کپڑا
جس سے تن ڈھک جائے ایسی بیوی جو اس کی شرمگاہ کی حفاظت کر سکتی ہو،
اور اس کو دینی بہن کی چند چیزیں مدد دے سکتی ہوں تو یاد رکھو کہ دنیا کامل طور سے
اس شخص کو مل چکی ہے چاہئے کہ اس پر خدا کا شکر کرے۔

بہرحال کوئی نہ کوئی کمائی کی راہ ضرور اختیار کرے اور اسی کے ساتھ قناعت
کو اپنا دستور زندگی بنائے اور رہنے سہنے میں اعتدال کا جادہ اختیار کرے اور
اللہ کی یاد کے لئے جو فرصت ہم دست ہو اسے غنیمت شمار کرے کم از کم توفیق ملے تو
صبح شام اور پچھلی رات کے ذکر کا خاص طور پر خیال رکھے حق تعالیٰ کی یاد میں
تسبیح و تہلیل اور قرآن کی تلاوت کے ذریعہ سے کیا کرے اور رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی حدیث سنے اور ذکر کے حلقوں میں حاضر ہوا کرے۔

اے آدم کے بچو! تم نے ایسے بگڑے ہوئے رسوم اختیار کر لئے ہیں جن سے دین کی
اصلی صورت بگڑ گئی ہے تم عاشوراء کے دن جھوٹی باتوں پر اکٹھے ہوتے ہو اسی طرح
شب برات میں کھیل کود کرتے ہو اور مردوں کے لئے کھانے پکا پکا کر کھلانے کو اچھا
خیال کرتے ہو اگر تم سچے ہو تو اس کی دلیل پیش کرو۔

اسی طرح اور بھی بری بری رسمیں تم میں جاری ہیں جنہوں نے تم پر تمہاری زندگی

www.ahlehaq.org

تنگ کر دی ہے۔ خلاف تقریبات کی دعوتوں میں تم نے حد سے زیادہ تکلف
برتنا شروع کر دیا ہے۔ اسی طرح ایک بڑی رسم یہ بھی ہے کہ کچھ بھی ہو جائے لیکن
طلاق کو گویا تم نے ناجائز ٹھہرا لیا ہے۔ یونہی بیوہ عورتوں کو نکاح سے روکے
رہتے ہو۔ ان رسموں میں تم اپنی دولت ضائع کرتے ہو۔ وقت برباد کرتے ہو
اور جو صحت بخش روش تھی اسے چھوڑ بیٹھے ہو۔

تم نے اپنی نمازیں برباد کر رکھی ہیں۔ تم میں کچھ لوگ ہیں جو دنیا کے پیچ و
خم دھندوں میں اتنے پھنس گئے ہیں کہ نماز کا انہیں وقت ہی نہیں ملتا۔
کچھ لوگ ہیں جو قصہ کہانی سننے میں وقت گنواتے ہیں۔ اخبار پڑھتے ہیں۔ اگر ایسی مجلسیں
لوگ ایسے مقامات پر قائم کیا کرتے جو مسجدوں سے قریب ہوں تو شاید ان کی
نمازیں ضائع نہ ہوتیں۔ تم نے زکوٰۃ کو بھی چھوڑ دیا ہے۔ حالانکہ کوئی ایسا دولت مند
نہیں ہے جس کے اقربا و اعزہ میں حاجت مند لوگ نہیں ہوتے۔ اگر ان لوگوں کی
وہ مدد کیا کریں اور ان کو کھلایا پلایا کریں اور زکوٰۃ کی نیت کر لیا کریں تو یہ بھی
ان کے لئے کافی ہو سکتی ہے۔

تم میں بعضوں نے روزے چھوڑ رکھے ہیں۔ خصوصاً جو فوجی ملازم ہیں کہتے ہیں کہ
وہ روزہ رکھنے پر قادر نہیں ہیں یعنی جو محنت انہیں برداشت کرنی پڑتی ہے
اس کے ساتھ روزے نہیں رکھ سکتے۔ تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ تم نے راہ غلط
کر دی ہے اور تم حکومت کے پیٹ پر بوجھ بن گئے ہو۔ بادشاہ جب اپنے خزانہ میں
اتنی گنجائش نہیں پاتا جس سے تمہاری تنخواہ ادا کرے تب رعایا پر تنگی کو
دشوار کرتا ہے۔ سپاہیو! یہ تمہاری کیسی بری عادت ہے۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں

www.ahlehaq.org

جو روزے رکھتے ہیں لیکن سحری نہیں کرتے، اور رمضان میں ان سخت کاموں کو نہیں چھوڑتے جن کی وجہ سے روزے ان پر گراں ہو جاتے ہیں۔

آخر میں فرماتے ہیں :-

"اللہ تعالیٰ کی طرف سے اصلاحی مطالبات کا اس زمانہ میں جن جن امور سے متعلق تقاضا ہو رہا ہے اس کا ایک طویل باب ہے لیکن تھوڑی سے آدمی بڑی نیکیوں کو پہچان سکتا ہے اور ذخیرہ کے لئے اس کا نمونہ کافی ہے۔[1]"

اصلاحِ رسوم و تطہیرِ معاشرہ

شاہ صاحب نے ان خصوصی طبقات سے خصوصی خطاب پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس وقت کے مسلم معاشرہ میں صدیوں سے ہندوؤں کے درمیان رہنے، حدیث و سنت کی عدم اشاعت، علمائے دین کی غفلت و کوتاہی اور اسلامی حکومت کی فرض ناشناسی اور دینی احتساب کے فقدان کی وجہ سے جو ہندوانہ رسوم، بدعات اور غیر اسلامی شعائر رواج پا گئے تھے اور مسلمان سختی سے ان کے پابند تھے، ان پر بھی شاہ صاحب نے نکیر فرمائی اور ان عقائد فاسدہ، توہمات اور غیر مسلموں کی تقلید کی مذمت کی۔ عام طور پر وہ علماء جن کا معقولات یا علوم حکمت سے اشتغال تھا، ان عادات و رسوم کو معمولی سمجھ کر یا اس جھگڑے اور بے لطفی عوام سے بچنے کے لئے ان کو نظر انداز کر دیا کرتے تھے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے بعد جنہوں نے اپنے متعدد مکتوبات میں ان عقائد شرکیہ، شعائر جاہلیت و رسوم فاسدہ کی تردید و مذمت کی ہے[2]، اصلاحِ رسوم اور اسلامی معاشرہ کی تطہیر کا کام حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے ذریعہ

---

[1] ایضاً صفحہ ۲۱۸ تا ۲۲۲ [2] ملاحظہ ہو تاریخ دعوت و عزیمت حصہ چہارم از صفحہ ۲۲۴ تا ۲۴۲

شروع ہوا جس کی تکمیل ان کے فرزندان گرامی مرتبت اور انھیں کے خاندان کے تربیت یافتہ متوسلین یعنی حضرت سید احمد شہیدؒ (خلیفہ شاہ عبد العزیزؒ) حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ (نبیرۂ حضرت شاہ ولی اللہؒ) نے کی۔[1]

یہاں تفہیمات اور وصیت نامہ (فارسی) کا ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے:۔

"ہندوؤں کی عادات قبیحہ میں سے ایک یہ ہے کہ جب کسی عورت کا شوہر مر جاتا ہے تو اسے وہ دوسری شادی نہیں کرنے دیتے۔ عربوں میں یہ عادت بالکل نہ تھی، نہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے، نہ ان کے زمانہ میں، نہ بعد میں۔ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو اس قبیح عادت کو ختم کرے۔ اور اگر عام لوگوں سے اس کا رواج ختم نہ ہو سکے تو کم از کم اپنی قوم کے درمیان عربوں کے طریقہ کو رواج دینا چاہئے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو اس عادت کو برا سمجھنا اور دل سے اس کا دشمن ہونا چاہئے کہ یہی منکر کا سب سے آخری درجہ ہے۔

ہماری دوسری بری عادت یہ ہے کہ بہت لمبا مہر باندھتے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم (کہ آپ سے بڑھ کر دین و دنیا کی عزت وابستہ ہے) اپنے گھر والوں کے مہر (جو بہترین مخلوق تھے) ساڑھے بارہ اوقیہ مقرر فرماتے تھے جس کے پانچ سو درہم ہوتے ہیں۔

ہماری ایک دوسری بری عادت اسراف کی ہے کہ خوشی کے موقعوں اور ماتموں میں بہت خرچ کرتے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے شادیوں میں بہت دلیمہ اور

---

[1] ملاحظہ ہو صراط مستقیم (از ملفوظات حضرت سید احمد شہیدؒ جمع کردہ شاہ اسماعیل شہیدؒ) نیز کتاب تجدید و احیائے دین (۱-۲) "کاروان ایمان و عزیمت" از مصنف۔

عقیقہ ثابت ہے چنانچہ ان دونوں کی پابندی کرنی چاہیئے، اور اس کے علاوہ سے بچنا چاہیئے بیانات کا زیادہ اہتمام نہیں کرنا چاہیئے۔

ہماری بری عادتوں میں غم کے موقعوں تیجہ، چہلم، ششماہی، ناٹھو اور سالانہ کے نام پر بھی اسراف ہے، حالانکہ ان میں سے کسی کا عرب وطن میں رواج نہیں تھا۔ بہتر یہی ہے کہ میت کے ورثا کی تین دن تعزیت اور ایک شب و روز کے کھانے کے علاوہ کوئی اور رسم نہ کریں۔ تین دن کے بعد قبیلہ کی عورتیں جمع ہو کر میت کی عورتوں کے کپڑوں میں عطر ملیں، اور اگر میت کی زوجہ حیات ہو تو عدت گزرنے کے بعد سوگ کا سلسلہ ختم کر دیں۔[۱]

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم نے اپنے مضمون "منصب تجدید کی حقیقت" اور "تاریخ تجدید میں حضرت شاہ ولی اللہ کا مقام" (الفرقان ولی اللہ نمبر) میں ازالۃ الخفاء اور تفہیمات کے اقتباسات کو پیش کرنے کے بعد صحیح لکھا ہے کہ:۔

"ان اقتباسات سے ایک دھندلا سا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ شاہ صاحب نے مسلمانوں کے ماضی اور حال کا کس قدر تفصیلی جائزہ لیا ہے اور کس قدر جامعیت کے ساتھ ان پر تنقید کی ہے۔ اس قسم کی تنقید کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سوسائٹی میں جتنے صالح عناصر موجود ہوتے ہیں جن کے ضمیر و ایمان میں زندگی ہوتی ہے، جن کے قلب میں برے اور بھلے کی تمیز ہوتی ہے، ان کو حالات کی خرابی کا احساس سخت مضطرب کر دیتا ہے ان کی اسلامی حس اتنی تیز ہو جاتی ہے کہ اپنے گردوپیش کی زندگی میں جاہلیت کا ہر اثر انھیں کھٹکنے لگتا ہے، ان کی قوت امتیاز اتنی بڑھ جاتی ہے کہ وہ زندگی کے ہر پہلو میں

۱؎ تفہیمات الٰہیہ از شاہ ولی اللہ ج ۲ ص ۲۸۴ طبع مجلس علمی ۱۳۵۵ھ و وصیت نامہ فارسی مطبوعہ دہلی ۱۲۶۸ھ ص ۳

www.ahlehaq.org

اسلام اور جاہلیت کی آمیزشوں کو محسوس کرنے لگتے ہیں اور ان کی قوت ایمانی اس قدر بیدار ہو جاتی ہے کہ غبار زار جاہلیت کی ہر کشش انھیں اصلاح کے لئے بے چین کر دیتی ہے۔ اس کے بعد مجدد کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ ان کے سامنے تعمیر نو کا ایک نقشہ واضح صورت میں پیش کرے، تاکہ حالت موجودہ کو جس حالت سے بدلنا مطلوب ہے، اس پر وہ اپنی نظر جما سکیں، اور اپنی تمام سعی و عمل کو اسی سمت میں مرکوز کر دیں۔ یہ تعمیری کام بھی شاہ صاحب نے اسی خوبی اور جامعیت کے ساتھ انجام دیا جو ان کے تنقیدی کام میں آپ دیکھ چکے ہیں۔[1]

---

[1] الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر ص ۱۰۱، ۱۰۲

باب یازدہم

فرزندانِ گرامی قدر، خلفائے عالی مرتبت، نامور معاصر

لائق فرزندان و جانشین

مصلحین امت و مجددین اسلام میں حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے جو خصوصی انعامات اور اہلِ دعوت و عزیمت میں آپ کو جو امتیازات حاصل رہا ان میں ایک تاریخی امتیاز اور اللہ تعالیٰ کا آپ کے ساتھ معاملۂ خاص یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے فرزند و جانشین عطا فرمائے جو نعم الخلف لنعم السلف کے صحیح مصداق ہیں اور جنھوں نے حضرت شاہ صاحبؒ کے جلائے ہوئے چراغ کو نہ صرف روشن و تاباں رکھا بلکہ اس سے سیکڑوں چراغ جلائے پھر ان چراغوں سے وہ چراغ جلتے رہے جن سے اس پورے برِّ عظیم (ہندوستان) اور ہندوستان کے باہر بھی کتاب و سنت تحقیق، نشر و اشاعت، توحید خالص، ردِّ شرک و بدعت، اصلاح رسوم، تزکیۂ نفس، حصول درجۂ احسانی، اعلائے کلمۃ اللہ و جہاد فی سبیل اللہ، حمیت دینی، تاسیس مدارس دینیہ، دین کی صحیح تعلیمات کی ترجمانی و تبلیغ کے لئے تصنیف و تالیف اور تراجم قرآن و کتب حدیث و فقہ کا مبارک سلسلہ اس وقت سے لے کر اس وقت تک جاری ہے، اگر ان مبارک اقدامات و مساعی کی تاریخ دیکھی جائے اور خیر و برکت کے ان مراکز اور سلسلوں کے "شجرۂ نسب" کی تحقیق کی جائے

www.ahlehaq.org

تو سلام ہوتی گو کر ایک دیئے سے دوسرا دیا جلتا رہا اور یہ سب چراغ اسی چراغ سے روشن ہوئے جو بارہویں صدی ہجری کے وسط میں حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے آندھیوں کے طوفان میں جلایا تھا اس وقت بے اختیار نظامی کا یہ شعر زبان پر آتا ہے ؎

یک چراغیست دریں خانہ کہ از پرتو آں
ہر کجا می نگرم انجمنے ساختہ اند

عجیب مماثلت

فرزندان گرامی اور ان کے ذریعے سے اپنی خصوصی دعوت اور اس سلسلہ کی اشاعت میں (جو ہزار کمالات کے باوجود تذکرہ و تراجم کی کتابوں میں ایک نادر و نایاب خصوصیت ہے) آپ کو اپنے ہی سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کے بانی اور شیخ الشیوخ حضرت مجدد الف ثانیؒ سے عجیب مماثلت ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے چار فرزندان گرامی درجۂ کمال کو پہنچے[1] خواجہ محمد صادق، خواجہ محمد سعید، خواجہ محمد معصوم، خواجہ محمد یحییٰ، ان میں سے اول الذکر حضرت خواجہ محمد صادقؒ کا ۲۵ سال کی عمر میں ۱۰۲۵ھ میں انتقال ہوگیا، حضرت مجددؒ سے ان کے بارے میں بلند کلمات منقول ہیں۔ سلسلۂ مجددیہ کی اشاعت تینوں آخر الذکر فرزندان گرامی کے ذریعہ ہوئی اور حضرت سید آدم بنوریؒ کو مستثنیٰ کر کے (جن کا تعلق حضرت سے نسبتِ حُبّ نسبت کا تھا اور وہ نسبت بھی قوی اور مقبول تھی) انھیں کے سلسلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ اور ان کے خلفاء تلامذہ اور علمائے کبار ہیں) اس سلسلۂ عالیہ کی ترویج و تبلیغ اور حضرت مجددؒ کے شروع کئے ہوئے

---

[1] ان چار کے علاوہ حضرت مجددؒ کے بقیہ صاحبزادے شیرخوارگی اور صغر سنی میں وفات پا گئے تھے۔

کار تجدید و انقلاب کی تکمیل انہیں کے فرزندانِ گرامی قدر کے ذریعہ ہوئی پھر ان تینوں میں حضرت خواجہ محمد معصومؒ کو امتیاز خاص حاصل ہے کہ ان کے ذریعہ سے یہ سلسلہ ترکستان، عرب اور ترکی تک پہونچا اور کہنے والے نے صحیح کہا کہ ؎

چراغِ ہفت کشور خواجہ معصومؒ

منور از فروغش ہند تا روم

پھر آپ ہی کا فیض باطنی اور توجہات باطنی تھیں کہ اکبر کے تخت پر دو پشتوں کے بعد ہی وہ باحمیت، مجاہد و غازی، متشرع اور فقیہ سلطان آیا جو باغیِ دین بننے کے بجائے حامیِ دین اور برباد کنِ ملت کے بجائے خادمِ ملت قرار پایا جس کو حضرت خواجہ شروع سے اپنے مکتوبات میں "شہزادۂ دین پناہ" لکھ کر اس کارِ عظیم کے لئے تیار کر رہے تھے۔

بالکل اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے چار با کمال فرزند[1] تھے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے فرزندانِ گرامی کا بھی یہی حال ہے کہ ان کے چاروں[2] صاحبزادوں میں سے شاہ عبدالغنی صاحبؒ کا (جو اپنے بھائیوں میں سب سے صغیر السن تھے) اپنے بھائیوں میں سب سے پہلے (۱۲۰۳ھ میں) انتقال ہو گیا، شاہ صاحبؒ کی تعلیمات آپ کے علوم و معارف کی

---

[1] شاہ صاحبؒ کی پہلی اہلیہ سے شیخ محمد کے نام سے ایک فرزند تھے جن کا انتقال شاہ صاحبؒ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد جوانی میں ہو گیا تھا، ان کا ذکر گزشتہ صفحات میں آ چکا ہے مختصر ترجمہ نزہۃ الخواطر ج ۶ میں بھی ہے۔

[2] حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ انہیں کے فرزند تھے، شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد یہی چار صاحبزادے امتِ محمدیہ میں حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ، شاہ عبدالقادر صاحبؒ اور شاہ عبدالغنی صاحبؒ معروف و مشہور ہوئے۔

صاحبزادوں کی ترتیب وفات یہی ہے سب سے چھوٹے صاحبزادہ شاہ عبدالغنی صاحبؒ نے پہلے (۱۲۰۳ھ میں) پھر ان سے بڑے شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے (۱۲۳۰ھ میں) پھر شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے (۱۲۳۳ھ میں) پھر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے (۱۲۳۹ھ میں) وفات پائی۔

www.ahlehaq.org

تبلیغ و اشاعت، مردانِ کار کی تربیت و تکمیل اور تدریس و تصنیف کا وہ طرز عام جس میں شاہ صاحبؒ کا ذوق اور اجتہاد و تجدید کا رنگ جھلکتا تھا، انھیں تین صاحبزادوں کے ذریعہ جاری رہا، پھر ان تینوں میں بھی سراج الہند حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ کو اپنے بھائیوں میں وہ مقام حاصل ہوا جو حضرت مجددؒ کے صاحبزادوں میں حضرت خواجہ محمد معصومؒ کو حاصل ہوا تھا، اور ان کے ذریعہ حضرت شاہ صاحبؒ کے سلسلہ اور آپ کے علوم و تعلیمات کی عالمگیر اشاعت ہوئی، اور بعض شعبوں کی تو اس طرح توسیع و تکمیل ہوئی کہ ادب کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ۔ ع

اگرچہ پدر نتواند پسر تمام کند

قبل اس کے کہ ہم شاہ صاحبؒ کے شروع کئے ہوئے کاموں کی اس تکمیل و توسیع و ترقی کا ذکر کریں جو شاہ عبد العزیز صاحبؒ کے ہاتھوں عمل میں آئی ہم ان کے مختصر حالات زندگی اور تذکرہ و تعارف پیش کرتے ہیں، اس سلسلہ میں ہم مولانا حکیم سید عبد الحی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "نزہۃ الخواطر" کی جلد ہفتم سے ان کا تذکرہ نقل کرنے پر اکتفا کریں گے جو "قلّ و دلّ" کا مصداق ہے۔

حضرت شاہ عبد العزیز دہلویؒ

امام العلماء، رأس الفضلاء، علامہ محدث شاہ عبد العزیز بن شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم عمری دہلویؒ خود اپنے زمانہ کے علماء کے سردار اور گزشتہ علماء کے سرتاج کے چشم و چراغ، بعض لوگوں نے آپ کو "سراج الہند" اور بعض نے "حجۃ اللہ" کا خطاب دیا ہے آپ پنجشنبہ کی رات ۲۵ رمضان ۱۱۵۹ھ میں پیدا ہوئے جیسا کہ آپ کے

www.ahlehaq.org

تاریخی نام غلام حلیم سے معلوم ہوتا ہے آپ نے قرآن شریف کے حفظ سے فراغت پائی اور اپنے والد ماجد سے تعلیم کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ نے ان سے قرأت و سماعت کے ذریعہ پوری تحقیق و درایت اور توجہ سے علم حاصل کیا جس سے آپ کو علوم میں ملکہ راسخہ حاصل ہو گیا۔ جب آپ ۱۷ سال کے تھے تو آپ کے والد ماجد نے انتقال کیا۔ اس کے بعد آپ نے شیخ نور اللہ بڈھانوی، شیخ محمد امین کشمیری سے استفادہ کیا۔ آپ کو اجازت علمی شاہ محمد عاشق بن عبید اللہ پھلتی سے حاصل ہوئی جو آپ کے والد ماجد کے تربیت یافتہ اور محرم راز تھے۔ آپ نے ان حضرات سے ان علوم و کمالات میں استفادہ اور ان کی تکمیل کی جو والد صاحب کی وفات سے تشنۂ تکمیل تھے۔ اپنے ایک رسالہ میں آپ نے اپنے والد صاحب اور دوسرے علماء سے اپنے استفادہ کی تفصیل لکھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کتب حدیث میں پوری مؤطا مع مسوی اور مشکوٰۃ المصابیح اپنے والد صاحب سے پڑھیں۔ الحصن الحصین، اور شمائل ترمذی کی آپ کے درس میں سماعت کی جس کی قرأت آپ کے بھائی شیخ محمد کرتے تھے۔ صحیح بخاری کتاب الحج تک کی سماعت سید غلام حسین مکی کی قرأت سے کی۔ جامع الترمذی، سنن ابی داؤد کی سماعت مولوی ظہور اللہ مرادآبادی کی قرأت سے اور مقدمۂ صحیح مسلم اور اس کی بعض احادیث اور سنن ابن ماجہ کے کچھ حصوں کی سماعت محمد جواد پھلتی کی قرأت سے، مسلسلات اور مقاصد جامع الاصول کے بعض حصوں کی سماعت مولوی جار اللہ نزیل مکہ کی قرأت اور سنن النسائی کے کچھ حصوں کی سماعت آپ نے اپنے والد ماجد کے حلقۂ درس میں کی۔ صحاح ستہ کے باقی ابواب کی سماعت آپ نے اپنے والد ماجد کے خلفاء سے جیسے شیخ نور اللہ اور خواجہ محمد امین سے کی اور ان کے علاوہ کتابوں کی اجازت عامہ اپنے والد کے خلیفۂ ارشد

www.ahlehaq.org

اور ماموں زاد بھائی شاہ محمد عاشق پھلتی اور خواجہ محمد امین سے پائی اور ان دونوں کے لئے آپ کے والد ماجد صاحب کا اجازت نامہ "تفہیمات الٰہیہ" اور "شفاء العلیل" میں موجود ہے ان لوگوں نے آپ کے والد صاحب سے پڑھا ہے جبکہ شاہ محمد عاشق آپ کے والد ماجد کی شیخ ابو طاہر مدنی کی خدمت میں قرأت وسماعت اور ان سے اجازت میں شریک بھی تھے ان کی اسانید ان کی کتاب "الارشاد فی مہمات الاسناد" وغیرہ رسائل میں مذکور ہیں۔

آپ طویل القامت نحیف البدن، گندم گوں، کشادہ چشم تھے، داڑھی گھنی تھی، خط نسخ ورقاع بڑی خوبصورتی کے ساتھ لکھتے تھے، تیر اندازی، شہسواری اور موسیقی میں بھی مہارت تھی۔ آپ سے آپ کے بھائیوں شاہ عبدالقادرؒ، شاہ رفیع الدینؒ، شاہ عبدالغنیؒ اور آپ کے داماد مولانا عبدالحئی بن ہبۃ اللہ بڑھانوی نے درس لیا، مفتی الٰہی بخش کاندھلوی اور سید قمر الدین سونی پتی آپ سے قرأت وسماعت میں آپ کے بھائیوں کے ساتھ تھے، حضرت شاہ غلام علی مجددیؒ (خلیفہ حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ) نے آپ سے صحیح بخاری پڑھی، مولانا سید قطب الہدیٰ بن مولانا محمد واضحؒ رائے بریلوی نے آپ سے صحاح ستہ کا درس لیا۔

آپ کے دوسرے اصحاب نے آپ کے بھائیوں سے پڑھا ہے اور آپ سے مستفید ہے آپ کی مجلسوں میں حاضر رہے ہیں اور آپ کا درس قرآن سنا ہے اور آپ سے حسب توفیق استفادہ کیا ہے۔ آپ کے نواسے شاہ محمد اسحاق بن افضل عمری آپ کے یہاں قاری تھے، جو ہر روز قرآن مجید کے ایک رکوع کی تلاوت کرتے تھے اور شاہ صاحبؒ اس کی تفسیر فرماتے تھے، یہی آپ کے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہؒ کا طریقہ بھی تھا، شاہ ولی اللہ محدث

www.ahlehaq.org

کا آخری درس قرآن آیت "اعدلوا ہو اقرب للتقوی"[1] تک ہوا تھا، جہاں سے شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے اپنا درس شروع کیا، آپ کا آخری درس "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" تک ہوا تھا، وہاں سے آپ کے نواسہ شاہ محمد اسحاق صاحبؒ نے اپنا درس شروع کیا جیسا کہ "مقالات طریقت" میں ہے۔ آپ اپنے علم و فضل، فہم و ذکاء اور سرعت حفظ میں یگانۂ روزگار تھے، آپ نے پندرہ سال کی عمر ہی سے درس و افادہ کا سلسلہ شروع کر دیا اور آپ سے بڑے بڑے فضلاء نے استفادہ کیا، اکثر اطراف کے طلبہ آپ کی خدمت میں اس ذوق و شوق سے حاضر ہوتے جیسے پیاسا پانی پر گرتا ہے۔

پچیس[2] سال کی عمر میں آپ کو متعدد اذیت رساں امراض نے گھیر لیا جن کے سبب آپ مراق، جذام، برص میں مبتلا ہوئے اور بصارت بھی جاتی رہی، بعض واقفان حال نے آپ کے چودہ تکلیف دہ امراض کا ذکر کیا ہے۔ اس وجہ سے آپ نے اپنی تدریسی ذمہ داری اپنے دونوں بھائیوں شاہ رفیع الدین صاحبؒ اور شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے سپرد کر دی، مگر اس کے ساتھ خود بھی درس دیتے تھے، تصنیف و افتاء اور وعظ کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔ ہر سہ شنبہ کو آپ کا ہفتہ وار وعظ قرآن مجید کی تفسیر پر مشتمل ہوتا تھا، اخیر عمر میں آپ مجلس میں تھوڑی دیر بھی نہیں بیٹھ سکتے تھے، اس لئے اپنے قدیم و جدید مدرسہ کے درمیان ٹہلتے رہتے اور لوگ بڑی تعداد میں اس حالت میں بھی استفادہ کرتے اور آپ کا درس و افتاء اور وعظ ہوتا رہتا تھا، اسی طرح عصر و مغرب کے درمیان دو آدمیوں کی مدد سے مدرسہ اور جامع مسجد کی درمیانی سڑک پر نکلتے تھے، لوگ راستہ میں آپ کے منتظر رہتے اور اپنی مشکلات حل کراتے۔

انہیں امراض میں عدم اشتہا کا مرض اس حد تک بڑھ گیا کہ کئی کئی دن کچھ

---

[1] [illegible] [2] [illegible]

www.ahlehaq.org

چکھنے کی بھی نوبت نہ آئی اور بخار کی طرح اس کی بھی باری آتی تھی آپ نے "مناقب حیدریہ" کی تقریظ میں لکھا ہے:۔

"اس تقریظ میں کوتاہی کے لئے میں معذرت خواہ ہوں جو اعذار و امراض کے سبب ہوئی جن کی وجہ سے بھوک بالکل ختم ہو گئی ہے اور کھانے کی نوبت باری کے بخار کی طرح آتی ہے ایسا غالب پت کے غلبہ کے سبب ہے قوی مضمحل ہو گئے حواس میں فرق آ گیا، اعضاء کمزور پڑ گئے ہڈیاں اور ڈاڑھیں بھی کمزور ہو گئیں۔"

امیر حیدر ابن نور الحسین بلگرامی کو خط میں لکھتے ہیں:۔

"اگر آپ اپنے محب کا حال پوچھتے ہیں تو وہ بہت خراب ہے اور صبح و شام اس میں اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے اور اسے ظاہری و باطنی آلام گھیرے ہوئے ہیں قرار و سکون چھن گیا ہے اور قلق و اضطراب بڑھ گیا ہے اور یہ سب نئے امراض کے سبب ہے جن میں سے ایک مرض بھی آدمی کو پریشان اور رنجیدہ کرنے کے لئے کافی ہے، جیسے بواسیر، سدہ اور آنتوں میں ریح کا رکنا، اس حد تک فقدان و شہنا کہ کئی رات دن کھانا چکھنے کی بھی نوبت نہیں آتی، ریح، ذات جب قلب کی طرف چڑھتے ہیں تو دم گھٹنے کی کیفیت ہو جاتی ہے، جب دماغ کی جانب ہو جاتے ہیں تو تکلیف وہ درد سر شروع ہو جاتا ہے جو ادنیٰ دستک ضرب کی طرح محسوس ہوتا ہے "الی الله اشکو وهو المستعان" یہ حالت ایک لفظ بھی بولنے کی اجازت نہیں دیتی چہ جائیکہ کوئی کتاب املا کرا سکے یا کوئی پیغام لکھوا سکے۔"

آپ کو حیرت ہوگی کہ آپ ان موذی امراض کے باوجود ضعیف الطبع، حاضر جواب، خوش گفتار ہے اور تواضع، بشاشت اور مہر و محبت کی ہی ادا تھی جو شروع سے تھی آپ کا صحبت یں نو کر

www.ahlehaq.org

جلا بخشتی تھی، ان صحبتوں میں حیرت انگیز خبریں، جدید معلومات، دور دراز کے ملکوں، ان کے باشندوں اور وہاں کے عجائبات کا بیان اس طرح ہوتا تھا جس سے سامعین کو محسوس ہوتا تھا کہ آپ اپنے مشاہدات بیان فرما رہے ہیں، حالانکہ آپ نے کلکتہ کے علاوہ کوئی اور شہر نہیں دیکھا تھا، مگر آپ غیر معمولی طور پر ذہین اور متجسس فطرت کے مالک تھے، جس کے سبب آپ نے باہر سے آنے والوں اور معلومات افزا کتابوں سے (جن کے مطالعہ سے مشاہدہ کی کیفیت حاصل ہو سکتی ہے) یہ معلومات اپنے دماغ میں محفوظ کر لئے تھے۔

لوگ آپ سے علمی استفادہ کے لئے حاضر ہوتے، شاعر و ادیب ادبی استفادہ اور اپنا کلام دکھانے کے لئے[1]، اور محتاج و ضرورت مند لوگ امراء سے سفارش کرانے اور آپ کی حکمت سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے آتے، کیونکہ آپ کے اخلاق کریمانہ کی شہرت عام تھی، اسی طرح مریض دوا علاج کے لئے حاضر ہوتے، اہل جذب و سلوک آپ سے روحانی استفادہ کے لئے آپ کے پاس جاتے تھے، پردیسی علماء و مشائخ کو آپ اپنے یہاں ٹھہراتے اور ان کی حاجت روائی کرتے، اگر آپ کے پاس کوئی بدعتی یا ایسا شخص بیٹھتا جسے دینی مسائل میں کچھ اختلاف ہوتا تو آپ اپنی سحر بیانی سے

---

[1] مولوی محمد حسین آزاد "آب حیات" میں لکھتے ہیں کہ شاہ نصیر نے دکن میں کسی کی فرمائش سے مشاعرہ میں ایک غزل کہی تھی جس کی ردیف تھی "آتش و آب و خاک و باد" وہ غزل مشاعرہ میں سنائی اور کہا کہ اس طرح میں جو غزل کہے اسے میں استاد مانتا ہوں، دوسرے مشاعرہ میں استاد ذوق نے (جو شاہ نصیر کے شاگرد تھے) اسی بحر میں غزل پڑھی، شاہ صاحب کی طرف سے بیان کئے گئے اس پر اعتراض ہوئے، جس کے قریب تھا، شیخ علیہ الرحمہ نے بزرگانہ کی تعریف میں ایک قصیدہ اسی طرح میں کہا کہ پہلے مولوی شاہ عبدالعزیز صاحب کے پاس لے گئے کہ ان کے صحت و سقم سے آگاہ فرمائیں، انھوں نے بغور پڑھنے کی اجازت دی کہ بڑی محبت سے جو اپنے شوق کے ساتھ قصیدہ تھا پاس بیٹھا اور خوش ہو کر جواب میں کہو شیخ مرحوم کا دل دوبالا ہو گیا اور دربار شاہی میں جا کر قصیدہ سنایا۔ آب حیات ص [illegible] از مصنف

www.ahlehaq.org

آگ، روانی اور متضاد چیزوں میں اتحاد پیدا کر دیتے۔ اور وہ آپ سے متعلق اہم خیال ہو کر مجدد ہوتا

شیخ محسن بن یحییٰ ترہتی "الیانع الجنی" میں لکھتے ہیں:۔

"وہ فضل و کمال اور شہرت و مقبولیت کے اس مقام پر فائز تھے کہ اطراف ہند کے لوگ ان سے انتساب بلکہ آپ کے تلامذہ و منتسبین سے بھی ادنیٰ نسبت پر فخر کرتے تھے...... آپ کے ان کمالات میں جن میں آپ کا کوئی معاصر آپ کا مقابل نہ تھا آپ کی حاضر دماغی اور حاضر جوابی بھی تھی جس کے سبب آپ بحث میں غالب آتے اور مخاطب کو لاجواب کر دیتے انھیں کمالات میں آپ کی قادر الکلامی حسن تعبیر و خوبیٔ تحریر بھی تھی جس میں اہل نظر نے آپ کو سب پر فائق تسلیم کیا تھا"

آپ کے ایسے ہی کمالات میں آپ کی بے مثل فراست بھی تھی جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے تعبیر خواب کی امتیازی صلاحیت عطا کی تھی، آپ خواب کی ایسی تعبیر دیتے جو پوری ہوتی تھی گویا آپ کی چشم دید معلوم ہوتی تھی یہ صلاحیت بجز پاک نفس انسانوں ہی کے حصہ میں آتی ہے ان کے علاوہ بھی آپ کے متعدد فضائل و کمالات ہیں مختصراً یہی کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات میں نوع بہ نوع اور گوناگوں فضائل جمع کر دیئے تھے جو آپ کے دہر میں پھیلے ہوئے تھے، اگر یہ شعر کہنے والا شاعر ان کو دیکھتا تو اس کو صاف معلوم ہوتا کہ اس کا یہ قول بھی تمام ہے ؎

ولم أر أمثال الرجال تفاوتا   لدى المجد حتى عُدَّ ألفٌ بواحد

(میں نے انسانوں کی طرح فرق مراتب کہیں نہیں دیکھا جس کے سبب ہزار انسان ایک کے برابر شمار ہوتے ہیں)

اس صورت میں آپ کے مفاخر و فضائل کا شمار کون کر سکتا ہے۔ شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ کی سب تصنیفات علماء کے حلقوں میں بالعموم وقعت و محبوبیت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں اور ان سے استدلال کیا جاتا ہے ان کے اسلوب تحریر میں ایسی قوت اور فصاحت و سلاست ہے کہ

www.ahlehaq.org

کان ان سے حلاوت پاتے ہیں اور دل ان سے لذت یاب ہوتے ہیں ان کے کلام میں تاثیر و تسخیر کی ایسی قوت ہے کہ اس سے متاثر و متفق نہ ہونا مشکل ہے آپ کسی گروہ اور قابل اعتراض تحریر دیکھتے تو زیادہ جوش اسلوب سے اس کی تردید فرماتے تھے کلامی مسائل میں مذہب تحقیق آپ کا خاص موضوع بحث و تنقید رہا ہے آپ نے ایسے عالمانہ و محققانہ انداز سے اس پر بحث کی ہے کہ اس کا جواب شافی ابھی تک نہیں ہو سکا ہے۔

آپ کی مشہور تصانیف یہ کتابیں ہیں:-

"تفسیر قرآن مسمّی بہ فتح العزیز" جسے آپ نے شدت مرض اور ضعف کی حالت میں املاء کرایا تھا یہ کئی بڑی جلدوں میں تھی جس کا بڑا حصہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں ضائع ہو گیا، اور صرف شروع اور اخیر کی دو جلدیں بچ گئیں، انھیں میں "الفتاوی فی المسائل المشکلة"[1] بہت ضخیم تھی، مگر اب اس کا خلاصہ دو جلدوں میں ملتا ہے، انھیں کتابوں میں "تحفہ اثنا عشریہ" (جو مذہب شیعہ کی تنقید و تردید میں ہے) ایک بے مثل کتاب ہے، دوسری کتابوں میں "بستان المحدثین"[2] ہے جو کتب حدیث اور محدثین کی تفصیلی فہرست و تذکرہ ہے جو نامکمل رہی۔ "العجالة النافعة" اصول حدیث میں ایک فارسی رسالہ ہے طلبہ حدیث کے حفظ کے لئے بھی ایک رسالہ ہے "میزان البلاغة" علم بلاغت کا ایک بہترین متن ہے اسی طرح "میزان الکلام" علم کلام میں ایک متن ہے ایک رسالہ "سر الجلیل فی مسئلة التفضیل" ہے جس میں خلفائے راشدین کے فرق مراتب پر گفتگو ہے ایک رسالہ "میزان الشہادتین" جو شہادت

---

[1] حضرت شاہ عبد العزیز کا پایہ تصوف میں بھی بہت بلند تھا اس میں ان کو رسوخ کامل اور تفقہ کا درجہ حاصل تھا اور بعض اہل نظر کے نزدیک وہ اس میں حضرت شاہ ولی اللہ سے بھی فائق تھے۔ (مصنف)

[2] اس کتاب سے شاہ صاحب کی طبقات محدثین اور کتب حدیث پر وسعت نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔

www.ahlehaq.org

حضرت جنیدؒ کے بیان میں ایک عمدہ رسالہ ہے، ایک رسالہ انساب میں ہے، ایک رسالہ تعبیر رؤیا پر ہے، ان کے علاوہ اور بھی رسائل ہیں۔ منطق و حکمت کی کتابوں میں "میر زاہد رسالہ"، "میر زاہد ملا جلال"، "میر زاہد شرح مواقف" پر آپ کے حاشیے ہیں۔ "حاشیہ ملا" پر عزیزیہ کے نام سے آپ کا حاشیہ ہے، صدرا شیرازی کی "شرح ہدایۃ الحکمۃ" پر بھی آپ کا حاشیہ ہے۔ ارجوزۃ اصمعی کی شرح بھی لکھی ہے۔ علماء و ادباء کے نام آپ کے بہت سے خطوط بھی ہیں، اپنے والد ماجدؒ کے قصائد بائیہ و ہمزیہ کی تفسیر و تخمیس بھی کی ہے۔ نظم و نثر، قوت تحریر، حسن انشاء، قوت تعبیر آپ اپنی مثال تھے، آپ کی تقریر میں جو چستگی و بدیہہ گوئی، قلم کی روانی اور زود نویسی کی بھی مثال ہیں۔

نماز ظہر کے بعد یکشنبہ ۷ شوال ۱۲۳۹ھ کو اسّی سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ آپ کی قبر وہیں مہندیوں کے باہر آپ کے والد ماجدؒ کے قریب ہے۔[۲]

شاہ صاحبؒ کے جانشین اور ان کے کام کی توسیع و تکمیل

شاہ صاحبؒ کے تجدیدی کارنامہ کو ہم پانچ شعبوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

۱۔ قرآن مجید کی ترجمانی، مسلمانوں میں اس کی تعلیمات و مضامین کی اشاعت عام اور اس کے ذریعہ سے عقائد کی اصلاح اور دین خالص سے مسلمانوں کے براہ راست رابطہ و تعلق کی سعی بلیغ۔

۱؎ شاہ صاحب کا عربی کلام بالخصوص ان کا قصیدہ لامیہ جو ان کے ترجمہ میں نزہۃ الخواطر میں منقول ہے، عربیت کا اعلیٰ نمونہ ہے اور اس میں وہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے عربی کلام سے بھی فائق معلوم ہوتا ہے، اہل زبان کی سی عربیت ہے۔ اس کے علاوہ ان کے تلمیذ رشید مفتی صدر الدین خاں صاحب کا عربی کلام بھی قابل ذکر ہے، ملاحظہ ہو عربیات جو نمونہ کلام کے طور پر "الثقافة الاسلامية في الهند" اور نزہۃ الخواطر میں مفتی صاحب کے تذکرہ میں منقول ہیں۔ (مصنف)

۲؎ نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۲۷۸-۲۸۱ باختصار و تلخیص۔

www.ahlehaq.org

۲۔ حدیث کی نشر و اشاعت اس کے درس و اجازت کے سلسلہ کا احیاء اور اس کے حلقہائے درس کا اجراء اور اساتذۂ حدیث اور شارحین کتب حدیث کی تربیت۔

۳۔ فتنۂ رفض و تشیع کا مقابلہ، صحابہ کرامؓ اور قرآن عظیم کو مجروح و مشکوک بنانے والی کوششوں اور سازشوں کا سدباب۔

۴۔ جہاد فی سبیل اللہ کا احیاء اور ہندوستان میں اسلامی اقتدار اور مسلمانوں کی آزادی کے لئے یہ بڑے خطرے اور چیلنج کا مقابلہ۔

۵۔ ان مردان کار کی تربیت جو حالات اور وقت کے تقاضوں اور دینی حقیقی مطالبہ کے مطابق دعوت و اصلاح کا کام انجام دیں۔

اشاعت و تبلیغ قرآن

جہاں تک عوام تک قرآن مجید کے پہونچانے اور اس کے ذریعہ سے عقائد باطلہ، رسوم فاسدہ کی اصلاح اور ربط مع اللہ کی کوشش کا تعلق ہے، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے اس سلسلہ میں اپنے والد بزرگوار کے کام کو بہت ترقی دی اور اس میں بڑی عمومیت اور وسعت پیدا کردی، شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا درس قرآن سورہ نساء کی آیت "اعدلوا هو اقرب للتقوى" تک پہونچا تھا کہ آپ کی وفات ہو گئی، شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے یہیں سے درس شروع کیا، سورۂ حجرات کی آیت "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" تک پہونچے تھے کہ یہ سلسلہ بھی آپ کے سلسلۂ حیات کے ساتھ ختم ہوا، آپ کی وفات کے بعد آپ کے نواسہ (جو کلیۃً آپ ہی کے تربیت یافتہ اور آپ کے صحیح جانشین تھے) شاہ محمد اسحاقؒ صاحب نے درس شروع کیا۔

www.ahlehaq.org

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا درسِ قرآن ہر ہفتہ سہ شنبہ و جمعہ کو ہوتا تھا جس میں ہر طرح کے خاص اور عوام بڑے ذوق و شوق سے شریک ہوتے تھے۔ اس درس میں آپ کی طبیعت اپنے پورے جوش پر ہوتی تھی اور مضامین کی آمد اور روانی کی کیفیت ہوتی تھی، اس درس سے دارالسلطنت دہلی میں ارباب علماء و فضلاء کا بھی مرکز تھا، قرآن مجید کا ذوق عام ہوا، اصلاحِ عقائد کی ایک طاقتور رو چلی اور ترجمۂ قرآن اور درسِ تفسیر کا وہ مبارک سلسلہ شروع ہوا جو اس وقت تک برصغیر میں جاری ہے اور جس سے لاکھوں انسانوں کی اصلاح ہوئی اور ان کے دل و دماغ حلاوتِ توحید اور لذتِ قرآن سے آشنا ہوئے۔ خود مدارسِ عربیہ میں بھی درس کے فیض یافتہ اور تربیت یافتہ علماء کے اثر سے متنِ قرآن کے درس اور تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا جس کو نصابِ درس میں مختصر تفسیر کی شکل میں جزوی جگہ دی گئی تھی، اور علمائے دین کا پھیلایا ہوا یہ وہم دور ہوا کہ قرآن مجید کی اشاعت عوام میں نئے دینی خطرات اور مفاسد کا پیش خیمہ ہے، اس میں یہ مخفی اندیشہ کام کر رہا تھا کہ عوام ان پیشہ ور علماء کے ہاتھ سے نکل جائیں گے جنھوں نے قرآن مجید کو تبرک بنا رکھا تھا اور عوام کو اس سے دور رکھنے کی کوشش کی تھی۔

حضرت شاہ صاحبؒ کا دوسرا علمی و اصلاحی کارنامہ تفسیر فتح العزیز کی شکل میں ہے جسے تفسیر عزیزی اور بستان التفاسیر کا نام بھی دیا گیا ہے، یہ شاہ صاحبؒ کی باقاعدہ املا کی ہوئی مستقل تصنیف ہے، خود شاہ صاحبؒ کی تصریح کے مطابق وہ سورۃ الفاتحہ، سورۃ البقرہ اور جزو تبارک الذی آخر قرآن تک ہے، لیکن سورۂ بقرہ مکمل نہیں ہو سکی، اس کے اسباب معلوم نہیں ہو سکے، صرف ربع پارۂ دوم کے قریب تک آیت اَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ تک طبع ہوئی۔ اصل فارسی تفسیر کے

۱؎ ملاحظہ ہو ملفوظات حضرت شاہ عبدالعزیزؒ ص ۔ ۲؎ قدیم درس میں جس میں کمالین اور بیضاوی شریف (سورۂ بقرہ) ہوتی تھی، پورے متنِ قرآن کے ترجمہ و تفسیر کا رواج نہ تھا۔

۳؎ مقدمہ تفسیر فتح العزیز از حضرت شاہ عبدالعزیزؒ، مقدمہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس تصنیف کا سلسلہ ایک بزرگ مولانا محمد بن شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی تحریک و تقاضے سے ۱۲۰۸ھ میں شروع کیا گیا۔

www.ahlehaq.org

متعدد ایڈیشن شائع ہوئے ہیں کتاب تین جلدوں میں ہے پہلی جلد سورۂ فاتحہ سے لے کر پارۂ دوم کے ربع کے قریب تک ہے، دوسری جلد سورۃ الملک (انتیسویں پارے) سے لے کر آخر سورۃ المرسلات تک ہے تیسری جلد سورۃ عَمَّ یَتَسَاءَلُونَ (سورۂ نباء) سے شروع ہو کر آخر قرآن مجید یعنی سورۃ الناس کے ختم تک ہے۔

شاہ صاحب کے بھانجان کے شاگرد رشید علامہ حیدر علی فیض آبادی (م ۱۲۹۹ھ) صاحب "منتہی الکلام" نے اس کا تکملہ لکھا۔ صاحب "مقالات طریقت" لکھتے ہیں کہ: "مولوی حیدر علی صاحب منتہی الکلام نے حسب خواہش سکندر بیگم والیٔ بھوپال تفسیر فتح العزیز کا تکملہ ستائیس جلدوں میں کیا راقم نے دیکھا ہے۔"[1]

یہ تکملہ صرف پانچویں پارے کے اختتام تک کتب خانہ ندوۃ العلماء میں محفوظ ملتا ہے، ابتدا کے ایک دو ورق نہیں ہیں۔

ایک کتاب (اردو میں) "تفسیر عزیزی" المعروف بہ ملفوظات عزیزی کے نام سے مطبع انصاری دہلی کی چھپی ہوئی بھی ملتی ہے جس میں اس کے مرتب ابو الفرید محمد امام الدین صاحب کی تصریح کے مطابق شاہ صاحب کا درس قرآن و حدیث (جو ہر شنبہ اور جمعہ کو ہوتا تھا) قلمبند کر کے پیش کیا گیا ہے، یہ ۱۲۱۵ھ کی تالیف ہے اور سورۃ المؤمنون سے سورۃ الصافات تک ہے۔

لیکن اس عدم تکمیل کے باوجود اس تفسیر میں بہت سے ایسے نکات و تحقیقات ہیں جو بہت سی مشہور تفاسیر میں نہیں ملتیں، شاہ صاحب کے درس تفسیر اور آپ کی کتاب تفسیر فتح العزیز میں ان مسائل پر خاص طور پر تفصیل سے کلام کیا گیا ہے جن کے بارے میں اس وقت کے علماء نے تحقیق و تفتیش سے کام نہیں لیا تھا اور اس کی وجہ سے عوام کی ایک بڑی تعداد فساد عقیدہ اور شرکیہ اعمال تک میں گرفتار تھی، مثلاً آیت وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ کی تفسیر جو اس کتاب کے خصوصی مقامات میں سے ہے، اسی طرح سحر کی بحث (وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ الخ کے ذیل میں)

---

[1] مقالات طریقت ص ۲۳۳

www.ahlehaq.org

اور بعض دوسری آیات کے سلسلہ میں تحقیقات نادرہ اس کتاب کی خصوصیات میں سے ہیں۔

حدیث کی تدریس و ترویج

جہاں تک درس حدیث اور اس کی ترویج و اشاعت کا تعلق ہے ہندوستان کی علمی و دینی تاریخ میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ آپ کے درس حدیث کی مدت تقریباً چونسٹھ سال ہے۔ اس مدت میں آپ نے جو صحاح کا درس دیا اور بستان المحدثین اور عجالہ نافعہ جیسی بیش قیمت کتابیں تصنیف کیں جو حدیث کے صحیح ذوق، طبقات حدیث کی واقفیت اور محدثین کی مرتبہ شناسی بتاتی ہیں اور اصول سے … ہیں … سیکڑوں صفحات کا عطر آگیا ہے۔ آپ نے حدیث کے ایسے اساتذہ تیار کیے … پیدا کیے جنھوں نے ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں درس حدیث کا فیض عام کیا … ان باکمال علماء کی تعداد جن کے تراجم … حضرات جن سے حدیث کے درس کے حلقے قائم ہوئے اور انھوں نے حدیث کے … ہیں۔

مولانا شاہ محمد اسحٰق دہلوی، مولانا شاہ محمد یعقوب دہلوی، مفتی الٰہی بخش کاندھلوی، مولانا سید اولاد حسن قنوجی، مرزا حسن علی شافعی لکھنوی، مولانا حسین احمد ملیح آبادی، مولانا حیدر علی ٹونکی، مولانا خرم علی بلہوری، مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی، مولانا مفتی کریم اللہ … مولانا سید قطب الہدیٰ حسنی رائے بریلوی۔

ان کے علاوہ جن لوگوں نے آپ سے حدیث کی سند لی ان کی فہرست اتنی طویل ہے کہ اس کا استقصاء مشکل ہے۔ یہاں ان چند حضرات کے نام لکھے جاتے ہیں جو اپنے بعض دوسرے کمالات یا سلسلۂ طریقت یا شہرت کے لحاظ سے امتیاز خاص رکھتے ہیں:-

حضرت شاہ غلام علی دہلوی (خلیفہ اعظم حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ)

حضرت شاہ ابوسعید دہلوی (خلیفہ حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ)

حضرت شاہ احمد سعید دہلوی (خلیفہ حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ)

www.ahlehaq.org

حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ (خلیفہ حضرت شاہ محمد آفاق دہلوی)

مولانا بزرگ علی مارہروی (استاد مفتی عنایت احمد صاحب کاکوروی)

شاہ بشارت اللہ بہرائچی (مجددی سلسلے کے ایک بڑے شیخ)

شاہ پناہ عطا سلونوی (سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے ایک بڑے شیخ جن کو مکاتبۃً اجازت ملی تھی)

شیخ ظہور الحق پھلواروی۔

ان تلامذۂ حدیث اور تربیت یافتہ شیوخ میں حدیث کی سب سے بڑی اشاعت حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب کے ذریعہ ہوئی جنھوں نے ۱۲۵۸ھ میں مکہ معظمہ ہجرت کی اور ان سے حجاز کے ممتاز ترین علماء نے حدیث کی سند لی۔

آپ کے تلامذہ میں مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی معروف بہ میاں صاحب، قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی، مولانا سید عالم علی مرادآبادی، مولانا مفتی عبدالقیوم ابن مولانا عبدالحی بڑھانوی (خلیفہ اجل حضرت سید احمد شہیدؒ) حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ، نواب قطب الدین دہلوی (مصنف مظاہر حق) مولانا احمد علی سہارنپوری (محشی و ناشر صحیح بخاری) مفتی عنایت احمد کاکوروی (استاذ الاساتذہ العلماء مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھی) اور بہت سے علماء ہیں جن کی فہرست طویل ہے۔ بقول صاحب "نزہۃ الخواطر" ہندوستان میں ان ہی سے حدیث باقی رہی۔

حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ کے تلامذہ میں تنہا مولانا سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی (م ۱۳۲۰ھ) نے دہلی میں سال ہا سال حدیث کا درس دیا اور آپ کے درس سے متعدد جلیل القدر ناشرین و شارحین حدیث پیدا ہوئے جن میں مولانا عبدالمنان وزیرآبادی (جن کے کثیر التعداد تلامذہ پنجاب میں مصروف درس و افادہ تھے)، عارف باللہ سید عبداللہ غزنوی (امرتسری) اور ان کے

www.ahlehaq.org

فرزند جلیل مولانا سید عبدالجبار غزنوی امرتسری (والد مولانا سید داؤد غزنوی) مولانا شمس الحق ڈیانوی مصنف غایۃ المقصود، مولانا محمد حسین بٹالوی، مولانا غلام رسول قلعوی، مولانا محمد بشیر سہسوانی، مولانا امیر احمد سہسوانی، مولانا حافظ عبداللہ غازیپوری ابو محمد مولانا ابراہیم آروی صاحب طریق النجاۃ، مولانا سید امیر علی ملیح آبادی، مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی، (اور علمائے عرب میں سے) شیخ عبداللہ بن ادریس الحسنی السنوسی، شیخ محمد بن ناصر النجدی، شیخ سعد بن احمد بن عتیق النجدی کے نام اس درس کی وسعت وافادیت کا اندازہ کرنے کے لئے کافی ہیں۔

حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب کے تلامذہ میں حضرت شاہ عبدالغنی مہاجر مدنی (م ۱۲۹۶ھ) بھی شامل ہیں جن سے ہندوستان کے کبار علماء واساتذۂ حدیث کو شرف تلمذ حاصل ہے اور ان کے ذریعہ سارا ہندوستان حدیث کے نور سے منور اور معمور ہو گیا، اور اس وقت کے سارے حلقہ ہائے درس اور مدارس عربیہ انہیں سے شرف انتساب رکھتے ہیں۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (بانی دار العلوم دیوبند) ان کے نامور تلامذہ میں سے ہیں، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے تلامذہ کبار میں مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ صاحب بذل المجہود کا نام لینا کافی ہے، مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ کے تلامذہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مصنف اوجز المسالک وغیرہ کا نام لینا کافی ہے، مولانا محمد قاسم صاحب کے تلامذہ میں مولانا سید احمد حسن امروہی اور شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی اور ان کے تلامذہ میں مولانا سید انور شاہ کشمیری اور مولانا سید حسین احمد مدنی کا نام اور کام محتاج تعارف نہیں، شاہ صاحب

www.ahlehaq.org

کے علو اسناد و عموم فیض اور بلند مرتبہ کے لئے ان کے شاگرد رشید مولانا محسن بن یحییٰ ترہتی کی مشہور کتاب "الیانع الجنی فی أسانید الشیخ عبد الغنی" کا مطالعہ معلومات افزا و بصیرت افروز ہے۔

نصرتِ سنّت و ردِّ تشیع

جہاں تک نقد رفض و تشیع کے مقابلہ اور اس کے اثر سے اہل سنت کو محفوظ رکھنے کے کارنامہ کا تعلق ہے اور جس کی ابتدا حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اپنی بے نظیر کتاب "ازالۃ الخفاء" سے کی تھی، اس کی تکمیل اور تقویت حضرت شاہ عبد العزیزؒ نے اپنی نادرۂ روزگار تصنیف "تحفۂ اثنا عشریہ" سے کی، جو ان کتابوں میں سے ہے جن کو ——— تاریخ ساز کہا جا سکتا ہے، اور جس طرح ملا محب اللہ بہاری کی تصانیف "مسلّم العلوم" اور "مسلّم الثبوت" نے تقریباً سو برس تک علمائے ہند کو اپنی شرح و تحشیہ میں مشغول رکھا، اور ان کی بہترین ذہانتوں اور توانائیوں کو مرکوز کر لیا،[1] اسی طرح اس کتاب کے جواب نے ممتاز ترین شیعہ علماء کو تصنیف و تالیف میں مشغول کر دیا، "عبقات" جس کا پورا نام "عبقات الانوار فی إمامة الأئمة الأطهار"[2] ہے اور جس کے مصنف مولوی سید حامد حسین صاحب کنتوری (م ۱۳۰۶ھ) ہیں، آٹھ جلدوں میں لکھی گئی،

---

[1] مولانا حکیم سید عبد الحئی صاحبؒ کی کتاب "الثقافة الاسلامية في الهند" مطبوعہ مجمع اللغة العربیة دمشق اور اس کے اردو ترجمہ "اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں" مطبوعہ دار المصنفین اعظم گڑھ سے ان شروح و حواشی کی حیرت خیز تعداد معلوم ہو سکتی ہے جو ان دونوں کتابوں بالخصوص سلّم کی شرح میں لکھی گئیں۔ [2] کتاب کے متعدد اجزاء لکھنؤ، اصفہان کے مختلف مطابع میں شائع ہوئے ہیں۔

www.ahlehaq.org

اس کتاب کی ضخامت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کی جلد اول ۸۱۲ صفحات میں، جلد دوم ۷۷۹ صفحات میں، سوم ۹۰۹ صفحات میں، چہارم ۹۰۴ صفحات میں، پنجم ۵۴۷ صفحات میں، ہشتم کل صفحات ۴۷۰، بقیہ حصص علیٰ ہذا القیاس ——— پوری کتاب ۳۰ حصوں میں ہے۔ مصنف کے فرزند مولوی سید ناصر حسین صاحب نے کتاب کی تکمیل کی۔ کتاب نجوم السماء سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی سید حامد حسین صاحب کے علاوہ مولوی دلدار علی صاحب مجتہد اول، حکیم مرزا محمد کامل دہلوی، مفتی محمد قلی خاں کنتوری، اور سلطان العلماء سید محمد صاحب نے بھی اس کتاب کی تردید میں اور اس کے اثر کو زائل کرنے کے لئے ضخیم کتابیں تصنیف کیں۔ یہ سلسلہ مرزا ہادی رسوا لکھنوی پر جا کر ختم ہوا، جو ادب و فلسفہ کے میدان کے آدمی تھے، لیکن انہوں نے بھی اس کار خیر میں حصہ لینے کی کوشش کی۔

تدریسی مشغولیت و انہماک، درس تفسیر و حدیث، اشاعت کتاب و سنت، بیعت و ارشاد و تربیت مریدین، افتاء و فصل خصومات کی ہوش ربا مشغولیت میں اور مختلف عوارض و امراض کی موجودگی میں شاہ صاحب کو اس مسئلہ کی طرف ہمہ تن متوجہ ہونے کا خیال اور ایک ایسی کتاب تصنیف کرنے کی فرصت کیسے ہوتی، جس کے لئے بیسیوں کتابوں اور ہزاروں صفحات کا مطالعہ اور ذہنی یکسوئی اور توجہ کامل ضروری تھی؟ اس کا اندازہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ بارہویں صدی ہجری کے وسط و آخر اٹھارویں صدی کے نصف آخر کی ہندوستان بالخصوص شمالی ہند، دہلی اور اس کے اطراف اور اودھ، بہار و بنگال کے مسلم معاشرہ و تمدن کی صورت حال پر گہری نظر نہ ہو اور اس ذہنی انتشار، دینی تشکیک اور مسلمان خاندانوں بالخصوص شرفاء و اہل حکومت اور صاحب اثر طبقہ پر تشیع کے اثرات اور اس کے اقدامی و جارحانہ رویہ سے واقفیت نہ ہو۔ اس کا اندازہ وہ شخص نہیں کر سکتا جس نے ہمایوں کے

www.ahlehaq.org

ایران سے واپس آنے کے بعد سے فرخ سیر اور اس کے بعد تک کے سیاسی و انتظامی انقلابات[1] ایرانی النسل امراء و علماء کے اثر و نفوذ، سید برادران (حسن علی خاں اور حسین علی خاں) کے دربار دہلی پر اثر و رسوخ، پھر دہلی میں نواب نجف علی خاں کے تسلط کی تفصیلات[1] نیز اودھ میں نواب ابو المنصور خاں صفدر جنگ نیشاپوری کے خاندان کی حکومت قائم ہو جانے اور شجاع الدولہ کے بعد سے شیعیت کے اثرات کا جائزہ نہ لیا ہو، اس کا کسی قدر اندازہ شاہ عبد العزیز صاحب کے اس بیان سے ہو سکتا ہے جو تحفہ کے مقدمہ میں ان کے محتاط قلم سے نکلا ہے، وہ فرماتے ہیں:۔

"اس ملک میں جس میں ہم سکونت پذیر ہیں اور اس زمانہ میں جو ہمارے حصے میں آیا ہے مذہب اثنا عشری کا رواج اور اس کے شیوع کی نوبت اس حد تک آ گئی ہے کہ دستیوں کے کم گھر ہوں گے جن میں ایک دو شخص اس گھر کے اس مذہب کے پیرو اور اس عقیدے کی طرف راغب نہ ہوں، ان میں سے اکثر علم تاریخ و اخبار سے بے خبر اور اپنے اسلاف کے حالات و اصول سے ناواقف اور غافل نظر آتے ہیں جب مجالس اور محافل میں اہل سنت والجماعت کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں تو کچھ نہیں

---

[1] نواب نجف علی خاں کا دہلی پر مکمل تسلط و اقتدار تھا، اور وہ کھل کر شیعہ کے حامی اور اہل سنت کے مخالف تھے ان کی تعدی کے متعلق واقعات مشہور ہیں جو غالباً صحیح نہیں اور ان میں مبالغہ یا تعصب سے کام لیا گیا ہو، لیکن کچھ اصل ضرور ہوگا غالباً اس تعدی سے بچنے کے لئے شاہ صاحب نے تحفہ کی تصنیف کی نسبت اپنے مشہور نام کے بجائے اپنے تاریخی نام "غلام حلیم" کی طرف کی ہے اور سرورق پر حسب ذیل عبارت ہے۔

"مصنفہ عالم باعمل فاضل اکمل حافظ غلام حلیم ابن شیخ قطب الدین احمد بن شیخ ابو الفیض دہلوی قدس سرہم" کتاب کا جواب لکھنے والوں نے جہاں مصنف کا حوالہ دیا ہے وہاں فاضل عزیز کے تعصب کا ذکر کیا ہے۔

www.ahlehaq.org

اور غلط بحث سے کام لیتے ہیں، اس غرض کے لئے حسبۃً للہ تعالیٰ یہ رسالہ ترتیب دیا گیا تاکہ بحث و مناظرہ کے وقت اس مذہب کے پیرو پٹری سے اترنے نہ پائیں اور خود اپنے اصول کے منکر نہ ہوں اور ان بعض امور میں جو حقیقت پر مبنی ہیں شک و تردد کو راہ نہ دیں۔[1]

شاہ صاحبؒ نے اس کتاب میں ان مناظرانہ اور متکلمانہ کتابوں اور اسلوب کی پیروی نہیں کی جو کسی مخالف فرقہ کی تردید و ابطال میں لکھی جاتی ہیں، اور ان کی خاص زبان ہوتی ہے، اولاً اس کتاب میں مذہب تشیع کے پیدا ہونے اور اس کے مختلف فرقوں میں تقسیم ہونے کا بیان ہے، اسی طرح فرقۂ شیعہ کے اسلاف علماء اور ان کی کتابوں کا تعارف ہے پھر خلافت کی بحث اور مطاعن صحابہؓ اور ان کے جوابات پر اکتفا کرنے کے بجائے اصولی مسائل، الٰہیات، نبوت، معاد، اور امامت پر مستقل ابواب تحریر کئے گئے ہیں، پھر خلفائے ثلاثہؓ اور حضرت ام المومنین حضرت عائشہؓ اور دوسرے صحابہؓ پر شیعوں کی طرف سے جو اعتراضات اور قدح کی گئی ہے، ان کا مفصل جواب ہے، پھر مذہب شیعہ کے خواص، ان کے اوہام و تعصبات پر کلام کیا گیا ہے، اور ان کی غلطیوں اور غلط فہمیوں پر تبصرہ ہے، آخری باب (دوازدہم) تولا و تبرا پر مشتمل ہے، جو دس مقدمات پر مبنی ہے کتاب بڑی تقطیع اور باریک طباعت میں ۷۰۰ صفحات میں آئی ہے۔

دوسری خصوصیت زبان کی حلاوت و سلاست اور برجستگی ہے جس کا اعتراف ہندوستان اور ایران کے متعدد شیعہ علماء نے بھی کیا ہے، خود نام سے اس طرز فکر اور قصد و ارادہ کا اظہار ہوتا ہے جو اس کتاب کی تصنیف کا محرک ہوا ہے، اس کے مقابلہ

---

[1] تحفہ اثنا عشریہ صلا مطبوعہ مطبع نولکشور لکھنؤ ۱۳۲۹ھ

www.ahlehaq.org

جو کتابیں لکھی گئیں، ان کے ناموں سے اکثر غضب و اشتعال کا اظہار ہوتا ہے اور سب و شتم کی جھلک ظاہر ہوتی ہے، مثلاً ایک کتاب کا نام "صوارم الإلٰهیات" ہے، ایک کا "حسام الإسلام" ایک کا "سیف ناصری" ایک کا "ذو الفقار"۔

اس عہد میں اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے کہ اس کتاب کی تصنیف نے جو وقت کی ایک ضرورت تھی، کیا خدمت انجام دی، راقم نے نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی سابق صدر الصدور امور مذہبی ریاست حیدرآباد سے (جن کا خاندان حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اور ان کے خلفاء سے وابستہ رہا ہے) خود سنا کہ اس کتاب کی تصنیف نے تشیع کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے مقابلہ میں ایک مضبوط پشتہ کا کام کیا، یہ کتاب شاہ صاحبؒ کی زندگی میں ۱۲۱۵ھ میں طبع ہو کر مشہور ہو گئی تھی[1] اور اس کے جوابات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، شاہ صاحبؒ کے ایک فاضل شاگرد مولوی اسلمی مدراسی نے اس کا عربی میں ترجمہ کیا، راقم نے یہ ترجمہ شیخ الاسلام عارف حکمت بے کے کتب خانہ واقع باب جبریل مدینہ طیبہ میں دیکھا ہے۔

انگریزی اقتدار کی مخالفت اور مسلمانوں کا ملّی تحفظ

جہاں تک ہندوستان میں اسلامی اقتدار کی حفاظت اور مسلمانوں کی آزادی کی راہ میں پیش آنے والے خطرے اور چیلنج کے مقابلہ کا تعلق ہے، شاہ صاحبؒ نے اس سلسلہ میں حالات کے اس حقیقت پسندانہ جائزہ اور بیدار مغزی، دور بینی اور شانِ عزیمت کا نمونہ پیش کیا، جو ایک صاحبِ بصیرت و فراست عالمِ دین، داعی و مصلح، اور اپنے وقت کے دینی رہنما کے

---

[1] مقالات طریقت ص۳۲

شایانِ شان ہے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے زمانہ میں وقت کا سب سے بڑا مسئلہ مرہٹوں کی تاخت اور ان کی اس فوج کشی و غارت گری کو روکنا تھا جو ایک روزمرہ کا واقعہ بن گیا تھا اور جس سے ایک طرف سلطنتِ مغلیہ بے بس، بے اثر اور ذلیل ہو رہی تھی، دوسری طرف مسلمانوں کی عزت و ناموس محفوظ نہیں رہی تھی اور شہریوں کی معمول کے مطابق زندگی باقی نہیں رہی تھی، اس وقت اس خطرہ کو دور کرنا اور اس کو روکنے کے لئے کسی امکانی امداد کو حاصل کرنا ایسا ہی تھا جیسے کسی گھر یا محلہ میں آگ لگنے کے وقت آگ بجھانے والے انجن و دستہ FIRE BRIGADE کو طلب کیا جاتا ہے اور شاہ صاحبؒ کی نظر میں احمد شاہ ابدالی اور اس کی فوج کی یہی حیثیت تھی، اور ان سے یہ توقع ہو گئی تھی کہ وہ اس آگ کو بجھانے کے بعد واپس چلے جائیں گے، شاہ صاحبؒ کی نظر میں یہ سلطنتِ مغلیہ کو سنبھلنے کا موقع دینے کے لئے اور کسی بہتر نظام کی ... جگہ لینے کے لئے (اگر اس کے بغیر چارہ نہیں ہے) ایک عارضی انتظام بمنزلہ مرہم کے درجہ کی چیز تھا، جو اس وقت کے مغل تاجدار شاہ عالم کی ذہنی پستی اور کوتاہ نظری کی وجہ سے کامیاب نہیں ہو سکی، اس وقت تک ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہندوستان کی زمامِ اقتدار سنبھالنے پھر اس وسیع ملک پر سات سمندر پار کی ایک قوم کی حکومت قائم ہو جانے کے وہ آثار ظاہر نہیں ہوئے تھے جو شاہ صاحبؒ کی توجہ کو پورے طور پر اس پر مرکوز کر دیتے۔

لیکن شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد ہندوستان کے حالات تیزی سے بدلے ۱۱۷۹ھ / ۱۷۶۵ء میں (شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی وفات کے تین سال بعد) بنگال، بہار، اڑیسہ تینوں صوبوں کی دیوانی بلا شرکتِ غیرے بطور التمغا (انعامی یا عطا شدہ جاگیر کی قسم) مستقلاً کمپنی کو دی جا چکی تھی، سرکار بنارس اور غازی پور بطور جاگیر کمپنی کو مل چکے تھے، اب

www.ahlehaq.org

خاندانِ تیموریہ کے بادشاہ شاہ عالم کے پاس ملک میں صرف ایک صوبہ الٰہ آباد تھا اور آمدنی میں دو روپیہ تھا جو انگریز اس کو دیتے تھے۔ مارچ ۱۸۰۳ء (۱۲۱۸ھ) میں کلکتہ گزٹ میں شائع کیا گیا کہ مسلمانوں کی سلطنت تو نہایت حقیر و ذلیل ہو گئی ہے ہندوؤں سے ہم کو کچھ خوف نہیں ہے۔ ۱۷۵۷ء میں انگریزوں نے پلاسی کے میدان میں سراج الدولہ کو اور ۲۳ اکتوبر ۱۷۶۴ء (۱۱۷۸ھ) میں بکسر کے میدان میں شجاع الدولہ کو شکست دی ۱۷۹۹ء (۱۲۱۳ھ) میں سلطان شہید سلطان ٹیپو نے سرنگاپٹن کے میدان میں شہادت حاصل کی اور گویا ہندوستان میں مسلمانوں کے اقتدار کی قسمت پر مہر لگ گئی سلطان شہید کی نعش دیکھ کر جنرل ہارس HARRIS نے بجا طور پر کہا کہ آج ہندوستان ہمارا ہے۔[۱]

شاہ عبد العزیز صاحب نے جو دہلی میں مصروف درس و افادہ تھے لیکن ان کی حقیقت بین نگاہ سارے ہندوستان پر تھی، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو غیر معمولی طور پر حقیقت بین، دور رس، صاحب حمیت و عزیمت طبیعت عطا فرمائی تھی، اس انقلاب کا پورا جائزہ لیا اور اس نتیجہ تک پہونچ گئے کہ اس وقت بچے کھچے اسلامی اقتدار اور اس ملک میں مسلمانوں کے مستقبل کے لئے خطرہ انگریز ہیں، ان کے ایک عربی شعر میں اس حقیقت کی پوری عکاسی کی ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ انگریزوں کے اثرات کو ہندوستان ہی تک محدود نہیں سمجھتے تھے، ان کو اس سے زیادہ وسیع اور دور رس سمجھتے تھے، وہ فرماتے ہیں:۔

وإني أرى الإفرنج أصحاب ثروة   لقد أفسدوا ما بين دهلي وكابل

(میں فرنگیوں کو جو دولت کے مالک ہیں دیکھتا ہوں کہ انھوں نے دہلی اور کابل کے درمیان فساد برپا کر رکھا ہے)

۱؎ ملاحظہ ہو تاریخ سلطنت خداداد میسور از محمود خان محمود بنگلوری ص ۳۶۶

www.ahlehaq.org

ہمارے علم میں وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اس وقت ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے کی جرأت کی، اور صورت حال کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیتے ہوئے فقہ و اصول فقہ کی روشنی میں مسئلہ کی ایسی تنقیح کی جس سے ان کی بصیرت کا بھی اظہار ہوتا ہے اور اخلاقی و دینی جرأت کا بھی۔ فتاویٰ عزیزی جلد اول میں اس سوال کے جواب میں کہ دارالاسلام دارالحرب ہوسکتا ہے یا نہیں؟ در مختار کی ایک طویل عبارت نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"اس شہر (دہلی) میں امام المسلمین کا حکم اصلاً جاری نہیں ہے۔ نصرانی حکام کا حکم بے دغدغہ جاری ہے اور اجرائے احکام کفر کہتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ ملکداری کے معاملہ رعایا کے بندوبست خراج و باج اور اموال تجارت کے عشور کے وصول کرنے، ڈاکوؤں، چوروں کو سزا دینے، فصل خصومات اور جرائم کی تعزیر میں کفار بطور خود حاکم و مختار ہوں، اگر بعض اسلامی احکام جیسے جمعہ اور عیدین، اذان و ذبح بقر سے وہ تعرض نہ کرتے ہوں لیکن اصل الاصول یہی ہے کہ یہ چیزیں ان کے رحم و کرم پر ہوں، ہم دیکھتے ہیں کہ وہ مساجد کو بے تکلف منہدم کر دیتے ہیں، کوئی مسلمان یا غیر مسلم ذمی ان کی اجازت کے بغیر اس شہر اور اس کے نواح میں داخل نہیں ہوسکتا، اپنی منفعت کے لئے وہ باہر سے آنے والوں، مسافروں اور سوداگروں کو منع نہیں کرتے لیکن دوسرے ذی وجاہت لوگ مثلاً شجاع الملک ولایتی بیگم بغیر ان کے حکم کے ان شہروں میں داخل نہیں ہوسکتے، اس شہر (دہلی) سے کلکتہ تک نصاریٰ کی عملداری پھیلی ہوئی ہے، ہاں دائیں بائیں مثلاً حیدرآباد، لکھنؤ اور رامپور میں انھوں نے اپنے احکام جاری نہیں کئے، کیونکہ

www.ahlehaq.org

پھر تو اپنے مصالح کی بنا پر اور کبھی ان ریاستوں کے حکام کے ان کی اطاعت قبول کر لینے کی بنا پر[1]

حضرت شاہ صاحبؒ کے خیالات کا، جو وہ انگریزوں کو جس نظر سے دیکھتے تھے، پورا عکس ان کے جلیل القدر خلیفہ اور تربیت یافتہ داعی و مصلح حضرت سید احمد شہیدؒ کے خیالات و جذبات میں پایا جاتا ہے جن کی صاف جھلک آپ کے خطوط میں نظر آتی ہے، جو آپ نے اس وقت ہندوستان کے بعض ذی اثر و صاحب حکومت رؤسا اور بعض غیر ملکی مسلمان اہل حکومت کو لکھے ہیں۔ شاہ سلیمان والی چترال کو ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

قضا را از مدت چند سال حکومت	تقدیر سے چند سال سے ہندوستان
و سلطنت ایں ملک بہ ایں عنوان	کی حکومت و سلطنت کا یہ حال
گردیدہ کہ نصارا انگریز بدخصال	ہو گیا ہے کہ عیسائیوں اور مشرکوں
و مشرکین بدمآل بر اکثر بلاد ہند استیلا	نے ہندوستان کے اکثر حصہ پر
یافتہ و آں دیار را بظلمات ظلم و بیداد	غلبہ حاصل کر لیا ہے اور ظلم و بیداد
مشحون ساختند[2]	شروع کر دی ہے۔

اس سے زیادہ واضح الفاظ میں ہندو راؤ وزیر گوالیار کو لکھتے ہیں:۔

برائے سامی روشن و منیر ہویدا است کہ	جناب کو خوب معلوم ہے کہ پردیسی
بیگانگان بعید الوطن ملوک زمین	سمندر پار کے رہنے والے دنیا
و زمن گردیدہ و تاجران متاع فروش	جہاں کے تاجدار اور یہ سودا

[1] فتاویٰ عزیزی جلد اول صفحہ ۱۷ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۱ھ [2] سیرت سید احمد شہید حصہ اول ص ۲۹۵

www.ahlehaq.org

بہ پایۂ سلطنت رسیدہ واز دست	بیچنے والے سلطنت کے مالک بن گئے
امرائے کبار و ریاست رؤسائے عالی	امراء بڑے بڑے اہل حکومت کی
مقدار برباد نمودہ اند و عزت	حکومت اور ان کی عزت وحرمت
واعتبار ایشاں بالکل ربودہ[1]۔	کو انھوں نے خاک میں ملا دیا ہے۔

غلام حیدر خان کے نام لکھتے ہیں جو گوالیار کے ایک فوجی افسر تھے :-

اکثر بلاد ہندوستان بدست	ملک ہندوستان کا بڑا حصہ غیر ملکیوں
بیگانگان افتادہ وایشاں بر جا بجا	کے قبضہ میں چلا گیا ہے اور انھوں نے
وآئین جور وظلم نہادہ و ریاست	ہر جگہ ظلم وزیادتی پر کمر باندھ لی
رؤسائے ہندوستان برباد رفتہ[2]۔	ہے ہندوستان کے حاکموں کی
	حکومت برباد ہو گئی۔

سید صاحبؒ کے اس خط سے جو انھوں نے شہزادہ کامران کو لکھا ہے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس جہاد سے آپ کا مقصود اصلی ہندوستان تھا، جو تدریجاً انگریزوں کے قبضہ میں چلا جا رہا تھا، خط میں تحریر فرماتے ہیں :-

بعدہ خود ایں جانب معہ مجاہدین قصد	اس مہم (سرحد وپنجاب) سے
بہمت جہاد ہندوستان بنا بر	فراغت کے بعد یہ خاکسار مع مجاہدین
ازالہ کفر وطغیان متوجہ خواہد شد	منافقین کفر وطغیان کے ازالہ کی
کہ مقصود اصلی ہمیں ہندوستان	نیت سے ملک ہندوستان کی طرف
است[3]۔	متوجہ ہوگا کیونکہ یہی مقصود اصلی ہے۔

---

[1] سیرت سید احمد شہیدؒ حصہ اول ص۲۹۰-۲۹۱ [2] ایضاً ص۲۹۲ [3] ایضاً

اس کا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا ہے کہ سید صاحبؒ ۱۲۲۲ھ میں (حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی وفات سے بارہ سال پہلے) امیر خاں کے لشکر میں تشریف لے گئے جو اس وقت انگریزوں سے برسرِ پیکار تھے۔ ان کے ساتھ ہندوستان کا بہترین فوجی عنصر، مسلمانوں کا گرم و تازہ خون، ہندوستان کی فاتح طاقت کا بچا کھچا سرمایہ اور وقت کے بہت سے شاہین و شہباز تھے۔ یہ ہندوستان میں ایک بڑھتی ہوئی آزاد طاقت تھی جس کو وقت کا کوئی مبصر نظر انداز نہیں کر سکتا[1] اور جس کو با مقصد اور منظم بنا کر انگریزوں کی ابھرتی ہوئی طاقت کے مقابلہ میں لایا جا سکتا تھا۔ ملکوں اور قوموں کی تاریخ میں ایسی حوصلہ مند قوتوں نے اپنی عددی اور سامانی کمزوری کے باوجود حالات کا رخ بدل دیا ہے۔ اس کا کوئی تحریری ثبوت ابھی تک نہیں ملا ہے کہ حضرت سید صاحبؒ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی کسی ہدایت اور حکم سے نواب امیر خاں کے لشکر میں تشریف لے گئے لیکن اس کا قرینہ ضرور پایا جاتا ہے کہ یہ اقدام حضرت شاہ صاحبؒ کے ایماء پر یا کم سے کم تائید و پسندیدگی پر ہوا اس لئے کہ ۱۲۳۲ھ میں جب نواب نے انگریزوں سے مصالحت کر لی اور راجپوتانہ اور مالوہ کے چند متفرق اور منتشر علاقوں پر قناعت کر کے جن کے مجموعہ کا نام ریاست ٹونک تھا، انگریزوں سے جنگ کرنے سے علیحدگی اختیار کر لی، اور سید صاحبؒ نے اب ان کا مزید قیام بے سود سمجھا تو آپ نے علیحدگی کا فیصلہ فرمایا اور ایک خط حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کو لکھا جس کا مضمون تھا:۔

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "سیرت سید احمد شہیدؒ" حصہ اول۔ امیر خاں مرحوم کو پنڈاروں سے جن کو انگریزی تاریخوں نے اور ان سے متأثر مؤرخوں کی کتابوں میں ایک رہزن اور تخریبی گروہ کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے کوئی تعلق نہ تھا۔ اصلیت صرف اتنی ہے کہ پنڈارے کبھی کبھی ان کی پناہ لے لیتے تھے اور وہ ان کو فوری خطرہ سے بچا لیتے تھے۔

www.ahlehaq.org

"خاکسار بقدم بوسی کو حاضر ہوتا ہے یہاں شکر کا کارخانہ درہم برہم ہوگیا"

نواب صاحب انگریزوں سے مل گئے اب یہاں رہنے کی کوئی صورت نہیں۔[1]

اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ یہ سفر شاہ صاحبؒ کے ایماء و مشورہ سے ہوا تھا اس لئے واپسی پر آپ کو اس کی اطلاع دینی ضروری تھی۔

اس طرح شاہ صاحبؒ نے اس خطرہ کے بھانپنے میں جو مسلمانوں اور ہندوستان کو درپیش تھا خداداد بصیرت اور مومنانہ فراست سے کام لیا اور اس کے لئے وہ اپنے زمانہ میں جو تدبیر کر سکتے تھے اس میں کوئی کمی نہیں کی ان کی یہی بصیرت اور جذبہ ان سے انتساب رکھنے والی جماعت مجاہدین (جس کی قیادت حضرت سید احمد شہیدؒ اور شاہ صاحبؒ کے قابل فخر بھتیجے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کر رہے تھے) میں پورے طور پر کارفرما نظر آتا ہے اور جس کا پورا مظاہرہ مولانا ولایت علی عظیم آبادی، مولانا یحییٰ علی صادقپوری، مولانا احمد اللہ و مولانا عبداللہ صاحب کی انگریزوں کے خلاف سرحدی جنگوں اور صادقین صادقپور کی عظیم قربانیوں میں جلوہ فگن ہے جن کی نظیر ملنی مشکل ہے۔

پھر یہ جذبہ اس جماعت سے ان علماء اور دینی قائدین کی طرف منتقل ہوا جنھوں نے ۱۸۵۷ء میں اس کے لئے جان کی آخری بازی لگا دی اور جن میں مولانا احمد اللہ شاہ مدراسیؒ، مولانا لیاقت علی الہ آبادیؒ، حضرت حاجی امداد اللہ تھانویؒ اور حضرت حافظ ضامن شہیدؒ کے نام معروف و مشہور ہیں، اور اس کے بعد ان علماء کی طرف جنھوں نے اس شمع کو روشن رکھا اور ۱۹۴۷ء تک اس کا سلسلہ کسی نہ کسی طرح جاری رکھا۔[2]

---

[1] رسائل احمدی (قلمی) مخطوطہ کتب خانہ ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

[2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب "کاروان ایمان و عزیمت" از ص ۴۳ تا ۹۱

www.ahlehaq.org

مردانِ کار کی تربیت

جہاں تک ان مردانِ کار کی تربیت کا تعلق ہے جو حالات اور وقت کے تقاضوں اور دین کے حقیقی مطالبوں کے مطابق دعوت و اصلاح کا کام انجام دیں اور جذبۂ جہاد کا بیڑا اٹھائیں یہ تقدیر اور حکمتِ الٰہی کی بات ہے کہ اس میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا حصہ اپنے بہت سے شیوخ و اسلاف اور بعض ایسے حضرات سے بھی بڑھا ہوا ہے جن کا درجہ ممکن ہے (اور قرائن اس پر دلالت کرتے ہیں) کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ان سے بڑھا ہوا ہو، شاہ صاحبؒ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ایسے متعدد عالی استعداد اور بلند ہمت و عزیمت رکھنے والے صاحبِ تاثیر نفوس کی تربیت کا کام لیا جنھوں نے ہزاروں انسانوں کی زندگیوں میں انقلاب برپا کر دیا، اور ایک پوری صدی کو سنبھال لیا، شاہ صاحبؒ کے علم اور زندگی کے دریا کی سطح ساکن تھی، لیکن بقول اقبال ؎

اسی دریا سے اٹھتی ہے وہ موجِ تند جولاں بھی
نہنگوں کے نشیمن جس سے ہوتے ہیں تہ و بالا

حضرت سید احمد شہیدؒ

اس دعوے کے ثبوت کے لئے تنہا ان کے خلیفۂ ارشد حضرت سید احمد شہیدؒ (ولادت ۱۲۰۱ھ وفات ۱۲۴۶ھ) کا نام لینا کافی ہے جنھوں نے اس برِ اعظم میں عظیم اسلامی تحریک کی رہنمائی کی جس کی نظیر جامعیت، قوتِ تاثیر اور اسلام کی اولین دعوت اور

www.ahlehaq.org

طریق نبوت سے قریب و مماثلت ہیں نہ صرف تیرہویں صدی میں نظر نہیں آتی جو اس کا عہد ہے بلکہ گزشتہ کئی صدیوں میں بھی اس جیسی ایمان آفریں تحریک اور صادقین و مخلصین کی ایسی مربوط و منظم جماعت کا کوئی سراغ نہیں ملتا، وہ عقائد و اعمال کی تصحیح، افراد کی تربیت، وعظ و تبلیغ، اور جہاد و سرفروشی کے وسیع و طویل رقبہ پر بیک وقت جس طرح سرگرم عمل رہی اس کا اثر صرف ان کے میدان کارزار اور ان کی معاصر نسل تک محدود نہ رہا بلکہ اس نے آئندہ نسل اپنے بعد آنے والے اہل حق، اصحاب دعوت اور دین کے علمبرداروں اور رہنماؤں پر گہرے نقوش چھوڑے، بڑھتے ہوئے انگریزی اقتدار کے مقابلہ، ہندوستان اور اس کے پڑوسی مسلم ممالک کی حفاظت اور قیام حکومت اسلامیہ علی منہاج الخلافۃ الراشدہ کی جد و جہد کی ابتدا بھی آپ ہی نے کی، اس تحریک اور جد و جہد کی زمام قیادت ہندوستان میں اول اول اسی جماعت کے علماء اور قائدین کے ہاتھوں میں رہی، ہندوستان کے مختلف حصوں میں دینی کتابوں کی تصنیف و تالیف اور ترجمہ و نشر و اشاعت کی جدید تحریک (جس نے اس وسیع و عمیق خلیج کو پر کیا جو مسلم عوام اور صحیح اسلامی تعلیمات اور کتاب و سنت کے درمیان پائی جاتی تھی) انہیں کی کوششوں کی رہین منت ہے مسلمانوں کی دینی و سیاسی بیداری بالواسطہ اور بلا واسطہ اسی دعوت و تحریک کا نتیجہ اور ثمرہ ہے، اس تحریک کے اثرات علم و ادب، فکر اسلامی، اور زبان و اسالیب بیان پر گہرے پڑے، اس نے اصلاح معاشرہ، جاہلی رسوم کے ابطال، ہندوانہ اثرات کے ازالہ اور صحیح اسلامی زندگی کی طرف بازگشت کا زبردست کام انجام دیا۔

سید صاحبؒ اور ان کی دعوت و تربیت کے اثرات کی وسعت، قوت اور گہرائی و گیرائی کا اندازہ کرنے کے لئے یہاں پر ہم چند اہل نظر کی تحریروں کے کچھ اقتباسات

www.ahlehaq.org

پیش کرتے ہیں۔

ہندوستان کے شہرۂ آفاق مصنف و مؤرخ نواب سید صدیق حسن خاں بھوپالی (م ۱۳۰۷ھ) جنہوں نے سید صاحبؒ کی تعلیم و تربیت کے اثرات کو خود دیکھا تھا اور آپ کے دیکھنے والوں کی ایک بڑی جماعت کا زمانہ پایا تھا، اپنی تصنیف "تقصار جیود الاحرار" میں لکھتے ہیں:-

"خلق خدا کی رہنمائی اور خدا کی طرف رجوع کرنے میں وہ خدا کی ایک نشانی تھے، ایک بڑی خلقت اور ایک دنیا آپ کی ظاہری و باطنی توجہ سے درجۂ ولایت کو پہونچی، آپ کے خلفاء کے مواعظ نے سرزمین ہند کو شرک و بدعت کے خس و خاشاک سے پاک کر دیا اور کتاب و سنت کی شاہراہ پر ڈال دیا، ابھی تک ان کے مواعظ کے برکات جاری و ساری ہیں۔"

آگے چل کر لکھتے ہیں:-

"خلاصہ یہ کہ اس زمانہ میں دنیا کے کسی ملک میں بھی ایسا صاحب کمال سنا نہیں گیا اور جو فیوض اس گروہ حق سے خلق خدا کو پہونچے ان کا عشر عشیر بھی اس زمانہ کے علماء و مشائخ سے نہیں پہونچا۔"[1]

علامۂ عصر استاذ الاساتذہ حضرت مولانا حیدر علی رامپوری ٹونکی (م ۱۲۷۳ھ) تلمیذ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ "صیانۃ الناس" میں تحریر فرماتے ہیں:-

"ان کی ہدایت کا نور آفتاب کی شکل کمال زور و شور کے ساتھ بلاد و قلوب ہند میں منور ہوا، ہر ایک طرف سے حیران ازلی رخت سفر باندھ کر منزلوں سے

[1] تقصار جیود الاحرار من تذکار جنود الابرار (فارسی) مطبوعہ بھوپال ۱۲۹۸ھ ص ۱۰۱-۱۰۲

www.ahlehaq.org

آدمی کے شرک و بدعات وغیرہ منہیات سے (جن کے حسب عادت زمانہ خوگر ہوئے تھے) توبہ کر کے توحید و سنت کی راہ راست اختیار کرنے لگے اور اکثر ملکوں میں خلفائے راست کردار جناب موصوف نے سیر فرما کر لاکھوں آدمی کو دین محمدی کی راہ راست بتادی جن کو سمجھ تھی اور توفیق الٰہی نے ان کی دستگیری کی وہ اس راہ پر چلے۔"[1]

ہندوستان کے ایک باخبر اور ثقہ عالم دین مولوی عبدالاحد صاحب جنھوں نے اس جماعت قدسیہ کے بہت سے افراد کی زیارت کی تھی اور جن کا زمانہ سید صاحبؒ سے قریب تھا، لکھتے ہیں:-

"حضرت سید صاحبؒ کے ہاتھ پر چالیس ہزار سے زیادہ ہندو وغیرہ کفار مسلمان ہوئے اور تیس لاکھ مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور جو سلسلہ بیعت آپ کے خلفاء کے ذریعہ تمام روئے زمین پر جاری ہے اس سلسلہ میں کروڑوں آدمی آپ کی بیعت میں داخل ہیں۔"[2]

---

[1] [illegible] الناس علی وجوب متابعۃ السنۃ مطبوعہ ۱۳۰۶ھ ص ۱۲

[2] سوانح احمدی۔ اس سلسلہ میں مزید تفصیلات کے لیے حضرت مولانا ولایت علی عظیم آبادی (م ۱۲۶۹ھ) اور مولانا کرامت علی جونپوری (م ۱۲۹۰ھ) کے حالات مصنف کے رسالہ "تحقیق و انصاف کی عدالت میں ایک مظلوم مصلح کا مقدمہ" میں دیکھے جائیں۔ سید صاحبؒ کے متعلق [illegible] کے لیے مولانا غلام رسول مہر کی کتاب "سید احمد شہید" (۲ جلد) اور مصنف کی کتاب "سیرت سید احمد شہید" (۲ جلد) کا مطالعہ کیا جائے۔ سید صاحب کے خلفاء کے ذریعہ جو عمومی ہدایت و اصلاح ہوئی اس کا [illegible]

[3] [illegible] سید محمد علی [illegible] مصنف [illegible] نواب [illegible] مطبوعہ [illegible] ہو سکتا ہے جو سید صاحب کے [illegible] حالات [illegible] ان سے جو ہدایت و فیض پہنچا اس کے تذکرہ میں ہے

www.ahlehaq.org

اس عظیم الشان اصلاحی و تجدیدی کارنامہ کی بنا پر اکثر اصحاب نظر و اہل انصاف آپ کو تیرھویں صدی کا مجدد مانتے ہیں۔

مولانا عبد الحی بڈھانویؒ اور مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ

شاہ عبد العزیز صاحبؒ کی تعلیم و تربیت کا دوسرا نمونہ آپ کے دو تلامذہ رشید اور عزیز قریب مولانا عبد الحی بڈھانویؒ اور مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ ہیں، حضرت شاہ عبد العزیزؒ خود ان دونوں کی فضیلت علمی اور تبحر کے قائل تھے، آپ نے ایک خط میں ان دونوں کو تاج المفسرین فخر المحدثین سرآمد علمائے محققین لکھا ہے اور فرمایا ہے کہ:۔

> "دونوں حضرات تفسیر و حدیث و فقہ و اصول و منطق وغیرہ میں اس فقیر سے کم نہیں ہیں، جناب باری کی جو عنایت ان دونوں بزرگوں کے شامل حال ہے اس کا شکر مجھ سے ادا نہیں ہو سکتا، ان دونوں کو علمائے ربانی میں شمار کرو اور جو مشکل حل نہ ہو ان کے سامنے پیش کرو۔"[1]

مولانا عبد الحی صاحبؒ کا پایہ اہل علم کے نزدیک علوم رسمیہ میں بہت بلند تھا، اور تفسیر میں خود شاہ صاحبؒ مولانا کو اپنے تمام تلامذہ پر فضیلت دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ وہ میرا نمونہ ہیں، شیخ الاسلام کا لقب جو اسلام میں خاص خاص علماء کو دیا گیا ہے شاہ صاحبؒ نے خود مولانا کو ایک خط میں دیا ہے۔

علمی تبحر اور ذہنی کمالات پر بھی جو چیز فوقیت رکھتی ہے وہ آپ کی للہیت اور اخلاص ہے کہ اس علم و فضل کے ساتھ سید صاحبؒ کی طرف رجوع ہوئے جو عمر میں آپ سے کچھ سال

---

[1] مکتوب بنام مفتی [illegible] (رسالے سال [illegible]) ملاحظہ ہو سیرت سید احمد شہیدؒ حصہ اول ص [illegible]

اور علم میں آپ سے تلمذ کا شرف رکھتے تھے، بیعت ہوتے ہی آپ سید صاحبؒ کے رنگ میں رنگے گئے، اور اپنے سارے علم و فضل کو آپ پر اور دعوت و جہاد کے کام پر تصدق، اور قلم و زبان اور خدا کی دی ہوئی ہر قوت و قابلیت کو حق کی اشاعت و نصرت کے لئے وقف کر دیا، اور سفر ہجرت و جہاد ہی میں جان جان آفریں کے سپرد کی۔

جہاں تک مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کا تعلق ہے، وہ ان اولوالعزم عالی ہمت ذکی، جری اور غیر معمولی افراد میں تھے جو صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں، وہ مجتہدانہ ملکہ کے مالک تھے اور اس میں ذرا مبالغہ نہیں کہ ان میں بہت سے علوم کو از سر نو مدون کرنے کی قدرت و صلاحیت تھی، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے ایک خط میں ان کو حجۃ الاسلام کے لقب سے یاد کیا ہے، آپ کی تصانیف[1] اور علم پر حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے طرز کی جھلک نظر آتی ہے، وہی علم کی تازگی، اجتہاد، ان کی نطافت، نکتہ آفرینی، اسرار شریعت کا ذوق قرآن و حدیث کا خاص تفقہ اور استحضار اور زور کلام۔

شاہ صاحبؒ کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے علما، اہل درس اور اہل ذکاوت کے اس دائرہ سے باہر قدم نکالا جو برسوں بلکہ صدیوں سے اس گروہ کے لئے مقرر ہو چکا تھا اور اصلاح و ارشاد، دعوت، اور جہاد و عزیمت کے دائرہ میں نہ صرف قدم رکھا، بلکہ اس میں قیادت کا فرض انجام دیا، ان کی کتاب تصنیف "تقویۃ الایمان" سے خلق خدا کو وہ فائدہ پہونچا اور عقائد کی ایسی اصلاح ہوئی کہ شاید کسی حکومت کی منظم کوشش سے مشکل سے ہوتی، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ فرماتے تھے کہ مولوی اسماعیل صاحبؒ کی حیات ہی میں دو ڈھائی لاکھ آدمی درست ہو گئے تھے اور ان کے بعد جو نفع ہوا اس کا تو اندازہ

---

[1] ملاحظہ ہو "منصب امامت"، "عبقات"، "ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح"

www.ahlehaq.org

ہو ہی نہیں ہو سکتا۔"

عمومی دعوت و اصلاح کے اس عظیم کام کے ساتھ آپ نے جہاد فی سبیل اللہ کے لئے اپنے کو پورے طور پر تیار کیا، سید صاحبؒ کی (جن سے آپ نے بیعت سلوک و بیعت جہاد کی تھی) نہ صرف ہمرکابی اور رفاقت کا حق ادا کیا، بلکہ اس کام میں آپ کی حیثیت تحریک کے ایک قائد اور امیر کے وزیر و نائب کی تھی، پھر اسی کام میں اپنی ہستی فنا کر دی اور بالاکوٹ کے معرکہ میں شہادت کا شرف حاصل کیا، اقبال نے ایسے ہی حضرات کے متعلق کہا ہے ؎

تکیہ بر حجت و اعجاز بیاں نیز کنند — کارِ حق گاہ بہ شمشیر و سناں نیز کنند
گاہ باشد کہ تہِ خرقہ زرہ می پوشند — عاشقاں بندۂ حال اند چناں نیز کنند

مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ و شاہ محمد یعقوب صاحبؒ

شاہ صاحبؒ کے ذوقِ خاص درس حدیث، اجازت و اسناد اور علوم دینیہ کی نشر و اشاعت میں آپ کے جانشین آپ کے دونوں نواسے حضرت شاہ محمد اسحٰقؒ (۱۱۹۷ھ — ۱۲۶۲ھ) اور شاہ محمد یعقوبؒ (۱۲۰۰ھ تا ۱۲۸۲ھ) تھے جو شاہ محمد افضل کے صاحبزادے تھے، حضرت شاہ عبد العزیزؒ نے حضرت شاہ محمد اسحٰقؒ کو اپنا جانشین بنایا، اور اپنی تمام کتابیں اور گھر وغیرہ آپ ہی کو ہبہ کر دیا، آپ شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد ان کی مسند درس پر بیٹھے اور ۱۲۳۹ھ سے لے کر ۱۲۵۸ھ تک دہلی میں اور ۱۲۵۸ھ سے (جب آپ نے مکہ معظمہ ہجرت کی) ۱۲۶۲ھ تک حجاز مقدس میں حدیث کی تدریس و خدمت میں سرتاپا غرق و منہمک رہے اور ہندوستان کے صدہا علماء نے آپ سے حدیث کا درس لیا اور بڑے بڑے علماء

www.ahlehaq.org

واساتذۂ حدیث نے بلاد و امصار سے آکر آپ سے استفادہ کیا اور حدیث کی سند لی جن میں شیخ عبداللہ سراج مکی اور دوسرے کبار علماء شامل ہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے تھے کہ اللہ نے ان کو شاہ محمد اسماعیل (بھتیجے) اور شاہ محمد اسحٰق (نواسے) کی شکل میں دو قوت بازو اور عصائے پیری عطا فرمائے، اور اکثر یہ آیت پڑھتے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ۔ دوشنبہ ۲۷ رجب ۱۲۶۲ھ کو مکہ معظمہ میں وفات پائی اور جنۃ المعلاۃ میں حضرت سیدہ خدیجہؓ کی قبر کے پاس دفن ہوئے۔

شاہ محمد یعقوب صاحبؒ نے بھی دہلی میں ایک مدت تک درس و افادہ کا سلسلہ جاری رکھا، پھر اپنے بڑے بھائی شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ کے ساتھ ۱۲۵۸ھ میں مکہ معظمہ ہجرت کی اور وہیں متوطن ہو گئے۔ ان سے نواب سید صدیق حسن خان قنوجیؒ (والی بھوپال)[2] حضرت مولانا سید خواجہ احمد حسنی نصیرآبادیؒ[3] اور ایک خلق نے استفادہ کیا۔ جمعہ کے دن ۲۲ ذی قعدہ ۱۲۸۲ھ میں مکہ مکرمہ میں انتقال کیا، اور جنۃ المعلاۃ میں مدفون ہوئے۔

اجلۂ علماء و اساتذۂ کبار

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے درس و تربیت و صحبت سے جن علماء نے

۱؎ حالات کے لیے ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر ج ۷۔ ۲؎ نواب صاحب کی علم حدیث کی جو خدمت کی ہے ان کی ذات سے کتب حدیث کی جو اشاعت ہوئی ان کی توجہ اور سرپرستی سے بھوپال جس طرح علم حدیث کا ایک مرکز اور محدثین کا مسکن و وطن بن گیا وہ ایک تاریخی حقیقت اور ان کا ایک کارنامہ ہے۔ پہلی مرتبہ ان کی کوششوں سے ... علماء و طلبہ علم حدیث کے ... شرح و روایت ان کا کمال ہے۔ ۳؎ حضرت سید احمد شہیدؒ کے خاندان ... ... تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ...

فائدہ اٹھایا، پھر اپنا حلقۂ درس قائم کر کے سارے ہندوستان میں نام پیدا کیا، اور دینی نظامِ تعلیم میں زندگی کی ایک نئی روح پھونک دی، پھر خود ان کے درس کے فیض سے کثیر التعداد جید علماء تیار ہو کر نکلے ان میں سے چند کے نام یہاں لکھے جاتے ہیں جو اپنی قوت و ملکۂ تدریس، منقول و معقول کی جامعیت اور تبحر علمی میں مشہور و مسلّم تھے اور جو اپنی اپنی جگہ خود ایک مدرسہ اور دبستان تھے۔

(۱) مولانا مفتی الٰہی بخش کاندھلوی (۲) مولانا امام الدین دہلوی (۳) مولانا حیدر علی رامپوری ٹونکی (۴) مولانا حیدر علی فیض آبادی صاحب "منتہی الکلام" (۵) مولانا رشید الدین دہلوی (۶) مولانا مفتی صدر الدین دہلوی۔

ان کاملینِ علم و فن اساتذۂ کبار و دوران سے پیشتر جن اہلِ دعوت و عزیمت اور تحریکِ اصلاح و تجدید اور جہاد فی سبیل اللہ کے قائدین کا نام آیا، جو شاہ صاحبؒ سے نسبتِ روحانی اور استفادۂ باطنی رکھتے تھے ان سب کی وجہ سے کہا جا سکتا ہے کہ تیرھویں صدی حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے تعلیم و ارشاد اور تربیتِ افراد کی صدی تھی۔

"وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ"

شاہ صاحبؒ کے تذکرہ سے فارغ ہو کر جو سلسلۂ ولی اللٰہی کے دائرہ کا نقطۂ مرکزی اور ان کے صاحبزادگان اور تلامذہ کے سلک لؤلؤ میں دُرِّ شہوار (واسطۃ العقد) کی حیثیت رکھتے تھے، ہم شاہ صاحبؒ کے دوسرے دو صاحبزادوں حضرت شاہ رفیع الدینؒ اور حضرت شاہ عبدالقادرؒ کا، اور شاہ صاحبؒ کے تین خلفائے کبار حضرت شاہ محمد عاشق پھلتیؒ، خواجہ محمد امین کشمیریؒ اور سید شاہ ابو سعید حسنیؒ رائے بریلوی کا تذکرہ پیش کرتے ہیں گے جو نسبتاً مختصر طرح سے ماخوذ و ملخص ہوگا۔

www.ahlehaq.org

شاہ رفیع الدین دہلوی

شیخ، امام، علامہ رفیع الدین عبدالوہاب بن ولی اللہ بن عبدالرحیم عمری دہلوی اپنے وقت کے مشہور محقق، متکلم، اصولی، مسند وقت، فرید عصر اور نادرۂ دہر تھے، دہلی میں ولادت اور نشو و نما ہوئی اور اپنے برادر اکبر شاہ عبدالعزیز صاحب سے تحصیل علم کی اور ایک مدت تک ان کے ساتھ رہے۔ طریقت میں شاہ محمد عاشق بن عبیداللہ پھلتی سے استفادہ کیا۔ اور بیس سال کی عمر میں علم و افتاء اور درس میں امتیاز و شہرت حاصل کی اپنے برادر مذکور کی زندگی ہی میں آپ نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کردیا تھا اور اکابر علماء میں شمار ہونے لگے تھے شاہ صاحب کے آنکھوں سے معذور ہونے کے بعد درس و تدریس کا کام آپ نے سنبھال لیا، طلبہ کا ہجوم ہوا اور انھوں نے بقدر استعداد آپ کے علمی افادات سے فائدہ اٹھایا، علمائے آفاق نے آپ کے علم و فضل کا اعتراف کیا۔ اور آپ کی تصانیف نے قبولیت و شہرت حاصل کی آپ کے برادر معظم شاہ عبدالعزیز صاحب نے شیخ احمد بن محمد شروانی کو شاہ رفیع الدین صاحب کے بارے میں لکھا تھا:۔

"اب برادر یگانہ اور خلیق زمانہ کا وقت ہے جو نسباً میرے حقیقی بھائی ہیں اور فنون علم و ادب میں (جن کا لوگ مجھ سے انتساب کرتے ہیں) میرے شریک ہیں، وہ عمر میں مجھ سے کچھ ہی چھوٹے ہیں، مگر فن و حکمت میں میرے برابر ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے ان کی پرورش میرے ہاتھوں کی اور ان کی تکمیل کا مجھے ذریعہ بنا کر مجھ پر احسان کیا، وہ چند دنوں کے سفر کے بعد

www.ahlehaq.org

واپس آئے تو مجھے ایک مختصر گر قیمتی رسالہ کا تحفہ دیا، جو ایسے لطائف و نکات پر مشتمل ہے، جن میں وہ منفرد ہیں اور ان سے پہلے انھیں کسی نے نہیں لکھا، ان کی یہ انفرادیت آیت نور کی تفسیر اور اس کے اندر پوشیدہ معانی کی رونمائی کے سلسلے میں ہے، میں پورے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ اس باب میں ان کے بیانات ایسے حیرت انگیز ہیں، جن کے ذریعہ انھوں نے مغز سخن کو ظاہر کر دیا اور دلوں کے چراغ روشن کر دیئے اور اپنے اسلوب کی انفرادیت سے سیہ روحوں کو تازہ دم کر دیا ہے۔"

شیخ محسن بن یحییٰ ترہتی "الیانع الجنی" میں فرماتے ہیں:۔

"ان مروجہ علوم کے علاوہ شاہ صاحبؒ کو علوم اوائل میں بھی مہارت تامہ حاصل تھی، جوان کی طرح بہت کم اہل علم کے حصہ میں آئی ہے، ان کی تصانیف بہت عمدہ اور محققانہ ہیں ——— . ——— میں نے بعض کتابیں دیکھیں تو آپ کی علمی و فنی عبارتوں میں ایسے اسرار و رموز نظر آئے جن کے رمز آشنا کم ہی ہوتے ہیں، تھوڑے سے لفظوں میں آپ بہت سے مسائل جمع کر دیتے ہیں، جس سے آپ کی علمی گہرائی اور دقت فہم کا اندازہ ہوتا ہے، آپ کی کتاب "دمغ الباطل" علم حقائق کے بعض مشکل مسائل پر مشتمل ہے جس کی اہل فن نے تعریف کی ہے، آپ کا ایک مختصر و جامع رسالہ اور ہے جس میں آپ نے ہر چیز میں محبت کی کارفرمائی دکھائی ہے اور اس کی وضاحت کی ہے اس کا نام "اسرار المحبۃ" ہے ایسے بہت کم لوگ ملیں گے جنھوں نے اس موضوع پر اظہار خیال کیا ہو، میرے خیال میں آپ سے پہلے اس موضوع پر

www.ahlehaq.org

صرف دو فلسفیوں، ابو النصر فارابی اور بو علی سینا نے لکھا ہے جیسا کہ نصیر الدین طوسی کی بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے۔

شیخ محسن کی ذکر کردہ کتابوں کے علاوہ بھی ان کی کتابیں ہیں جن میں چار فارسی میں ایک رسالہ مقدمہ علم تاریخ، اثبات شق القمر، حکماء کے اصول پر براہین حکمیہ سے ابطال، تحقیق الوان، آثار قیامت، حجاب، برہان تمانع، عقد انامل، اربعین کاشفی کی شرح، منطق، امور عامہ پر بھی آپ کے رسالے ہیں، رسالہ میر زاہد پر حاشیہ بھی لکھا ہے۔

آپ کی کتابوں میں "تکمیل الصناعۃ" ایسی عجیب کتاب ہے کہ بہت کم مصنفین کو ایسی کتاب لکھنے کا اتفاق ہوا ہوگا۔ ان کے علاوہ بھی آپ کی متعدد بلند پایہ کتابیں ہیں۔ اپنے والد ماجد کے بعض عربی قصائد کی آپ نے تخمیس بھی کی ہے۔ ان کے عربی اشعار کا نمونہ یہ ہے:۔

یا احمد المختار یا زین الوریٰ یا خاتم الرسل ما اعلاکا
یا کاشف الضراء من مستغیث یا منجی فی الحشر من والاکا
هل کان غیرک فی الانام من اسریٰ فوق البراق وجاوز الافلاکا الخ

ان کا ایک اور فصیح و بلیغ قصیدہ ہے جس سے علوم عقلیہ میں ان کی بلندی اور عربی پر قدرت کا پتہ چلتا ہے آپ نے اس میں بو علی سینا کے قصیدہ "عینیہ" کا جواب لکھا ہے جو "قصیدۃ الروح" کہلاتا ہے اور جس کا مطلع یہ ہے ؎

هبطت الیک من المحل الارفع ورقاء ذات تعزز و تمنع

یہ قصیدہ ابن سینا کی عربی زبان پر قدرت، بیک وقت حلاوت و سلاست اور شکوہ الفاظ کا مظہر ہے، ہر شخص کا کام نہیں تھا کہ اس کا جواب دے حضرت شاہ

www.ahlehaq.org

رفیع الدین صاحبؒ نے اس کا جواب لکھا ہے جس سے آپ کی قادر الکلامی اور عربیت کا اظہار ہوتا ہے آپ کے قصیدہ کا مطلع یہ ہے

عجبا لشیخ فیلسوف ألمعی　　خفیت علیہ مناہج الشرع[1]

آپ نے اپنے برادر بزرگ شاہ عبدالعزیزؒ کی حیات ہی میں ۷ شوال ۱۲۳۳ھ کو وطن میں وفات پائی اور شہر کے باہر اپنے والد ماجد و جد امجد کے پاس دفن ہوئے۔[2]

شاہ عبدالقادر دہلویؒ

شیخ امام، عالم کبیر و عارف شہیر شاہ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم عمری دہلوی علوم الٰہیہ کے ممتاز علماء میں تھے آپ کی ولایت و جلالت پر لوگوں کا اتفاق ہے جب آپ کے والد ماجد کی وفات آپ کے بچپن میں ہو گئی تو آپ نے اپنے برادر بزرگ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے تحصیل علم کیا اور شاہ عبدالعدل دہلویؒ سے طریقت کی تعلیم پائی اور علم و عمل، زہد و تواضع اور حسن سلوک میں امتیاز کے مالک ہوئے ان فضائل کے سبب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں آپ کی محبت پیدا کر دی اور آپ اپنے شہر میں مرجع عام بن گئے اور علم روایت و درایت، اصلاح نفس اور روحانی تربیت میں آپ سے رجوع کیا جانے لگا۔

آپ درس و افادہ میں مشغول اور دہلی کی اکبرآبادی مسجد میں مقیم رہتے تھے آپ سے مولانا عبدالحی بن ہبۃ اللہ بڈھانوی، مولانا محمد اسماعیل بن شاہ عبدالغنی دہلویؒ، مولانا فضل حق

۱؎ علامہ نعمان آلوسی بغدادی کی "جلاء العینین" میں دونوں قصیدے ملاحظہ ہوں صفحہ ۔۔۔ شاہ صاحب کا قصیدہ ایک سو سولہ اشعار کا ہے۔　۲؎ نزہۃ الخواطر جلد سابع صفحہ ۱۸۲-۱۸۳

www.ahlehaq.org

فضل امام خیرآبادی، مرزا حسن علی شافعی لکھنوی، شاہ اسحٰق بن شاہ افضل عمری دہلوی (مدفون مکہ مکرمہ) مولانا سید محبوب علی جعفری، مولانا سید اسحٰق بن عرفان رائے بریلوی (برادر معظم حضرت سید احمد شہیدؒ) اور بہت سے لوگوں نے استفادہ کیا۔

آپ پر اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی عنایت یہ تھی کہ آپ کو ہندوستانی زبان میں قرآن کریم کے ترجمہ و تفسیر کی توفیق ملی، علماء نے اس کی بڑی قدردانی کی اور اسے معجزاتِ نبویؐ میں سے ایک معجزہ قرار دیا، والد ماجدؒ نے "مہرجہاں تاب" میں لکھا ہے کہ شاہ عبدالقادرؒ نے یہ ترجمہ لکھنے سے پہلے خواب دیکھا تھا کہ آپ پر قرآن نازل ہوا، اسے آپ نے اپنے بھائی شاہ عبدالعزیزؒ سے بیان کیا تو انھوں نے فرمایا کہ یہ سچا خواب ہے، مگر چونکہ اب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سے وحی آنے کا سلسلہ موقوف ہوگیا ہے، تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے قرآن کی بے مثال خدمت لے گا، چنانچہ یہ بشارت "موضح القرآن" کی صورت میں پوری ہوئی۔

اس کی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ انھوں نے زبان کے مقابلہ میں ایسی زبان اختیار کی ہے جس میں عموم و خصوص اور اطلاق و تقیید اور محل استعمال کا پورا لحاظ ہے، یہ اللہ کی ایسی عنایت ہے جس کے لیے وہ چند ہی لوگوں کو مخصوص کرتا ہے۔[1]

---

[1] مختلف مثالوں سے یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ شاہ صاحبؒ کو عربی زبان و ادب کا جیسا صحیح ذوق اور قرآنی الفاظ کی روح اور لطافت اور فلسفہ کے مطابق اردو کے الفاظ کے انتخاب میں جو کامیابی حاصل ہوئی ہے اس کی نظیر کم سے کم ہندوستان میں نہیں ہے، اور بعض مقامات پر وہ علامہ زمخشری اور راغب اصفہانی جیسے علمائے بلاغت و ائمہ لغت سے بھی بڑھ جاتے ہیں، یہ تائیدِ الٰہی، اعلیٰ درجہ کے اخلاص اور وہبی ادبی اور لسانی صحیح ذوق کے سوا کسی چیز سے اس کی توجیہ نہیں کی جا سکتی۔ (مصنف)

www.ahlehaq.org

میں نے "موضح القرآن" کی سماعت و روایت اپنی نانی صاحبہ بیبی حمیرا بنت شاہ علم الہدیٰ حسنی نصیرآبادی سے کی ہے جنھوں نے شاہ عبدالقادر صاحبؒ کی صاحبزادی سے روایت کی ہے اور جنھوں نے اپنے والد ماجد سے روایت کی تھی۔ آپ کی وفات چہارشنبہ ۱۹ رجب ۱۲۳۰ھ میں ہوئی اور اپنے والد کے پاس دفن ہوئے۔ اس وقت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اور شاہ رفیع الدین صاحبؒ حیات تھے۔ اس لئے قدرتی طور پر انھیں بہت صدمہ ہوا، وہ حضرات ان کے دفن کے وقت یہ کہہ رہے تھے کہ "ہم ایک انسان کو نہیں بلکہ سراپائے علم و عرفان کو دفن کر رہے ہیں"۔

یہ عجائبات زمانہ میں سے ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے چار صاحبزادے ارادت خاتون بنت سید ثناء اللہ سے تھے جن میں بڑے شاہ عبدالعزیز صاحبؒ پھر شاہ رفیع الدین صاحبؒ پھر شاہ عبدالقادر صاحبؒ پھر سب سے چھوٹے شاہ عبدالغنی صاحبؒ (مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے والد) تھے مگر سب سے پہلے چھوٹے بھائی شاہ عبدالغنی صاحبؒ کی وفات ہوئی پھر ان کے بعد شاہ عبدالقادر صاحبؒ کی، پھر شاہ رفیع الدین صاحبؒ کی پھر شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی وفات ہوئی۔ یہ سب بھائی علم و عمل، افادہ و فیض رسانی میں (شاہ عبدالغنی صاحبؒ کے سوا کیونکہ ان کی وفات عنفوان شباب میں ہو گئی تھی) فضلائے زمانہ میں ممتاز تھے۔ شاہ عبدالغنی صاحبؒ کے صاحبزادہ گرامی قدر حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کو اللہ نے ایسی توفیق عطا کی جس سے انھوں نے اپنے والد ماجد کی طرف سے پوری تلافی کر دی۔[1]

شاہ محمد عاشق پھلتی

عالم کبیر و محدث جلیل مولانا شاہ محمد عاشق بن عبیداللہ بن محمد صدیقی پھلتی

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۲۹۵-۲۹۶

www.ahlehaq.org

کبار مشائخ میں سے تھے آپ کا نسب حضرت محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہم تک اکتیس واسطوں سے پہونچتا ہے بچپن ہی سے تحصیل علم میں مشغول ہوئے اور شیخ اجل حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی صحبت اختیار کی (جو آپ کے پھوپھی زاد بھائی تھے) اُن سے آپ نے علم و معرفت حاصل کی، اور ان کے ساتھ ۱۱۴۳ھ میں حرمین شریفین کا سفر بھی کیا اور حج و زیارت سے مشرف ہوئے، اور اساتذۂ حرمین سے اخذ و استفادہ میں آپ کے ساتھ شریک رہے جن میں شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم کردی مدنی امتیاز خاص رکھتے ہیں، شیخ ابوطاہر نے ان کو اجازت بھی دی۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے اصحاب میں آپ علم و معرفت کے لحاظ سے سب پر فائق تھے، اس طرح آپ شاہ صاحب دہلویؒ کے محرم اسرار ہوگئے، جیسا کہ شیخ ابوطاہرؒ نے اپنے اجازت نامہ میں ان کے بارے میں لکھا ہے کہ "یہ اُن (شاہ ولی اللہؒ) کے کمالات کا آئینہ اور خصال جمیلہ کا نمونہ ہیں" ان کے استاذ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے انھیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا ؎

یحدثنی نفسی بأنک واصل — إلی نقطة القصوی وسط المراکز
وأنک فی تلک البلاد معظم — بکفیک یوماً کل شیخ وناهز

(میرا دل کہتا ہے کہ تم علمی مرکزوں کے مقام بلند پر فائز ہوگے اور ان شہروں میں محترم ہوگے اور چھوٹا بڑا تمہارا تابع ہوگا)

دوسری جگہ کہتے ہیں ؎

فإن یک حقاً ما ظننت فإنه — سیلقی إلیک الأمر لا بد صاغیا
سیأتیک أمر لا یطاق بهاؤه — إلی کل مسئول مقالة بالمنا

www.ahlehaq.org

وثمّ وجد ليسعان شأنكم ... يزيلان ما في قولها لا ذما

(اگر میرا یقین یہ ہے کہ تو سررشتہ تمہارے ہاتھ آئے گا، اور تمہیں وہ نور حاصل ہوگا جس سے نگاہیں خیرہ ہو جائیں گی اور وہ ہر راز کو افشا کردے گا، اور شرح صدر سے وہ جمعیت خاطر حاصل ہوگی جو تمہارا غم غلط کردے گی۔)

شرح دعائے اعتصام کی تقریظ میں شاہ صاحبؒ نے لکھا تھا ۔

ليهنك ما أوتيت ذروة حقه ... من الفحص والتحقيق والفهم والفكر

ويهنك من حلّ العلوم ونشرها ... ونظمك أصناف الجواهر والدرر

ويهنك للرمز الخفي مكانه ... وخوضك بحر الفكر أيما بحر

فلله ما أوتيت من حلل المنى ... ولله ما أعطيت من عظم الفخر

(علم و تحقیق اور فکر و نظر کی بلندیاں پا لینا مبارک ہو! اور علوم کی تحقیق و اشاعت اور نظم کے ہیرے موتیوں کی تنظیم و ترتیب بھی مبارک ہو! نیز رمز مخفی کی حفاظت اور علم و عمل کے بحر زخار کی غواصی و شناوری! آپ یہ مرادیں اللہ ہی کی طرف سے ملی ہیں! اور مفاخر کا سرمایہ بھی اللہ ہی کا عطیہ ہے۔)

ان سے شاہ عبدالعزیزؒ اور ان کے بھائی شاہ رفیع الدینؒ اور سید ابوسعید رائے بریلویؒ اور ایک خلق نے استفادہ کیا، ان کی کتابوں میں "سبیل الرشاد" فارسی میں تصوف کی ایک مبسوط کتاب ہے، دوسری کتاب "القول الجلی فی مناقب الولی" ان کے شیخ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے حالات میں ہے۔ "دعائے اعتصام" حقائق و معارف میں حضرت شاہ صاحبؒ کی کتاب کی شرح، ان کی سب سے بڑی کتاب "تبیین المصفّیٰ شرح الموطا" ہے جو شاہ صاحبؒ کی کتاب "مصفّیٰ" سے

www.ahlehaq.org

متعلق ہے۔ ۱۲۵۰ھ میں انتقال کیا جیسا کہ سید ابو سعید رائے بریلویؒ کے نام حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے گرامی نامہ سے معلوم ہوتا ہے۔

خواجہ محمد امین کشمیری ولی اللّٰہی

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے ان چار[1] خلفائے مخصوصین کبار میں سے جن سے ان کے سلسلۂ تعلیمات اور مقاصد کی اشاعت و تبلیغ ہوئی ان کے ایک اہم شاگرد خلیفہ خواجہ محمد امین کشمیری بھی تھے مولانا حکیم سید عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ "نزہۃ الخواطر" میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ اصلاً کشمیر سے تعلق رکھتے تھے لیکن دہلی میں سکونت تھی وہ شاہ صاحبؒ کے اجلّہ اصحاب میں تھے اپنے شیخ کی طرف اپنی نسبت کرتے تھے اور ولی اللّٰہی لکھتے اور کہلاتے تھے ان کے امتیاز و شہرت کے لئے اتنا کافی ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد ان سے علوم کی تکمیل کی جیسا کہ خود شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے اپنے رسالہ "عجالۂ نافعہ" میں اس کی صراحت کی ہے ان کے اعزاز و امتیاز کی دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ان کے لئے خصوصی طور پر بعض رسائل تصنیف فرمائے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے اس مکتوب گرامی سے جو انہوں نے حضرت شاہ ابو سعید رائے بریلویؒ کو بھیجا ہے۔

---

[1] مولانا عبیداللہ صاحب سندھی مرحوم اپنی کتاب "التمہید" (حصہ اردو) میں لکھتے ہیں:

"شاہ صاحبؒ کے مکمل نظریہ کو سمجھنے والوں میں چار رفقاء سب سے زیادہ نمایاں ہیں (۱) ان کے فرزند حضرت شاہ محمد عاشق (۲) جمال الدین شاہ محمد امین ولی اللّٰہی کشمیری (۳) شاہ نور اللہ بڈھانوی (۴) شاہ ابو سعید بریلوی" (شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک از مولانا عبیداللہ سندھی ص ۱۵۲)

اصحاب ثلاثہ شیخ محمد عاشق پھلتی، خواجہ محمد امین کشمیری ولی اللّٰہی اور شاہ ابو سعید حسنی رائے بریلوی کا ذکر مستقل طور پر آیا ہے چوتھے صاحب شیخ نور اللہ صدیقی بڈھانوی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خصوصی تلامذہ میں تھے اور شاہ صاحب کی زندگی ہی میں ان کو اچھی خاصی شہرت حاصل ہو گئی تھی اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے بھی ان سے منطق کی کتابیں پڑھیں ۱۱۸۷ھ کے قریب ان کی وفات ہوئی۔

(نزہۃ الخواطر جلد ۶)

www.ahlehaq.org

پتہ چلتا ہے کہ ان کا انتقال ۱۱۹۶ھ میں یا اس کے آس پاس ہوا، اس لئے کہ حضرت سید شاہ ابوسعیدؒ کا ربیع الاول ۱۱۹۶ھ میں عازم حج ہوئے تھے اور ۱۱۹۸ھ میں ان کی مراجعت ہوئی اور شاہ صاحبؒ کا یہ خط ان کی واپسی پر لکھا۔[۱]

خواجہ محمد امین کشمیری کی خصوصیت اس سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ کلمات طیبات[۲] میں شاہ صاحبؒ کے ان کے نام چار اہم مکتوب ہیں جو دقیق حقائق و معارف پر مشتمل ہیں۔

ان چار خلفائے عظام کے علاوہ شاہ صاحب کے بعض دوسرے خلفاء بھی تھے، جن کے حالات تفصیل سے نہیں ملتے، ان میں ایک حافظ عبدالنبی کاکوروی بھی تھے جن سے شاہ صاحبؒ کا خصوصی تعلق معلوم ہوتا ہے۔[۳]

شاہ ابوسعید حسنی رائے بریلویؒ

سید ابوالاتبار ابوسعید بن محمد ضیاء بن آیت اللہ بن شیخ الاجل علم اللہ نقشبندیؒ بریلوی علمائے ربانیین میں سے تھے، رائے بریلی میں ولادت اور نشوونما ہوئی، اور ملا عبداللہ امیٹھوی سے تعلیم حاصل کی، پھر اپنے چچا سید محمد صابر بن آیت اللہ نقشبندیؒ سے بیعت ہوئے اور صوفیہ کے اذکار و اشغال میں ایک مدت تک مصروف رہے، اس کے بعد دہلی جا کر حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے پاس رہ کر ان سے استفادہ کیا اور ان کی وفات کے بعد ضرورت کا احساس کر کے شاہ صاحبؒ کے شاگرد شیخ محمد عاشق بن عبیداللہ پھلتی سے بھی استفادہ کیا، شاہ محمد عاشق صاحبؒ نے آپ کے

۱؎ نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۳۸۶ ۲؎ کلمات طیبات ص ۱۴۱-۱۴۴

۳؎ ملاحظہ ہو رسالہ برہان مقالہ مسعود انور صاحب علوی ایم۔ اے علیگ شمارہ ستمبر و اکتوبر ۱۹۵۱ء۔

www.ahlehaq.org

اجازت نامہ میں لکھا ہے :-

"سید تقی ونقی، عارف باللہ، قابل تعریف ولی میر ابو سعید نے حضرت شیخ ولی اللہ محدث کے ساتھ صحبت رکھی اور ان سے بعض اشغال طریقت معلوم کرکے ان پر مداومت کی، یہاں تک کہ ان پر شیخ کی توجہ کی برکت سے ظاہری وباطنی لطائف واسرار کے دروازے کھل گئے، اور ان کی شخصیت میں صوفیہ کے احوال وآثار ظاہر ہوئے اور انھیں وہ "شہود" حاصل ہوا جو صوفیہ کا مقصود ہے"

آگے تحریر فرماتے ہیں :-

"پھر جب حضرت شیخ نے دار رضوان کو انتقال فرمایا تو انھیں خیال ہوا کہ سلسلۂ نقشبندیہ قادریہ چشتیہ اور سہروردیہ کے بقیہ اشغال فقیر سے حاصل کریں اور صوفیہ کے متوارث طریقہ میں داخل ہوں، میں نے ان کی طلب کو "حدیث زبی" کے خوف سے حصول مقصد میں ان کی مدد کی اور ان اشغال کی تلقین کی اور جب ان میں ان کے آثار وانوار برکات پیدا ہو گیا اور ان کی پختگی کا اندازہ کرلیا تو استخارہ کے بعد انھیں طالبین وسالکین کی رہنمائی کی اجازت دی اور انھوں نے تمام طریقوں میں بیعت کی، اور انھیں خرقۂ تبرکیہ فقریہ اذن واجازت کے طور پر پہنایا جیسا کہ ہمارے شیخ نے ہمیں پہنایا تھا اور اس کی اجازت دی تھی اور جیسا کہ شیخ عبید اللہ نے ہمیں اپنے آباء و مشائخ کرام کے ذریعہ حاصل ہونے والے لباس اور اجازت سے نوازا تھا، اس کے ساتھ میں نے انھیں تفسیر وحدیث فقہ وتصوف کے درس کی بشرط ملاحظہ و مراجعت شروح، اور

www.ahlehaq.org

تو مدت تک مدرسی کی اجازت دی، نیز بیمار عزیزوں کے وقت تعویذ اور اعمال خلع کی اجازت دی "القول الجمیل فی بیان سواء السبیل" "الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ" میں مندرج تمام اعمال و اشغال کی اجازت دی۔

سید شاہ ابو سعیدؒ ایک باوقار، کریم النفس، کثیر الاحسان، مہمان نواز، غریب پرور بزرگ تھے۔ رفقاء کے ساتھ آپ نے حجاز کا سفر کیا اور ۱۲ ربیع الاول ۱۲۲۰ھ کو مکہ مکرمہ پہونچے اور حج سے مشرف ہوکر مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور وہاں ۲ ماہ تک مقیم رہے اور صحاح کی شیخ ابو الحسن سندیؒ صغیر سے سماعت کی۔ ایک بار آپ مرقد نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کو دیکھا کہ حجرۂ مبارکہ سے باہر جلوہ افروز ہیں، پہلے آپ کے دوش مبارک ظاہر ہوئے، پھر چہرۂ مطہر ظاہر ہوا اور آنحضرتؐ سامنے تشریف فرما ہوکر متبسم ہوئے۔ آپ کے مرید مجاز شیخ امین بن حمید علوی کاکوروی اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں کہ:-

"شیخ ابو سعیدؒ فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ منورہ میں بچشم سر دیکھا ہے۔"

پھر آپ مکہ مکرمہ واپس ہوئے اور جزء یمنی شیخ محمد میرداد انصاری سے پڑھی، پھر طائف ہوتے ہوئے ہندوستان آئے اور مدراس میں داخل ہوئے اور وہاں ایک مدت تک قیام کیا اور مقبولیت حاصل کی، اور آپ سے بہت سے لوگ مستفید ہوئے ان میں الحاج امین الدین بن حمید الدین کاکوروی، مولانا عبدالقادر خان خالص پوری، میر عبدالسلام بدخشی، شیخ میرداد انصاری مکی، مولانا جمال الدین بن محمد صدیق قطب، مولانا عبداللہ آفندی مکی اور شیخ عبداللطیف حنبلی مصری، اور بہت سے دوسرے

www.ahlehaq.org

ہوگئے تھے اور رمضان سنہ ۱۱۹۳ھ کو رائے بریلی میں وفات پائی اور وہیں سپرد خاک ہوئے۔[1]

ایک نامور معاصر و مصلح شیخ محمد بن عبدالوہاب

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک نامور معاصر اور عظیم مصلح و مجدد کے ایک ممتاز عالم اور صاحب عزیمت داعی و مصلح شیخ محمد بن عبدالوہاب بن سلیمان التمیمی الحنبلی (۱۱۱۵-۱۲۰۶ھ) (۱۷۰۳-۱۷۹۲ء) ہیں، وہ سنِ ولادت کے لحاظ سے شاہ صاحبؒ کے تقریباً ہم سن[2]

۱؎ واضح رہے کہ آپ حضرت سید احمد شہیدؒ کے حقیقی نانا تھے۔ خاندان ولی اللہی سے آپ کے تعلقات کی نوعیت اور آپ کی خصوصیت و عظمت کا اندازہ ان خطوط سے ہوتا ہے جو شاہ اہل اللہ برادر حضرت شاہ ولی اللہ، مولانا نور اللہ، حضرت شاہ محمد عاشقؒ اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے آپ کے نام بھیجے ہیں اور جن میں خاندانی حوادث اور پیش آنے والے واقعات کی اطلاع نیز آپ کے بلند مقام اور کمالات کا اعتراف ہے، یہ مجموعہ مولوی سید ابوالقاسم ہسوی کا مرتب کیا ہوا "مکتوب المعارف" کے نام سے خاندانی ذخیرۂ کتب میں محفوظ ہے۔ آپ ہی کے حقیقی چچازاد بھائی مولانا سید محمد واضح حسنی کو بھی حضرت شاہ ولی اللہؒ کی طرف سے اجازت عامہ تھی اور شاہ صاحبؒ ان کا بلند الفاظ میں ذکر فرماتے ہیں۔

(ملاحظہ ہو مکتوب مشمولہ مکتوبات قلمی عثمانیہ یونیورسٹی لائبریری حیدرآباد ص ۱۵)

۲؎ شاہ صاحبؒ کی ولادت سنہ ۱۱۱۴ھ کی ہے، اس طرح آپ شیخ سے ایک سال بڑے تھے۔

www.ahlehaq.org

اور سنِ وفات کے لحاظ سے ان سے تیرہ سال متاخر ہیں، معاصر ہونے اور متعدد باہم اشتراک باتوں کے باوجود، ملاقات تو بجائے خود ایک کی دوسرے سے واقفیت کا بھی ابھی تک کوئی سراغ نہیں ملا، حضرت شاہ صاحبؒ ۱۱۴۳ھ میں حج کے لئے گئے اور ایک سال سے کچھ زیادہ حجاز میں قیام فرمایا، یہ وہ زمانہ ہے کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت و تحریک نجد کے علاقہ عیینہ و درعیہ وغیرہ میں محدود تھی، امیر محمد بن سعود نے اس وقت تک نہ شیخ سے بیعت کی تھی اور نہ ان دونوں کے درمیان دعوت کی نشر و اشاعت اور اس کی بنیاد پر حکومت کے قیام اور اس کی تائید کا کوئی معاہدہ اور سمجھوتہ ہوا تھا، یہ معاہدہ ۱۱۵۷ھ میں ہوا اور اس کے نتیجہ میں درعیہ دعوت کا مرکز اور ایک دینی دار الحکومت بنا، شیخ کی دعوت کا حجاز میں اس وقت تک اثر اور اثر و نفوذ پیدا ہوا جب ۱۲۱۸ھ میں (شیخ کی وفات کے بارہ سال اور شاہ صاحبؒ کی وفات کے بیالیس برس بعد) مکہ معظمہ پر آل سعود کا قبضہ ہوا۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت و جد و جہد کا اصل دائرہ توحید خالص کی دعوت و تبلیغ، رد شرک، استیصال رسوم جاہلیت (جن کے بعض مظاہر و شعائر کا ظہور زمانہ، جہالت اور علماء کی غفلت سے جزیرۃ العرب کے مشرقی حصہ کے بعض علاقوں اور قبائل میں ظہور ہو گیا تھا[1]) توحید الوہیت و توحید ربوبیت کا فرق، اور خدا کی طرف سے جس توحید کا اپنے بندوں سے مطالبہ اور قرآن مجید میں

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مولانا مسعود عالم ندوی کی کتاب "محمد بن عبدالوہاب ایک مظلوم اور بدنام مصلح" (مطبوعہ مکتبہ نشأت ثانیہ حیدرآباد) نیز عربی کی وہ کتابیں جو شیخ کے حالات میں لکھی گئیں اور ان کی فہرست طویل ہے۔

www.ahlehaq.org

اس کی صریح دعوت ہے اس کی وضاحت و تنقیح تھی۔[1] اس بارے میں شیخ کو جو کامیابی ہوئی اس کی مثال پچھلے دور کے مصلحین میں ملنی مشکل ہے اگرچہ بقول ڈاکٹر احمد امین اس میں اس کو بہت دخل تھا کہ اس کی بنیاد پر ایک حکومت (حکومت سعودیہ) قائم ہوئی اور اس نے اس دعوت کو اپنا لیا اور اس کی سرپرستی کی۔[2] لیکن بہر حال یہ حقیقت ہے کہ شیخ نے اس سلسلہ میں ایک انقلابی مصلح کا کردار ادا کیا، اور خواہ کسی صاحب علم کو ان کے افکار و دعوت پیش کرنے کے طریقہ و لہجہ اور طرز عمل سے تمام تر اتفاق نہ ہو اس دعوت کی افادیت اثر انگیزی اور ان خاص حالات میں اس کی ضرورت سے انکار نہیں ہو سکتا۔

عقیدۂ توحید کی توضیح و تنقیح، قرآن مجید سے اس کے ثبوت اور توحید الوہیت و توحید ربوبیت کے درمیان فرق کا جہاں تک تعلق ہے اس میں حضرت شاہ صاحبؒ اور شیخ محمد بن عبد الوہابؒ کے خیالات و تحقیقات میں بڑی مماثلت نظر آتی ہے جو قرآن مجید کے عمیق اور براہ راست مطالعہ و تدبر اور کتاب و سنت سے گہری واقفیت کا نتیجہ ہے اور جس نے اپنے زمانہ میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور اپنے اپنے زمانہ میں دوسرے محققین و مصلحین کو مماثل نتائج پر پہونچایا اور ان کو واضح اور دو ٹوک دعوت توحید کی اشاعت و تبلیغ پر آمادہ کیا۔

لیکن شاہ صاحبؒ کا دائرۂ عمل اور ان کے اصلاحی و تجدیدی کام کا میدان اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے اس میں علوم اسلامیہ کا احیاء، فکر اسلامی کی تجدید

---

[1] ملاحظہ ہو شیخ کا شہرۂ آفاق رسالہ "التوحید الذی ھو حق اللہ علی العبید"

[2] ملاحظہ ہو "زعماء الاصلاح فی العصر الحدیث" ترجمہ شیخ محمد بن عبد الوہاب۔

اسرار و مقاصد شریعت کی نقاب کشائی، شریعت اور تعلیمات اسلامی کو مربوط و مکمل شکل میں پیش کرنے کا علمی کارنامہ، علمی جمود اور مذاہب فقہیہ کے تعصب کی اصلاح، تطبیق بین العقل والنقل اور توفیق بین المذاہب الفقہیہ کا مجتہدانہ کام، ہندوستان میں اسلامی اقتدار کی حفاظت کی سعی، حدیث کا عمیق مطالعہ اور اس کی نشر و اشاعت کی مجددانہ کوشش، تزکیۂ نفس اور حصول درجۂ احسان کی دعوت اور اس کی تعلیم اور مردان کار کی تربیت شامل ہے۔ اسی کے ساتھ شاہ صاحبؒ کے یہاں (اقبال کے الفاظ میں) "حجازی رنگ" اور (توحید خالص کی مضبوط زمین) میں زمزم کا چشمۂ شیریں (محبت و للہیت کی جوشِ شیریں) بھی ہے، جو شاہ صاحبؒ کے خاص ماحول و تربیت اور تصوف و سلوک کا نتیجہ ہے اور جس کا نمونہ ان کے نعتیہ قصائد اور شوقیہ اشعار میں دیکھا جا سکتا ہے اس لحاظ سے ان کا اور شیخ محمد بن عبد الوہاب کا (جن کی مساعی بہر حال مشکور ہے) تقابلی مطالعہ کرنے اور ان دونوں میں مماثلت و اتفاق کے نقاط تلاش کرنے کے بجائے شاہ صاحبؒ کا اور شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ کا تقابلی مطالعہ اور اتفاق و اختلافات کے نقاط تلاش کرنا زیادہ مناسب ہوگا کہ دونوں اپنے علمی تبحر، علوم کتاب و سنت میں درجۂ امامت و اجتہاد تک پہونچنے، عمق و وسعت نظر، کار اصلاح و تجدید کے تنوع اور شخصیت کی عظمت و عبقریت میں زیادہ مماثل نظر آتے ہیں (اور کتاب میں اس کی طرف جا بجا اشارات گزر چکے ہیں) اس اختلاف کے ساتھ جو ماحول تعلیم و تربیت، زمان و مکان کے اختلاف اور سلوک تربیت باطنی کا نتیجہ ہے۔

www.ahlehaq.org

بابِ دوازدہم

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی تصنیفات

کتب ورسائل

یہاں حضرت شاہ صاحبؒ کی چھوٹی بڑی عربی فارسی تصنیفات کی حروفِ تہجی کے اعتبار سے فہرست دی جا رہی ہے اہم کتابوں کا مختصر تعارف بھی کرایا گیا ہے قلمی و مطبوعہ اور زبان کی نشان دہی کی بھی کوشش کی گئی ہے۔

(ا)

۱۔ الأربعین (عربی) چالیس احادیث کا مجموعہ جو ان مختصر اور جامع احادیث پر مشتمل ہے جو "جوامع الکلم" کا مصداق ہیں مطبع انوار محمدی لکھنؤ سے ۱۳۱۱ھ میں شائع ہوا ۱۲۵۱ھ میں اس کا اردو ترجمہ حضرت سید احمد شہیدؒ کے ایک خلیفہ سید عبداللہ مرحوم نے مطبع احمدی کلکتہ سے شائع کیا اس کے بعد متعدد ترجمے شائع ہوئے مولانا عبدالماجد دریابادی نے ۱۳۸۰ھ (۱۹۶۰ء) میں اس کا ترجمہ اور مختصر تشریح کی جو ہندوستان و پاکستان سے "چہل حدیث ولی اللّٰہی" اور "اربعین ولی اللّٰہی" کے نام سے شائع ہوئی۔

۲۔ الإرشاد إلی مہمات علم الإسناد (عربی) اس میں اپنے اساتذہ و شیوخ حجاز کا

www.ahlehaq.org

ذکر ہے رسالہ مطبوعہ ہے۔

۳۔ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء (فارسی) موضوع، حجم، طباعت اور اہم مضامین کی تلخیص کتاب کے تعارف میں گزر چکی ہے۔

۴۔ أطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم (عربی) یہ شاہ صاحبؒ کے نعتیہ قصائد کا مجموعہ ہے جس سے شاہ صاحبؒ کی قادر الکلامی اور عشقِ نبوی کا اندازہ ہوتا ہے، مطبع مجتبائی دہلی سے ۱۳۰۸ھ میں شائع ہوا۔

۵۔ ألطاف القدس (فارسی) کتاب لطائف باطنی کی تشریح اور تصوف کے بنیادی مسائل کی توضیح میں ہے، سید ظہیر الدین صاحب کے اہتمام میں مطبع احمدی سے شائع ہوئی۔

۶۔ الإمداد فی مآثر الأجداد (فارسی) مختصر رسالہ ہے اس میں شاہ صاحبؒ نے اپنے چند اجداد کا حال لکھا ہے اس میں اپنا سلسلہ نسب بھی درج کیا ہے انفاس العارفین میں یہ رسالہ بھی شامل ہے نیز مطبع احمدی دہلی کے طبع کردہ مجموعہ خمسہ رسائل شاہ ولی اللہ دہلویؒ میں بھی شامل ہے۔

۷۔ الانتباہ فی سلاسل أولیاء اللہ[1] (فارسی) تصوف کے مختلف سلاسل کی تاریخ اور ان کی تعلیمات کا مختصر تذکرہ، ۱۳۱۱ھ میں سید ظہیر الدین صاحب کے اہتمام میں اردو ترجمہ کے ساتھ مطبع احمدی سے شائع ہوا۔

---

[1] الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں بحث ترکِ نفت قبور کے عنوان کے ماتحت جو طریقہ لکھا گیا ہے وہ ان حضرات کے احتیاط علمی اور عقائد و معمولات دینی سے مطابقت نہیں رکھتا جو شاہ صاحبؒ کی اہم تصنیفات بالخصوص حجۃ اللہ البالغہ، تفہیمات الٰہیہ، فیوض الحرمین اور الخیر الکثیر میں نمایاں ہے اور اگرچہ اس کی تاویل بھی ہو سکتی ہے ملاحظہ ہو مقالات یوم حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہؒ، ص ۔۔۔ لیکن ان مبہم الفاظ میں بھی احتیاط ضروری ہے جو مشائخ طریقت کے تجربات اور بعض کے عملی معمولات ہیں بے عمل اور غلط فہمی کا باعث ہو سکتے ہیں، امام مالکؒ کے اس ارشاد جس کو شاہ صاحبؒ نے بہت زور دے کر لکھا ہے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "کل یؤخذ من قوله ویرد إلا صاحب هذا القبر"
(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

www.ahlehaq.org

۸۔ انسان العین فی مشائخ الحرمین (فارسی) اس رسالہ کا تعارف شاہ صاحبؒ کے تذکرہ میں گزر چکا ہے، انفاس العارفین کا جزء ہے، مطبع احمدی سے مجموعۂ خمسہ رسائل شاہ ولی اللہؒ کے ضمن میں بھی شائع ہوا ہے۔

۹۔ الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف (عربی) رسالہ کے تعارف کے سلسلہ میں اس کی اہمیت طباعت اور مختلف ایڈیشنوں کی تفصیل گزر چکی ہے۔

۱۰۔ انفاس العارفین (فارسی) کتاب کا تعارف شاہ صاحبؒ کے تذکرہ میں گزر چکا ہے، ۱۳۳۵ھ (۱۹۱۷ء) میں مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوئی، یہ کتاب دراصل حسب ذیل رسائل رسالوں کے مجموعہ کا نام ہے۔

(۱) بوارق الولایۃ (۲) شوارق المعرفۃ (۳) الامداد فی مآثر الاجداد (۴) النبذۃ الابریزیۃ فی اللطیفۃ العزیزیۃ (۵) العطیۃ الصمدیۃ فی انفاس المحمدیۃ (۶) انسان العین فی مشائخ الحرمین (۷) الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف

ان میں سے اکثر رسائل علیحدہ بھی طبع ہوئے ہیں۔

(ب)

۱۱۔ البدور البازغۃ۔ (عربی) کتاب فلسفۂ دین کے بیان پر مشتمل ہے، لیکن اس میں فلسفہ کی اصطلاحات فطرت و ترکیب انسانی طبقات و افراد کے خصائص پر فلسفیانہ اور اشراقی رنگ میں روشنی ڈالی گئی ہے، اور طبعیات و علم الاخلاق کے مباحث ضمنی طور پر آ گئے ہیں، ارتفاقات کو بھی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، اور مصالح تمدن اور اس بارے میں شریعت کی رہنمائی پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، جماعت انسانی کی صحیح تنظیم اور خلافت و امارت کے احکام و آداب بھی بیان کئے گئے ہیں، معرفتِ الٰہی

www.ahlehaq.org

اور اسماء وصفات سے بھی پردہ اٹھایا گیا ہے، مراتب احسان اور ان کے حجابات کا بھی ذکر کیا گیا ہے، مرض شرک اور اس کے اصناف اور طبقات کا بھی ذکر ہے، قبر اور قیامت کا اثبات بھی ہے، عالم برزخ وحشر کے منازل، فضائل اعمال ومناقب کا تذکرہ، نبوت کا اثبات، اقسام انبیاء ومراتب وحی کی بھی تفصیل ہے، امت کی حقیقت اس کے ظہور کے انواع، جاہلیت اولیٰ کا تذکرہ اور ملل سابقہ کا بھی تعارف کرایا گیا ہے، پھر اس ملت کی شریعت، اس کے ارکان دین، علم تشریع اور مقاصد شرع کا بیان تفصیل سے ہے، اور ارکان اربعہ کے اسرار وحکم پر خاص طور سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

اس کتاب میں حجۃ اللہ البالغہ کے مقابلہ میں مضامین کی کثرت اور ان کا تنوع زیادہ ہے اور اس میں بعض ایسے مباحث الٰہیہ اور مسائل کلامیہ بھی آگئے ہیں، جن کو جمہور متکلمین اور حکماء اسلام نے بیان نہیں کیا تھا، لیکن حجۃ اللہ البالغہ اپنے عمق علم ونظر کی پختگی، ذہنی وعلمی ارتقاء اور علوم وحقائق کو شریعت وسنت کی زبان اور زیادہ طاقتور عربی اسلوب میں بیان کرنے میں فائق ہے، مجلس علمی ڈابھیل نے ۱۳۵۲ھ میں مدینہ پریس بجنور سے شائع کیا۔

۱۲۔ بوارق الولایۃ (فارسی) یہ رسالہ انفاس العارفین کا جزء ہے، اس میں اپنے والد شاہ عبد الرحیم صاحبؒ کے اقوال واحوال وواقعات وتصرفات ذکر کئے ہیں۔

(ت)

۱۳۔ تاویل الاحادیث (عربی) اس میں انبیاء علیہم السلام کے ان قصص کے جو قرآن مجید میں بیان کئے گئے ہیں لطائف ونکات اور ان سے استخراج کئے ہوئے بہت سے اصول شرعیہ کا بیان ہے، اختصار کے باوجود کتاب میں بعض بڑے قیمتی اشارات اور قرآن مجید کے فہم کے نمونے ہیں، شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد (پاکستان) کی جانب سے شائع ہوئی۔

www.ahlehaq.org

۱۴۔ تحفۃ الموحدین۔ یہ عقیدۂ توحید کی تشریح پر شاہ صاحب کا فارسی میں ایک مختصر رسالہ ہے جس کا متن افضل المطابع دہلی سے شائع ہوا تھا۔ مولانا حافظ محمد رحیم بخش دہلوی مصنف حیات ولی نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا۔ سنہ ۱۳۱۲ھ مطابق ۱۸۹۴ء میں مکتبہ سلفیہ شیش محل روڈ لاہور کی طرف سے یہ ترجمہ شائع ہوا ہے۔ شاہ صاحب کی تصنیفات میں عام طور پر اس رسالہ کا ذکر نہیں آتا۔ رسالہ کا بنیادی مضمون اگرچہ شاہ صاحب کی دوسری تحریرات کے مطابق ہے لیکن بعض مضامین کی بنا پر بعض اہل نظر کو اس کی شاہ صاحب کی طرف نسبت میں تردد ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

۱۵۔ تراجم ابواب البخاری (عربی) اس میں اصولی طور پر ایسے قواعد بیان کئے گئے ہیں جن سے تراجم بخاری کے حل میں مدد ملے۔ مجموعہ رسائل اربعہ نیز مسلسلات مطبوعہ مطبع نور الانوار آرہ کے آخر میں طبع ہوا ہے۔

۱۶۔ التفہیمات الإلٰہیۃ (عربی و فارسی) اس میں شاہ صاحبؒ کے واردات قلبی اور وجدانی مضامین ہیں جو زیادہ تر عربی اور کمتر فارسی میں ہیں۔ اس کی حیثیت ایک ایسی بیاض کی سی ہے جس میں آدمی اپنے تاثرات و مشاہدات قلم بند کر لیتا ہے اور وہ خاص حلقۂ احباب و تلامذہ کے مطالعہ میں آنے کے لئے موزوں ہوتی ہے۔ بعض اوقات صاحب بیاض اس کی عام اشاعت کو پسند نہیں کرتا۔ اس کو مجلس علمی ڈابھیل نے ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۹۳۶ء میں مدینہ پریس بجنور سے شائع کیا۔ اس کتاب میں شاہ صاحبؒ نے مسلمانوں کے مختلف طبقات کو الگ الگ خطاب کیا ہے جو کتاب کا مؤثر ترین اور مفید ترین حصہ ہے۔ کتاب دو جلدوں میں ہے۔

(ج)

۱۷۔ الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف (فارسی) ذاتی حالات کا مختصر بیان

www.ahlehaq.org

اور "یادداشت" تذکرہ کے سلسلہ میں تعارف گزر چکا ہے "انفاس العارفین" کا جزو ہے اور علیحدہ بھی طبع ہوا ہے۔

(ح)

۱۸۔ حجۃ اللہ البالغۃ (عربی) کتاب کا تعارف اس کے اہم مضامین کا بیان اور اس کے طبعات کا تذکرہ باب پنجم میں گزر چکا ہے۔

۱۹۔ حسن العقیدۃ (عربی) اسلام کے بنیادی عقائد کو اہل سنت کے مسلک اور قرآن وحدیث کی روشنی میں جامع طریقہ پر بیان کیا گیا ہے رسالہ کا تعارف اور اس کی طباعت واشاعت کا تذکرہ باب پنجم میں گزر چکا ہے رسالہ "العقیدۃ الحسنۃ" کے نام سے بھی معروف ہے مولانا محمد اویس صاحب نگرامی ندوی مرحوم نے اس کی شرح "العقیدۃ السنیۃ" کے نام سے کی جو مکتبہ ندوۃ العلماء سے شائع ہوئی اور دارالعلوم ندوۃ العلماء میں نصاب میں شامل ہے۔

(خ)

۲۰۔ الخیر الکثیر (عربی) یہ حقیقتاً فلسفۂ دین کی کتاب ہے اس میں معرفت ذات، اسماء الٰہی کی حقیقت، حقیقت وحی، کلام الٰہی وغیرہ کی تشریح کی گئی ہے وحدۃ الوجود پر بھی فلسفیانہ انداز میں گفتگو کی گئی ہے عرش، زمان ومکان، افلاک، عناصر، معدن، نبات، حیوان، اعیان ثابتہ، عالم مثال وغیرہ سے بحث کی گئی ہے کتاب کا باب "الخزانۃ الخامسۃ" اہم ہے جس میں نبی کی بعثت، نبوت کے پانچ مزاج، اور انبیاء کے اصناف وغیرہ کا بیان ہے۔

کتاب فلسفہ، طبعیات، تصوف، حکمت الاشراق سب کا مجموعہ ہے۔

خزانہ ثالثہ میں بعثت سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات پر بحث ہے۔

www.ahlehaq.org

خزانہ ثامنہ میں شریعت کے نشو ونما اور اس کے ارتقاء سے بحث ہے۔

خزانہ تاسعہ میں معاد کے احوال و مراتب سے بحث ہے۔

خزانہ عاشرہ میں متفرق فوائد ہیں۔ مجلس علمی ڈابھیل سے ۱۳۵۲ھ میں شائع ہوئی۔

(د)

۴۱۔ الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین (عربی) آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبشرات کا ایک مجموعہ جو شاہ صاحبؒ کی ذات یا بزرگوں سے متعلق ہیں، رسالہ مسلسلات اور النوادر کے ساتھ مطبع ۱۳۰۷ھ (۱۸۹۰ء) میں طبع ہوا ہے، کتب خانہ یحیوی سہارنپور سے بھی شائع ہوا۔

۴۲۔ دیوان اشعار (عربی) جسے شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے جمع کیا، اور شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے مرتب کیا، مخطوطہ کتب خانہ ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

(ر)

۴۳۔ رسالہ۔ حضرت خواجہ خورد شیخ عبداللہ بن عبدالباقی کے جواب میں اپنے کشف کے مطابق۔

۴۴۔ رسالہ دانشمندی (فارسی) اصول تعلیم و اساتذہ کے لئے قیمتی ہدایات پر مشتمل ایک پر مغز اور مفید رسالہ ہے اردو ترجمہ "الرحیم" حیدرآباد سندھ سے ستمبر ۱۹۶۲ء میں پروفیسر محمد سرور نے شائع کیا، نیز عربی ترجمہ "البعث الاسلامی" شمارہ ۴ جلد ۷ محرم ۱۳۸۲ھ میں محمد اکرم ندوی کے قلم سے "اصول التدریس والتعلیم" کے عنوان سے شائع ہوا۔

www.ahlehaq.org

(ض)

۲۵۔ زہراوین ۔ سورۂ بقرہ وسورۂ آل عمران کی تفسیر۔

(س)

۲۶۔ سطعات (فارسی) دربیان علم الٰہی کہ رابطہ است دربیان مجرد محض وعالم شہادت وبعض خواص وآثار آں۔

کتاب کو فلسفۂ الٰہیہ میں سمجھنا چاہیے جس میں فلسفیانہ اور متصوفانہ اصطلاح اور فلسفۂ وحدۃ الوجود کی تعبیرات استعمال کی گئی ہیں اور جس میں حقیقتاً "ربط الحادث بالقدیم" کے معمہ کو حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے کتاب ان اخص الخواص کے مطالعہ کے قابل ہے جو فلسفۂ قدیم کے پورے رمز شناس اور وحدۃ الوجود کی تائیدی وتردیدی بحثوں سے کچھ سے آشنا ہوں، عام اشاعت اور دعوت کی چیز نہیں ہے کتاب میں منطقی اصطلاحات اور حکمت طبعیہ کے مضامین کی بھی شمولیت ہے کتاب میں ان اصولوں کے ماتحت بعض آیات کی لطیف تفسیر بھی ہے کہیں کہیں اپنی تحقیق سے فلاسفہ اور متکلمین دونوں سے اختلاف ظاہر کیا ہے تعلیم الٰہی کے اقسام کو بھی تفصیل سے ذکر کیا ہے اور اس کے اشکال اور صورتوں کو بیان کیا ہے "شخص اکبر" کی اصطلاح جابجا استعمال کی ہے، ہدایت الٰہی وبعثت انبیاء سے بحث کی ہے اور یہ کہ وہ کن کن مظاہر میں ظاہر ہوتی ہے تجلیات الٰہیہ ان کے اقسام ومظاہر سے بھی بحث کی ہے کل رسالہ جو ۱۱۴ صفحے میں آیا ہے مطبع احمدی سے سید ظہیر الدین صاحب کے اہتمام میں شائع ہوا، ۱۹۴۳ء میں مولوی افضل احمد صاحب نے بیت الحکمہ کراچی سے اور ۱۹۶۳ء میں مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی نے شاہ ولی اللہ اکیڈمی سے بھی شائع کیا۔

www.ahlehaq.org

۲۷۔ سرور المحزون (فارسی) ابن سید الناس کی سیرت پر مشہور کتاب "نور العیون فی سیرۃ الامین المامون" کا خلاصہ ہے اپنے نامور معاصر اور سلسلۂ مجددیہ کے شیخ کبیر حضرت مرزا مظہر جانجاناں کی فرمائش سے تصنیف کیا اردو میں اس کے متعدد ترجمے شائع ہوئے۔

(ش)

۲۸۔ شرح تراجم ابواب صحیح البخاری (عربی) صحیح بخاری کے تراجم ابواب و احادیث کے مطابق لطائف و اسرار پر ۱۳۲۳ھ میں دائرۃ المعارف حیدرآباد سے شائع ہوا اس کے شروع میں تراجم ابواب البخاری بھی ہے۔

۲۹۔ شفاء القلوب (فارسی) حقائق و معارف میں ایک رسالہ ہے۔

۳۰۔ شوارق المعرفۃ (فارسی) شاہ صاحبؒ کے چچا شیخ ابوالرضا کے حالات پر مشتمل ہے انفاس العارفین کا جزء ہے۔

(ع)

۳۱۔ العطیۃ الصمدیۃ فی انفاس المحمدیۃ (فارسی) یہ مختصر رسالہ شیخ محمد پھلتیؒ کے حالات میں ہے جو شاہ صاحبؒ کے جد مادری تھے "انفاس العارفین" کا جزء ہے مجموعہ خمسہ رسائل میں بھی شامل ہے۔

۳۲۔ عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید (عربی) باب ششم میں رسالہ کا تعارف گزر چکا ہے۔

العقیدۃ الحسنۃ دیکھئے حسن العقیدۃ۔

www.ahlehaq.org

(ف)

۳۳۔ فتح الرحمٰن (فارسی) قرآن مجید کا فارسی ترجمہ باب پنجم میں اس کا تعارف و تذکرہ گزر چکا ہے۔ مطبع فاروقی دہلی سے ۱۲۹۴ھ میں شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے فارسی فوائد اور شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے ترجمہ اردو اور فوائد موضح القرآن کے ساتھ شائع ہوا، جو کلکتہ کے مطبوعہ نسخہ کی نقل ہے۔

۳۴۔ فتح الخبیر (عربی) قرآن مجید کے مشکل الفاظ کی تشریح، یہ رسالہ الفوز الکبیر کے تتمہ کے طور پر شامل ہے۔

۳۵۔ فتح الودود لمعرفۃ الجنود (عربی) مطبوعہ مصنف کی نظر سے نہیں گذرا، مولانا رحیم بخش نے حیات ولی میں اس کو اخلاق و تصوف سے متعلق لکھا ہے، لیکن نام سے اس کی وضاحت نہیں ہوتی۔

۳۶۔ الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الأمین (عربی) مطبوعہ یہ رسالہ مسلسلات کے نام سے معروف ہے، فن حدیث سے متعلق ہے۔

۳۷۔ الفوز الکبیر (فارسی) رسالہ کا تذکرہ و تعارف باب پنجم میں گزر چکا ہے۔

۳۸۔ فیوض الحرمین (عربی) کتاب زیادہ تر قیام حجاز کے زمانہ کے مشاہدات، حقائق باطنی، مسائل کلامی اور مسائل تصوف سے تعلق رکھتی ہے، یہ کتاب بھی خواص کے مطالعہ کی ہے، ان لوگوں کے دسترس سے بالاتر ہے جو فلسفہ اور تصوف میں اپنا درک نہیں رکھتے۔

(ق)

۳۹۔ قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین (فارسی) حضرات شیخین کی فضیلت کے اثبات میں متعدد مرتبہ طبع ہو چکا ہے۔

www.ahlehaq.org

۴۔ القول الجمیل فی بیان سواء السبیل (عربی) عربی کا رسالہ ہے جس میں بیعت کا ثبوت، بیعت کی سنیت، بعض ابتدائی زمانوں میں اس کے عدم رواج اور پابندی نہ ہونے کے اسباب، حکمت بیعت، شرائط مرشد، شرائط مرید، صوفیا کی بیعت کے اقسام، تکرار بیعت کے حکم سے بحث کی گئی ہے، طریقۂ تربیت اور تعلیم مرید کو بیان کیا گیا ہے، عالم خیال کے صفات اور تذکیر و وعظ گوئی کے آداب کا ذکر ہے، پھر سلسلۂ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ کے اشغال و مراقبات اور طریقۂ مجددیہ کے اشغال کا تکملہ بھی ہے اور اصطلاحات کی تشریح بھی، شاہ صاحب نے اپنے خاندانی اشغال و تجربات کو بھی درج کر دیا ہے جو مختلف حالات اور ضرورتوں میں معمول بہا اور آزمودہ ہیں، مختصراً کتاب ان طالبین کے دستور العمل اور ہدایت نامہ کی حیثیت رکھتی ہے، جو ان سلاسل ثلاثہ میں کسی سے منسلک ہوں اور ان کو سلوک و تصوف کا اہتمام اور دعوت و اصلاح کا بھی ذوق ہو۔

کتاب کا مطالعہ کرنے والے کو اس کتاب میں کہیں کہیں وہ مجددانہ و مجتہدانہ رنگ نظر نہیں آئے گا جو شاہ صاحب کی اہم و مشہور کتابوں کی خصوصیت ہے، بلکہ اس کے بعض مندرجات توحید کے بارہ میں شاہ صاحب کے معروف عالمانہ اور محققانہ مسلک سے میل نہیں کھاتے، مثلاً اصحاب کہف کے ناموں کے بارہ میں لکھا ہے:

- أسماء أصحاب الكهف أمان من الغرق والحرق والنهب والسرق۔[1]

پھر ان کے نام لکھے ہیں حالانکہ یہ نام بھی کسی صحیح حدیث یا قطعی الثبوت ذریعے ثابت نہیں ہیں۔

---

[1] صفحہ مطبوعہ، مطبع [illegible] ص ۳۹

www.ahlehaq.org
www.ahlehaq.org

اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ کتاب سفر حرمین (۱۱۴۳ھ تا ۱۱۴۵ھ) کے پیشتر کی تصنیف ہے اس کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ کتاب میں جہاں اپنے مشائخ تصوف ان کی اجازت اور خرقوں کا ذکر کیا ہے وہاں اپنے محبوب و مربی استاذ شیخ ابوطاہر مدنی کا ذکر نہیں ہے حالانکہ "الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف" میں اس کی صراحت موجود ہے شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

"و لبست الخرقۃ الصوفیۃ عن الشیخ ابی طاھر المدنی رحمہ اللہ و بعنہا جامعۃ لخرق الصوفیۃ کلہا"[1]

حدیث کی اسانید اور ان کے شیوخ میں بھی والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم اور حاجی محمد افضل کا ذکر ہے، شیخ ابوطاہر اور شیوخ حجاز میں سے کسی کا ذکر نہیں ہے حالانکہ اس موقعہ پر یہ ضروری اور ہر طرح قرین قیاس تھا۔[2]

---

[1] الجزء اللطیف ص [illegible] مطبوعہ مطبع لاہور۔

[2] ڈاکٹر مظہر بقا نے اپنی کتاب "اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ" (مطبوعہ ادارۂ تحقیقات اسلامی اسلام آباد پاکستان) میں لکھا ہے: "یہ کتاب سفر حرمین کے بعد کی ہے" (ص [illegible])

لیکن یہ ایک مفروضہ سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتا کہ یہ کتاب سفر حرمین کے بعد کی ہے، قرائن و داخلی شہادتیں جیسا کہ اوپر گزرا اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ کتاب شاہ عبدالرحیم صاحب کی وفات ۱۱۳۱ھ اور سفر حج ۱۱۴۳ھ کے درمیان کی ہے جب شاہ صاحب کے مخلصین اور طالبین سلوک کا ان کے فرزند جلیل (حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ) کی طرف رجوع ہوا۔

[3] القول الجمیل کے کتب خانہ ندوۃ العلماء میں دو قدیم مخطوطہ نسخے ہیں ایک نسخہ مولانا سید قطب الہدیٰ حسنی (م ۱۲۶۳ھ) کے قلم کا ہے جو حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے تلامذہ میں تھے اور وہ مستند اور قدیم ترین نسخہ ہے جو مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ کے کتب خانہ کا ہے جو کتب خانہ ندوۃ العلماء میں محفوظ ہے، دوسرا نسخہ نواب سید صدیق حسن خانؒ کے کتب خانہ کا ہے۔

پھر بھی اس کتاب میں شاہ صاحب کا اصلاحی رنگ نمایاں ہو کر رہا ہے۔ صوفیہ کی عبادت کے بعض طریقوں مثلاً صلوٰۃ معکوس کا اس بنا پر ذکر نہیں کیا ہے کہ اس کا سنت اور اقوالِ فقہاء سے ثبوت نہیں ہے۔ اسی طرح مصحف کو آگے پیچھے، دائیں بائیں رکھ کر ضرب لگانے سے اختلاف کیا ہے اور اس کو بے ادبی پر محمول کیا ہے۔ بعض احادیث پر جو ان سلاسل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سلوک کی تلقین کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں، محدثانہ کلام کیا ہے۔ شاہ صاحب کا مسلک اور اصلی ذوق اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے:۔

"یہ وصیت ہے کہ صحبت نہ اختیار کرے صوفیانِ جاہل کی، اور نہ جاہلانِ عبادت شعار کی، اور نہ فقیہوں کی جو زاہدِ خشک ہیں، اور نہ محدثین ظاہری کی جو فقہ سے عداوت رکھتے ہیں، اور نہ اصحابِ معقول اور کلام کی جو منقول کو ذلیل سمجھ کر استدلال عقلی ہی پر اصرار کرتے ہیں، بلکہ طالبِ حق کو چاہیے کہ عالم صوفی ہو، دنیا کا تارک، ہر دم اللہ کے دھیان میں، حالات بلند میں ڈوبا ہوا، سنتِ مصطفویہ میں راغب، حدیث اور آثارِ صحابہ کرام کا متجسس، حدیث و آثار کی شرح اور بیان کا طلب کرنے والا، ان فقیہانِ محققین کے کلام سے جو حدیث کی طرف مائل ہیں نظر سے، اور ان اصحابِ عقائد کے کلام سے جن کے عقائد ماخوذ ہیں سنت سے، جو نظر میں دلیل عقلی کی بطریق تبرع اور عدم لزوم کے، اور ان اہلِ سلوک کے کلام سے جو جامع ہیں علم و تصوف کے، تشدد کرنے والے نہیں اپنے نفوس پر، اور نہ تدقیق سے کام لینے والے سنت مؤکدہ پر اضافہ کر کے"[1]

۱؎ شفاء العلیل ص ۶۲ - ۱۹۱

www.ahlehaq.org

اس کتاب میں شاہ صاحب کا تطبیقی ذوق (رجحان کو جو ان کی وراثت میں ملا تھا اور ان کا فطری رجحان تھا) نمایاں ہو کر رہا ہے۔ انھوں نے مذاہب فقہا میں سے کسی مذہب کو دوسرے مذہب پر ترجیح دینے کو ناپسند کیا ہے۔ ان کے نزدیک مناسب یہ ہے کہ ان کو بالاجمال قبولیت کی نظر سے دیکھے اور پیروی اس کی کرے جو صریح اور مشہور سنت کے موافق ہو۔[1]

ہندوستان کے مخطوط نسخوں کے علاوہ یہ رسالہ مولانا محمد صادق مدراسی کے مختصر مقدمہ اور تشریحات کے ساتھ سنہ ۱۳۲۲ھ میں الحاج منصور محمد کے مطبع (المجلیہ مصر) میں عبدالسلام احمد کا کتابت کیا ہوا الیقتصو میں چھپا ہے اور کتب خانہ ندوۃ العلماء میں موجود ہے۔ کتاب کا ترجمہ مولانا خرم علی بلہوری (م ۱۲۷۱ھ) نے سنہ ۱۲۶۱ھ میں اردو میں کیا وہ لکھتے ہیں کہ جو حواشی مصنف قدس سرہٗ اور ان کے خلف الرشید علامۂ عصر مسند دہر مولانا شاہ عبدالعزیزؒ کے اس کتاب پر صحیح پائے مزید توضیح و تفسیر فوائد کے ساتھ اس کا ترجمہ بھی ذیلی فوائد میں مندرج کر دیا۔ یہ ترجمہ پہلی مرتبہ ۱۲۶۸ھ/۱۸۵۲ء میں مطبع درخشانی میں اور دوسری بار سنہ ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۴ء میں مطبع نظامی کانپور میں چھپا۔

(ک)

۴۲۔ کشف الغین فی شرح الرباعیتین (فارسی) حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی دو رباعیوں کی خواجہ کے قلم سے شرح ہے۔ اس شرح کی شرح شاہ صاحبؒ نے فرمائی ہے۔ مطبع مجتبائی دہلی سے سنہ ۱۳۱۰ھ میں شائع ہوئی۔

---

[1] تفہیمات الٰہیہ ص ۱۱۱

www.ahlehaq.org

(ل)

۴۲۔ لمعات (فارسی) مطبوعہ، علم تصوف سے متعلق ہے۔

(م)

۴۳۔ المقالۃ الوضیۃ فی النصیحۃ والوصیۃ (فارسی)، "وصیت نامہ" کے نام سے متعدد بار شائع ہو چکا ہے، مطبع مطیع الرحمٰن سے قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کی شرح کے ساتھ بھی ۱۲۶۸ھ میں دہلی سے شائع ہوا، قاضی صاحب کی تشریحات ان کے مشہور رسالہ ارشاد الطالبین سے ماخوذ ہیں۔

۴۴۔ المقدمۃ السنیۃ فی الانتصار للفرقۃ السنیۃ (عربی) مجدد صاحبؒ کے رسالہ ردِ روافض کا ترجمہ مع اضافہ فوائد ہے[1]، ٹونک اور بھوپال کے کتب خانوں میں اس کے قلمی نسخے موجود ہیں، حال میں مولانا ابوالحسن زید فاروقی مجددی کے اہتمام سے دہلی سے بھی شائع ہوا ہے۔

۴۵۔ المقدمۃ فی قوانین الترجمۃ (فارسی) مطبوعہ، فتح الرحمٰن کے شروع میں بھی شامل ہے۔

۴۶۔ المسوّی من احادیث الموطا (عربی) مؤطا کی عربی شرح، دہلی سے دوبار اور مکہ معظمہ سے ایک بار شائع ہوئی۔

۴۷۔ مصفّٰی (فارسی) مؤطا امام مالکؒ کی فارسی شرح ہے جو بیش بہا فوائد و تحقیقات پر مشتمل ہے اور شاہ صاحبؒ کی اہم کتابوں میں ہے، جلد اول مطبع فاروقی دہلی اور جلد ثانی مطبع مرتضوی دہلی سے ۱۲۹۳ھ میں طبع ہوئی۔

۴۸۔ المکتوب المدنی (عربی مطبوعہ) ایک اہم مکتوب وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے تقابل میں جو شیخ اسماعیل بن عبد اللہ رومی کے نام لکھا گیا،

---

[1] شاہ صاحبؒ نے یہ ترجمہ اپنے استاد شیخ ابو طاہر مدنی کی فرمائش اور نزول حق پر [illegible] میں قیام حجاز کے دوران کیا۔

www.ahlehaq.org

یہ "التفہیمات الإلٰہیۃ" میں موجود ہے، نیز علیحدہ بھی بعض رسائل کے ساتھ طبع ہوا ہے۔

۴۹۔ مکتوبات مع مناقب امام بخاری و فضیلت ابن تیمیہؒ (فارسی) مولوی عبد الرؤف صاحب مہتمم کتب خانہ نذیریہ نے شائع کیا، یہ کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے، کلمات طیبات کا ایک مکتوب جو امام بخاری کے مناقب میں لکھا تھا اور ایک مکتوب جو حافظ ابن تیمیہؒ کے دفاع میں لکھا گیا ہے، اسے کر جمع کر دیا گیا ہے۔

(ن)

۵۰۔ النبذۃ الابریزیۃ فی اللطیفۃ العزیزیۃ (فارسی) اس میں شاہ عبد الرحیمؒ کے نانیہالی جد اعلیٰ شیخ عبد العزیز دہلویؒ اور ان کے اسلاف و اخلاف کے حالات ہیں۔ "انفاس العارفین" کا جزء ہے، مجموعہ خمسہ رسائل مطبوعہ مطبع احمدی میں بھی شامل ہے۔

۵۱۔ النوادر من أحادیث سید الأوائل والأواخر (عربی) مطبوعہ مسلسلات کے ساتھ طبع ہوا ہے۔

(ہ)

۵۲۔ ہمعات (فارسی) ضخامت ۱۰ صفحے متوسط سائز، مطبوعہ تحفۂ محمدیہ در بیان نسبت الی اللہ، تمہید میں کہا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے دین محمدی کی حفاظت کا ارادہ کیا اور وہ تمام ادیان پر غالب ہوا، تو تہذیب نفوس عرب و عجم اور ان کے درمیان جو مظالم تھے ان کا ازالہ بوجہ اتم وجود میں آیا، اور چونکہ دین محمدی کا ایک ظاہر ہے ایک باطن، ظاہر کا تعلق مصر و مظاہر، تعیین اوقات، اور

اوضاع و مقادیر سے ہے اور اس کا پورا اہتمام کیا گیا ہے اور تحریف کا سدِ باب کیا گیا۔ باطن کا تعلق طاعات کے انوار و آثار کے حصول سے ہے، اس کا تعلق دو چیزوں سے ہے۔ ظاہر کے حامل وارثینِ پیغمبر ہیں، جنھوں نے ظاہرِ شریعت کی حفاظت کی، ان میں فقہاء و محدثین، مجاہدین و قاری داخل ہیں، اور باطن کے حامل (جس کا نام احسان ہے) وہ انوارِ طاعات، حلاوت کے احساس اور اخلاقِ فاضلہ سے متعلق اور احوالِ سنیہ کے حامل ہیں، (جو صوفیۂ کرام ہیں) ان پر ہر زمانہ میں ان اشغال کا القاء ہوا، جو اس زمانہ کے لوگوں کی طبیعت کے مناسب تھے، اور ان کے کلام و صحبت میں اللہ تعالیٰ نے ایک عجیب تاثیر عطا فرمائی اور ان کو کرامات اور نورِ باطن سے نوازا اور ہر سلسلہ میں مخصوص اشغال و اوراد کا تعین ہوا، اور لوگ ان کی پیروی کر کے فائز المرام ہوئے، ہر زمانہ میں ایک خانوادہ کے وابستگان اپنے خانوادہ کو دوسرے خانوادوں پر ترجیح دیتے ہیں، یہ ایک طرح سے صحیح ہے، بعض پہلوؤں سے امتیاز ہوتا ہے، لیکن حصر صحیح نہیں۔

پھر شاہ صاحبؒ نے ان خانوادوں اور ان خانوادوں سے نکلنے والی شاخوں اور ان کے بانیوں کا تذکرہ فرمایا، اس کے بعد شاہ صاحبؒ نے ان تغیرات کلیہ کا ذکر کیا ہے جو طریق تصوف میں پیش آئے، اور عہدِ رسالت کے بعد زمانہ کے تغیر سے حصولِ احسان کے جو طریقے اور معالجات تجویز کئے گئے ان کا ذکر کیا، اس بارے میں شاہ صاحبؒ نے جس دقیقہ رسی اور تحلیل و تجزیہ سے کام لیا ہے، وہ انھیں کا حصہ ہے، شیخ اکبر اور ان کے مسلک وحدۃ الوجود کے ظہور میں آنے کا بھی ذکر کیا ہے، آپ نے بتایا ہے کہ

www.ahlehaq.org

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ جو سلوک تصوف کے سب سے بڑے محقق اور مرتب ہیں، پھر ان کے نزدیک اس کے جو شرائط اور بنیادی ارکان ہیں ان کا ذکر کیا ہے پھر اپنے اپنے زمانے کے جن مجددین و مجتہدین نے اپنے زمانہ کی استعداد و مزاج کے مطابق اس کا جو نصاب و دستور العمل مرتب کیا، اس کی تفصیل کی ہے پھر شاہ صاحبؒ نے اپنے زمانے کے سالک کے لئے جو نصاب ہونا چاہئے وہ بیان کیا ہے اور جن چیزوں کی طرف اس کی توجہ ہونی چاہئے اس کو بیان کیا ہے، پھر اس طریق کے موانع اور مضر اسباب کا ذکر کیا ہے اور ان کا طریق علاج بتایا ہے، اس راہ میں جو خطرے پیش آتی ہیں ان کی طرف بھی اشارہ کیا ہے، پھر نسبتوں کا ذکر کیا ہے، اس سلسلہ میں صحابہؓ و تابعین اور جمہور صالحین کی نسبت کا ذکر کیا ہے اور اس کو احسان سے موسوم کیا ہے پھر اس کی تعریف کی ہے پھر مختلف نفسانی استعدادات کا ذکر کیا ہے اور لطائف کو بھی بیان کیا ہے، پوری کتاب لطیف مضامین عجیبہ اور روحانی تجربات سے اس طرح معلوم ہے جیسے کوئی حاذق اور طویل تجربہ رکھنے والا طبیب انسانی مزاجوں، اجسام اور صحت و بیماری کے اسباب اور ان کے معالجات پر روشنی ڈالتا ہے۔

۵۳۔ هوامع شرح حزب البحر (فارسی) مطبوعہ۔

www.ahlehaq.org

www.ahlehaq.org

INDEX

اشاریہ

تاریخ دعوت و عزیمت حصہ پنجم

مرتبہ

محمد غیاث الدین ندوی

www.ahlehaq.org

www.ahlehaq.org

شخصیات

سیدنا و نبینا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

(الف)

(سیدنا حضرت) آدم علیہ السلام ۱۳۲، ۲۲۴

(سیدنا حضرت) ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ۱۱۹، ۱۳۰، ۱۵۱، ۲۱۲، ۲۲۴، ۲۴۲

(سیدنا حضرت) اسماعیل علیہ السلام ۲۴۱

(سیدنا حضرت) ابوبکر صدیق رض ۲۲، ۲۹۰، ۲۹۶، ۳۰۳

(ابو محمد مولانا) ابراہیم آروی ۳۲۰

(سلطان) ابراہیم شاہ ۲۸

(شیخ) ابراہیم بغدادی ۱۶۹

(شاہ) ابراہیم چشتی ۲۸۱

(شیخ) ابراہیم کورانی کردی ۱۰۴-۱۱۴

ابراہیم خان گاردی ۳۱۹

(علامہ) ابراہیم نخعی ۳۰۳

(شیخ الاسلام حافظ) ابن تیمیہ ۳۱، ۱۱۸، ۱۱۲، ۱۳۵، ۱۳۷، ۱۶۷، ۱۹۸، ۱۶۵، ۱۷۶، ۲۴۸، ۲۵۰، ۲۹۴، ۳۲۰، ۳۴۴، ۳۴۳، ۳۴۱

(علامہ) ابن جوزی ۳۴۳

(علامہ) ابن حزم ۲۰۴، ۲۰۸

(علامہ) ابن خلدون ۲۳۶، ۲۹۰، ۲۹۹

(علامہ) ابن رشد ۲۰۷

(سلطان) ابن سعود ۲۳

(علامہ) ابن قیم الجوزیہ ۱۶۳

(علامہ) ابن کثیر ۳۲۰

(امام) ابن ماجہ ۳۵

(علامہ) ابو اسحاق شیرازی ۳۵

(مولانا سید) ابو الاعلیٰ مودودی ۳۴۱

(امام) ابو الحسن اشعری ۱۳۸

(مولانا) ابو الحسن زید ۴۱۲

(شیخ) ابو الحسن سندھی صغیر ۳۹۳

(علامہ) ابو الحسن سندھی کبیر ۳۴

(علامہ) ابو الحسن علی الماوردی ۱۵۵، ۱۵۶

(مولانا سید) ابو الحسن علی ندوی ۱۴

(علامہ) ابو حیان نحوی ۳۱

(امام) ابو حنیفہ ۲۰۳، ۲۵۵

(امام) ابو داؤد ۳۵، ۳۴۳

(شیخ) ابو الرضا محمد ۶۲ـ۶۳، ۷۶، ۸۰، ۸۲، ۸۳، ۹۰، ۳۰

(علامہ) ابو مسعود ۳۴

(حضرت شاہ) ابو سعید دہلوی ۲۵۸

(حضرت شاہ) ابو سعید حسنی رائے بریلوی ۱۸۰، ۱۸۱

www.ahlehaq.org

۹، ۱۱، ۱۲۳، ۱۷۴، ۱۸۲، ۲۸۱، ۹۳ ــ ۲۸۹
(شیخ) ابو طالب مکی ۲۰۵
(شیخ) ابو طاہر کردی مدنی ۷، ۱۳، ۱۲۴ ـ ۱۷۱
۱۸۹، ۱۹۹، ۳۳۸، ۳۸۸، ۴۰۹، ۴۳۳
(مولانا) ابو العرفان خان ندوی ۴۲، ۸۳، ۱۸
(امیر) ابو العلاء حسینی اکبر آبادی ۸۲، ۸۳
(میر) ابو الفضل (فوجدار) ۲۸۸
(شیخ) ابو الفیض دہلوی ۳۲۳
(شیخ) ابو القاسم اکبر آبادی ۸۲، ۸۳
(مولانا سید) ابو القاسم حسنی ۳۱۳
(نواب) ابو المنصور خان صفدر جنگ نیشاپوری
۳۲۳
ابو المنصور فارابی ۳۸۴
(سید) ابو نقی ۴۳
(حکیم) ابو الرضا کشمیری ۳۱۵
آپاجی منجھیا ۳۱۹
(مولوی) احسن مارہروی ۱۳۸
(شیخ) احمد ۲۹
(ڈاکٹر) احمد امین مصری ۳۹۶
(مولانا) احمد بن ابو سعید امیٹھوی (ملا جیون)
۵۹
(سلطان) احمد ثالث ۳۰
(سرسید) احمد خاں ۱۳۸
(شیخ) احمد بن اسماعیل مانڈوی ۱۶۹
(امام) احمد بن حنبل ۲۰۳

(مولانا سید) احمد حسن امروہی ۳، ۲۴۳، ۳۹۰
(مولانا سید خواجہ) احمد حسن نصیر آبادی ۳۸۰ ـ
(نواب سید) احمد روہیلہ ۳۰۵
(حضرت شاہ) احمد سعید دہلوی ۳۵۸
(حضرت سید) احمد شہید رائے بریلوی ۹، ۲۲، ۳۰
۱۱۴، ۱۲۸، ۲۸۱، ۳۲۱، ۳۴۰، ۳۴۳، ۳۴۴
۳۵۹، ۳۶۹، ۳۷۳ ـ ۳۷۷، ۳۸۰، ۳۸۲
۳۹۳، ۳۹۸
(مولانا) احمد علی سہارنپوری ۳۵۹
(مولوی) احمد علی خیر آبادی ۱۰۶
(شیخ) احمد علی ۱۱۰، ۱۱۲
(مولانا) احمد اشرف شاہ مدراسی ۳۴۲
(نواب فیروز جنگ نظام الملک) احمد شاہی
۳۰۵، ۳۴۶
(سلطان) احمد شاہ بن محمد شاہ ۴۶
(درانیاں) احمد شاہ ابدالی (درانی) ۱۷
۲۳، ۳۰، ۵۴، ۶۸ ـ ۳۰۰، ۲۸، ۳۰۲، ۳۰۹، ۴۹۳
۲۰۵، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۵ ـ ۳۲۲، ۳۲۰ ـ ۳۲۸
۳۶۶
(حضرت شیخ) احمد فاروقی سرہندی مجدد الف ثانی
(سید) احمد کبیر ۲۳
(حضرت سید) آدم بنوری ۶۵، ۸۱، ۸۳
۳۲۳
آدینہ بیگ ۳۴۶
(سیدہ بی بی) ارادت خاتون ۱۰۶، ۱۰۹، ۳۸

www.ahlehaq.org

(انگریز) ارجن ۲۸۲/۲۸۱

ارجن دیو ۱۰۶

(شاہ) ارزانی بدایونی ۲۸

(مولانا) آزاد بلگرامی دیکھئے غلام علی

اسپنلی عین پوری ۴۵ ،۴۴،۴۳

(امام) اسحاق ابن راہویہ ۲۰۳

(شاہ) اسحاق دہلوی دیکھئے محمد اسحاق

(مولانا سید) اسحاق بن عرفان رائے بریلوی ۲۸۹

(مولوی) اسحٰق مدراسی ۳۶۵

(علامہ) اسمٰعیل حقی ۴۳

(مولانا) اسماعیل شہید دیکھئے محمد اسماعیل

(سلطان) اسماعیل صفوی ۳۵

(شیخ) اسماعیل بن عبداللہ رومی ۳۲

(شیخ) اسماعیل عجلونی (الجراحی) ۴۲

(شیخ مخدوم) اسماعیل فقیہ لسکری صدیقی
۱۹۹

(سلطان) اشرف خاں ۴۶

(حکیم الامت مولانا) اشرف علی تھانوی
۳۹۹

اصغر خاں (تورانی) ۲۸۰

(نظام الملک نواب) آصف جاہ ۵۶،۵۴،۵۲
۳۰۶/۳۰۵

(علامہ) اقبال ۲۸۹،۵۸/۵۵،۴۴
۳۹۶/۳۴۶،۳۴۳/۲۹۵

(سلطان) اکبر ۳۲۰،۲۸۱،۵۲/۳۶

(شیخ) اکبر دیکھئے محی الدین ابن عربی

(ملک) الپ ارسلان ۲۵۶

(مفتی) الٰہی بخش کاندھلوی ۳۵۸،۳۲۸
۳۸۱

(ماونٹ اسٹوارٹ) الفنسٹن ۲۶۹،۲۱

(مولانا) امام الدین دہلوی ۳۸۱

(بی بی) امۃ العزیز ۱۰۷

(حضرت حاجی) امداد اللہ مہاجر مکی ۳۴۳
۳۴۲

(انگریز) امرداس ۲۸۱

(مولانا) امیر احمد سہسوانی ۳۶۰

(نواب) امیر خاں ۳۴۱

(مولانا سید) امیر علی ملیح آبادی ۳۶۰

(شیخ) امین الدین بن عبدالرحیم علوی کاکوروی
۳۹۳

(مولانا سید) انور شاہ کشمیری ۳۶۰

(سلطان) اورنگ زیب عالمگیر ۳۴،۳۲،۳۰
۷۷،۶۲،۵۵،۵۳،۵۲،۴۵،۴۳
۳۳۰/۲۹۵،۲۸۴/۲۸۲،۸۵/۸۴

(مولانا) اولاد حسن قنوجی ۳۵۸

(شاہ) اہل اللہ ۳۹۲،۱۲۶/۸۸

(ب) (پ)

(سلطان) بابر ۵۵

(امام) باقر بن امام زین العابدین ۱۰۶

(میر) باقر داماد ۳۶

www.ahlehaq.org

(خواجہ) باقی باللہ ۸۱، ۲۸۳، ۲۸۸، ۳۱۱
باوجی ۳۱۹
(امام) بخاری ۲۸، ۳۰، ۴۱
(شاہ) بدیع الدین مدار مکنپوری ۳۳۰
(قاضی) بدہ ۴۹
(سید) برکات (شریف مکہ) ۲۳
(ڈاکٹر) برنیر (۶۴، ۶۵، ۶۶) ۴۳
(مولانا) بزرگ علی مارہروی ۳۵۹
بسواس راؤ ۳۱۵
(شاہ) بشارت اللہ بہرائچی ۳۵۹
(مولوی) بشیر الدین ۱۰۵
(امام) بغوی ۱۴۸
بندہ بیراگی ۲۸۳، ۲۹۲
بو علی سینا ۳۸۴
(نواب) بہادر خان ۳۱۲
(شاہ عالم) بہادر شاہ اول (محمد معظم) ۷۵، ۷۹
[illegible]
[illegible]

ت ط ث

(علامہ) تاج الدین سبکی ۸۰
(شیخ) تاج الدین نقشبندی ۱۲، ۱۹۹
تاج محمد خان بلوچ ۳۰۵
(شیخ) تاج محمود جونپوری ۷۳
(شیخ الاسلام) تقی الدین ابن دقیق العید ۳۱
(علامہ) تقی الدین سبکی ۷۸
(گرو) تیغ بہادر ۲۸۳
(شہزادہ) تیمور ۲۸۶
(سلطان) تیمور شاہ ۱۰
(سلطان شہید) ٹیپو سلطان ۳۹۷
(قاضی) ثناء اللہ پانی پتی ۹۰، ۲۲۱
(سید) ثناء اللہ سونی پتی ۱۰۵

ج چ

(سیدنا حضرت) جابر بن عبد اللہ ۱۹۰
(مولوی) جار اللہ ۳۹۷
(حضرت) جامی
(مرزا) جان جاناں
[illegible]
(امیر) جنگ چنگیز خان
[illegible]
(امیر) چنگیز خان
(امام) جعفر صادق

(شیخ) جلال ۶۵
(میر) جلال ۲۸۱
(شیخ) جمال ۷۱
(مولانا) جمال الدین بن محمد صدر الدین قطب ۳۴۳
(مدار المہام سرکار) جمال الدین خان ۲۱، ۳۴۳، ۲۶
(میر) جملہ ۴۳
جمیل الدین جالوی علیگ ۴۱
(حضرت) جنید بغدادی ۳۱۵
(مرزا) جواں بخت ۳۲۰، ۲۷۶
(شیخ) جوہر کشمیری ۱۶۹
(شہنشاہ) جہانگیر ۲۸۲، ۳۲۰
جی سندھیا ۳۱۵
J.P. CUNNINGHAM ۲۸۲
چندو لال ۲۸۲

(ح)

(ملا) حامد ۸۵
(مولوی سید) حامد حسین کنتوری ۳۲۱، ۳۴۱
(نواب صدر یار جنگ مولانا) حبیب الرحمٰن خان شروانی ۳۶۵
حریری ۱۰۳
(سالار) حسام الدین ۹۷
(سیدنا امام) حسن ۳۲۰، ۳۷۷، ۳۵۴
(شیخ سید) حسن ۲۸۱
(امام) حسن بصری ۱۰۹، ۲۱۰
(شیخ) حسن بن محمد المتقی (نظام) حیدرآبادی دولت آبادی ۶۳
(شیخ) حسن ہاشمی ۳۳۴، ۳۱۰، ۳۲۱
(سید) حسن علی خاں ۳۴۳
(مرزا) حسن علی شافعی لکھنوی ۳۵۸، ۳۶۷
(سبط اکبر سیدنا) حسن مجتبیٰ ۲۷۱
(سیدنا امام) حسین ۳۲۰، ۳۷۷، ۲۷۷، ۳۹۹، ۳۵۴
(مولانا) حسین احمد مدنی ۳۹۰
(مولانا) حسین احمد ملیح آبادی محدث ۳۵۸
(سلطان) حسین شاہ ۴۹
(سید) حسین علی خاں ۳۱۳
(امیر الامراء) حسین علی خاں ۳۱۰، ۳۱۵، ۳۲۱
(امام المنصور باللہ) الحسین بن المتوکل یحییٰ بن القاسم ۴۵
(ملا) حمد اللہ سندیلوی ۵۹
(سیدہ) حمیرہ بنت عمر الہمدانی ۳۰۴
(امیر) حمید بن محمد الحسین حلوائی ۳۶۰
(مولانا) حمید علی رامپوری فرنگی محلی ۳۵۸، ۳۶۵، ۳۶۷
(علامہ) حمید علی فیض آبادی ۳۵۷، ۳۶۱

(خ)

(سیدنا حضرت) خالدؓ ۲۶۹
(ام المومنین حضرت) خدیجہؓ ۳۸۰
(امیر) خافی خاں ۲۸۸
(سلطان) خدابندہ محمد ۴۱
(مولانا) خرم علی بلہوری ۳۵۸، ۳۱۱
(شہزادہ) خسرو ۲۸۲
(علامہ) خطابی ۲۱۹

www.ahlehaq.org

(حضرت مولانا) خلیل احمد سہارنپوری ۳۶۰
(مولانا) خلیل احمد اسرائیلی ۲۲۱
(امیر) خلیل پاشا ۲۲
خلیفہ چلپی ۳۲
(میر نصیر) خلیق احمد نظامی ۲۱۸، ۲۸۷، ۲۸۰،
۲۹۶، ۳۰۷، ۳۱۰، ۳۲۰
(امیر) خورد ۶۵
(خواجہ) خورد دیکھئے عبداللہ
(مفتی) خیر الدین ۳۴۷

د ڈ ذ

داتا جی سندھیا ۲۷۶
(مولانا سید) داؤد غزنوی ۳۶۰
(مولوی) دلدار علی مجتہد ۳۶۳
(محقق) دوانی ۳۳۹، ۱۰۰
(نواب) دوندے خان روہیلہ ۳۰۷
ڈی پی مہاجن ۳۲
(مولوی) ذکاء اللہ دہلوی ۲۸۰، ۲۹۳، ۲۸۷،
۲۹۸، ۳۰۷، ۳۱۸، ۳۱۹
(استاد) ذوق ۳۵۱

ر

(شیخ) راجح بن داؤد گجراتی ۱۷۹
راجہ رام ۲۸۸
(امام) رازی ۲۳۷
(علامہ) راغب اصفہانی ۲۸۶
رام چہرہ ۲۸۸

رتن چند ۵۰
(راجہ) رتن سنگھ ۵۰
(مولانا) رحیم بخش ۴۰۷
(سلطان شاہ) رخ مرزا ۲۸
(مولانا) رستم علی قنوجی ۵۹
(مولوی) رشید احمد انصاری ۱۵۸
(حضرت مولانا) رشید احمد گنگوہی ۳۴۰
(مولانا) رشید الدین دہلوی ۳۸۱
(علامہ سید) رشید رضا مصری ۱۸۳
(سلطان) رفیع الدرجات ابن رفیع القدر ۴۶،
۴۷، ۵۳
(سلطان) رفیع الدولہ ابن رفیع القدر ۴۶
۴۷، ۵۳
(شیخ) رفیع الدین محدث شیرازی ۱۷۹
(شاہ) رفیع الدین دہلوی ۱۰۶، ۲۲۲، ۲۸۰،
۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۹۴، ۳۰۸، ۳۸۱،
۳۰۳، ۳۰۴، ۳۸۵، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۲
(شیخ) رفیع الدین محمد ۷۳، ۷۹، ۸۲
رگھوبا ۲۸۳
رگھوناتھ راؤ ۲۷۶
(آیۃ اللہ العظمیٰ الامام) روح اللہ الخمینی ۲۵۲
(مہاراجہ) رنجیت سنگھ ۲۸۵، ۲۹۱، ۲۹۸

ز

(مرزا محمد) زاہد ہروی (میرزاہد) ۲۷، ۲۸، ۸۳
(علامہ) زرکلی ۱۱۰

www.ahlehaq.org

(علامہ) زمخشری ۳۰۹
(علامہ) زیلعی ۱۰۶
(امام) زید بن زین العابدین ۳۳
(نواب) زینت محل ۱۵۷، ۳۳۰، ۳۶۱
(شیخ مخدوم) زین الدین ملیباری ۱۹۹

(س)

(شیخ) سالم بن عبداللہ البصری ۱۱۳
ساجی سندھیا ۲۷۶
(ڈاکٹر) ستیش چندر ۲۷۸
(شیخ) سدو ۴۳
سراج الدولہ ۳۶۰
(شیخ) سعد بن احمد نجدی ۳۴۰
(شیخ) سعدی ۱۳۳، ۱۳۷، ۲۹۰
(سلطان) سعود بن عبدالوہاب ۲۴
(شیخ) سعید کرکی ۱۰۰
(نواب) سکندر بیگم ۳۵۷
(سلطان) سکندر لودھی ۷۵
(سلطان) سلیم ۳۳
(شیخ) سلیمان بن الاہدل ۳۳
(شاہ) سلیمان پھلواروی ۳۶۹
(سلطان) سلیمان قانونی ۲۵
(مولانا سید) سلیمان ندوی ۳۴، ۱۹۷، ۲۹۳
(سلطان) سنان پاشا ۲۵
(ملک) سنجر ۲۶۱
سندھیا ۵۸
(راجہ) سورج مل ۲۸۹، ۲۹۶
سیتلا دیوی ۹۳، ۱۳۸
(شیخ) سید سابق مصری ۴۲۱
(سلطان العلماء) سید محمد ۳۶۲

(ش)

(امام) شافعی ۲۰۳، ۲۰۷، ۲۱۳
شاہجہاں بادشاہ ۲۴۷، ۲۸۳، ۲۸۸، ۳۳۰
[illegible] ۲۷۷
[illegible] ۲۵۲
[illegible] فخر الدین ۵۶
[illegible]
[illegible] ۳۳۰، ۳۳۲، ۳۳۹، ۳۶۰
[illegible] ۳۳، ۳۷۴
[illegible] ۴۳
[illegible] شجاع الدولہ ۱۵۷، ۲۸۰، ۳۰۷
۳۰۲، ۳۰۳، ۳۱۳، ۳۲۶
(نواب) شجاع الملک ۳۹۸
(امام) شرف الدین ۲۵
(شاہ) شرف الدین ۳۸۱
(امیر) شریف حسین ۲۳
(علامہ سید) شریف علی جرجانی ۱۳۵
(امیر) شکیب ارسلان ۳۹
(مولوی) شمس تبریز خاں ۱۳، ۱۲۷
(مولانا) شمس الحق ڈیانوی ۳۶۰
(شیخ) شمس الدین مفتی ۶۵ ـ ۶۹

www.ahlehaq.org

(علامہ) شمس الدین ذہبی ۳۱
شمشیر بہادر ۳۱۱
شکر باڑ ۲۷۷
(شیخ) شہاب الدین احمد مصری ۱۷۹
(ملک العلماء شیخ) شہاب الدین دولت آبادی ۱۰۰
(سلطان) شہاب الدین غوری ۱۰۲
(علامہ) شہاب الدین محمود آلوسی ۲۶۱
(شیخ) شہاب الدین سہروردی مقتول ۳۶
(مولانا) شیخ الاسلام تاج بخاری دہلوی ۱۸۱، ۱۸۲
شیواجی ۲۷۹

ص ض

(مولانا مفتی) صدر الدین دہلوی ۲۳۴، ۲۵۸، ۲۸۱
(علامہ میر) صدر الدین شیرازی ۳۶-۳۱، ۳۱۵
(امیر الملک نواب سید) صدیق حسن خان بہادر ۱۹۱، ۲۲۱، ۳۶۵، ۳۸۰، ۳۰۹
(امام) صغانی ۱۶۸
(شیخ) صفۃ اللہ خیرآبادی ۵۹
(نواب) صفدر جنگ ۲۷۹
(شیخ) صلاح الدین بن شاہ عبد الرحیم ۸۸، ۹۷، ۱۰۵
(شیخ) صلۃ بن اشیم العدوی ۱۹۱
(حضرت حافظ) ضامن شہید ۳۷۲
(شیخ) ضیاء الدین مدنی ۱۷۹

ط ظ

طاش کبری زادہ ۳۴

طباطبائی دیکھئے غلام حسین
(شاہ) طہماسپ صفوی ۲۳، ۳۲
(سلطان) ظاہر شاہ ۳۰
(شیخ) ظہور الحق پھلواروی ۳۵۹
(مولوی) ظہور اللہ مرادآبادی ۳۴۷
(سید) ظہیر الدین احمد ولی اللہی ۳۰۵، ۳۱۳، ۳۶۹

ع

(سیدنا حضرت) عزیر رضی ۱۳۵
(ام المومنین حضرت) عائشہ رضی ۲۲۳، ۲۲۶، ۲۶۴
(سیدنا حضرت) عمر فاروق رضی ۲۲، ۹۶، ۲۱۹، ۲۷۴، ۲۷۷، ۳۰۳
(سیدنا حضرت) عثمان رضی ۲۷۱
(سیدنا حضرت) علی مرتضیٰ رضی ۲۴، ۲۴۸، ۲۷۷، ۲۷۴، ۲۷۷
عالمگیر اعظم دیکھئے اورنگ زیب
(شیخ الاسلام) عارف حکمت بے ۳۹۵
(مولانا سید) عالم علی مرادآبادی ۳۵۹
(شاہ) عباس صفوی ۳۶
(مولوی) عبد الاحد ۲۷۹
(شیخ) عبد الاحد بن خواجہ محمد سعید سرہندی ۱۱۳، ۱۸۰
(مولانا) عبد الحی حسنی
(شیخ) عبد الجبار غزنوی ۳۶۰
(مولانا) عبد الحق حقانی ۱۳۵، ۲۲۱، ۲۶۵، ۲۶۸
(شیخ) عبد الحق محدث دہلوی ۱۳۵، ۱۴۱، ۱۹۰، ۱۹۱
(شیخ) عبد الحکیم بن شیخ وجیہ الدین ۷۴، ۸۰
(ملا) عبد الحکیم سیالکوٹی ۸۱، ۱۱۰

www.ahlehaq.org

(مولانا) عبدالحلیم لکھنوی ۷۸

(مولانا) عبدالحی بن ہبۃ اللہ بڈھانوی ۳۶۸

۳۵۹، ۳۷۷، ۳۸۵

(شیخ) عبدالحی ۸۰

(مولانا حکیم سید) عبدالحی حسنی ۹۰، ۱۸۵، ۱۰۲

۲۷۱، ۲۷۳، ۲۷۷، ۲۸۳، ۳۲۹، ۳۰۶، ۳۱۳

۳۹۰، ۳۰۹

(مولانا) عبدالحی فرنگی محلی ۷۸، ۲۵۱

(پیر) عبدالرحمٰن ۲۸۱

(قاری) عبدالرحمٰن پانی پتی ۳۵۹

(مولانا) عبدالرحمٰن مبارکپوری ۳۶۰

(حضرت شاہ) عبدالرحیم ۳۸، ۷۲، ۷۰، ۷۶

۸۹-۷۳، ۷۷، ۹۸، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۱۳، ۱۲۰

۱۲۸، ۱۲۹، ۱۴۸، ۱۵۰، ۲۳۷، ۲۰۶، ۳۰۹، ۳۱۲

(مولوی) عبدالرؤف ۳۱۳

(حضرت سید) عبدالرزاق بانسوی ۶۰

(مولوی) عبدالرزاق کانپوری ۲۵۶

(میر) عبدالسلام بدخشی ۳۹۳

(مولانا) عبدالشکور فاروقی لکھنوی ۲۴۳

(مولوی) عبدالعالی احمد (کاتب) ۳۱۱

(شاہ) عبدالعدل دہلوی ۳۸۵

(حضرت شاہ) عبدالعزیز دہلوی ۳۷، ۶۰

۶۲، ۷۵، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۸، ۱۱۰، ۱۱۷، ۱۲۵-۱۱۵

۱۲۳، ۱۴۳، ۱۴۷، ۱۵۰، ۱۹۰، ۲۸۲، ۲۸۴

۲۹۱، ۳۰۷، ۳۲۱، ۳۴۰، ۳۴۵، ۳۴۳

۳۴۶، ۳۵۶-۳۴۹، ۳۶۱، ۳۶۳

۳۶۵، ۳۶۷، ۳۷۱، ۳۷۳، ۳۷۵

۳۷۷، ۳۸۲-۳۷۹، ۳۸۶-۳۸۵، ۳۸۹

۳۹۰، ۳۹۱، ۴۰۶، ۴۰۹-۴۰۷، ۴۱۱

(شیخ) عبدالعزیز شکربار ۷۳، ۷۴، ۸۲، ۸۴

۱۲۸، ۴۱۳

(ڈاکٹر) عبدالعظیم الدیب ۲۵۶

(شاہ) عبدالغنی دہلوی ۱۰۲، ۳۴۵

۳۴۸، ۳۸۵، ۳۸۷

(شیخ) عبدالغنی نابلسی ۳۳

(حضرت شاہ) عبدالغنی مجددی مہاجر مدنی

۱۹۱، ۳۶۰

(شیخ) عبدالغنی بن عبدالحکیم ۶۹

(شیخ) عبدالفتاح ابو غدہ ۱۹۵

(سیدنا) عبدالقادر جیلانی ۷۷، ۱۲۸

(مولانا) عبدالقادر خاں قاضی پوری

۳۹۳

(حضرت شاہ) عبدالقادر دہلوی ۱۰۶

۱۳۰، ۱۱۷، ۱۳۸، ۱۴۹، ۱۵۰-۱۵۶، ۳۳۵

۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۸، ۳۸۵-۳۸۶، ۴۰۷

(مفتی) عبدالقیوم بڈھانوی ۳۵۹

(خلیفہ سید) عبداللہ ۳۹۸

(مولانا) عبداللہ ۳۷۲

(حافظ سید) عبداللہ ۸۱، ۸۲

(مولانا) عبداللہ آفندی ۳۹۳

www.ahlehaq.org

(ملا) عبداللہ اشنوئی ۱۱۸، ۳۹۱
(شیخ) عبداللہ بصری ۱۱۰
(شیخ) عبداللہ بن ادریس حسنی سنوسی ۳۲۰
(شیخ) عبداللہ بن ابراہیم انصاری ۲۵۶
(شیخ) عبداللہ بن حسین السویدی ۴۳
(قطب الملک) عبداللہ خاں (حسن علی) ۵۰، ۵۱، ۵۳
(امیر) عبداللہ بن مسعود ۲۱
(شیخ) عبداللہ بن سالم البصری ۱۱۲
(شیخ) عبداللہ بن عبدالباقی (خواجہ خورد) ۴۱، ۸۴، ۳۰۴
(شیخ) عبداللہ سراج مکی ۲۸۰
(شیخ) عبداللہ بن عبدالغنی ۹۹
(شیخ) عبداللہ سلطانپوری ۱۲۹
(مولانا حافظ) عبداللہ غازیپوری ۳۲۰
(عارف باللہ سید) عبداللہ غزنوی امرتسری ۳۵۹
(شیخ) عبداللہ لاہوری ۱۱۰
(شیخ) عبداللہ ملتانی ۱۰۰
(شیخ) عبداللطیف حسینی مصری ۳۹۳
(مولانا) عبدالماجد دریابادی ۳۱۸
(شیخ) عبدالمعطی مکی ۱۲۹
(شیخ) عبدالملک ۲۹
(امام الحرمین ابوالمعالی) عبدالملک جوینی ۲۵، ۲۵۲
(خلیفہ) عبدالملک بن مروان ۲۷۰
(مولانا) عبدالمنان وزیرآبادی ۳۵۹
(شیخ) عبدالنبی گنگوہی ۱۲۹
(حافظ) عبدالنبی (عبدالرحمن) ۳۹۱
(شیخ) عبدالوہاب متقی ۱۹۹
(شیخ) عبیداللہ ۴۶
(خواجہ) عبیداللہ احرار ۸۳
(شیخ) عبیداللہ خطیبی صدیقی ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۱۱
(نواب) عبیداللہ خاں کشمیری ۳۰۵
(مولانا) عبیداللہ سندھی ۱۹۳، ۳۹۰
(مولوی) عتیق احمد ۱۳
(سلطان) عثمان ثالث ۳۰، ۲۱
(شیخ) عثمان دیکھئے حسن
عرفی شاعر ۲۹۹
(شیخ الاسلام) عزالدین بن عبدالسلام ۲۱۹
(سلطان) عزیزالدین عالمگیر بن جہاندار شاہ ۳۶
(شیخ) عزیزاللہ ملتانی ۱۰۰
(مولانا) عطاء اللہ حنیف ۲۲۱
(علامہ) علاء الدین الباجی ۳۱
(علامہ) علال الفاسی مراکشی ۲۱۶
(حضرت شاہ) علم اللہ حسنی ۱۱۸، ۱۱۹
(شاہ) علم الہدیٰ نصیرآبادی ۳۸۷
(شیخ) علی اصغر قنوجی ۵۹
(مولانا مفتی) علی کبیر مچھلی شہری ۳۵۸
(امیر) علی بے ۴۲

www.ahlehaq.org

(سلطان) علی قلی عادل شاہ ۲۸

(حکیم) علی گیلانی ۱۸

(علی مرزا) علی قاری ۱۹۲،۱۷۵

(خواجہ) علی متقی برہانپوری ۱۹۱،۱۹۰،۱۷۴،۱۷۳

(شیخ) علیم اللہ جالندھری ۹۵

(وزیر) عماد الملک ۳۰۵

(خلیفۃ المسلمین) عمر بن عبدالعزیز ۹

(مفتی) عنایت احمد کاکوروی ۳۵۹

(قاضی) عیاض ۲۴۲

(غ)

غازی الدین خاں ۱۱۳

غازی میاں ۲۳

(حجۃ الاسلام امام ابو حامد) الغزالی دیکھئے محمد الغزالی

غلام حسین طباطبائی ۳۷،۴۹،۵۴

(مولوی محمد) غفران ندوی ۱۳

(شیخ) غلام حسین مکی ۳۲۷

غلام حیدر خاں ۳۷۰

(مولانا) غلام رسول مہر ۳۲۶،۲۸

(مولانا) غلام رسول قادری ۳۶۰

(مولانا) غلام علی آزاد بلگرامی ۵۹،۶۳،۶۲
۲۷۶،۹۱

(حضرت شاہ) غلام علی دہلوی ۲۱۲،۳۵۸

(مولانا سید) مصطفیٰ قاسمی ۳۰۵

غلام قادر روہیلہ ۵۸

(مولانا) غلام نقشبند لکھنوی ۵۹

(حضرت) غوث الاعظم دیکھئے عبدالقادر جیلانی

(میر) غیاث الدین منصور ۱۰۰،۳۲

(محمد) غیاث الدین ندوی ۱۳

(ف)

(امیر) فتح اللہ شیرازی ۱۰۰،۳۴،۱۸

(شاہ) فخر الدین دہلوی (شاہ فخر) ۶۰

(شاہ) فخر العالم ۱۰۵

(منشی) فخر اسلام ۹۸

(سلطان محمد) فرخ سیر ابن عظیم الشان
۲۹۶،۲۸۶،۲۸۹،۲۱۵،۱۸۲،۱۳۴

(شیخ) فرید ثانی (رشتی) ۳۹

(مولوی) فضل احمد کراچی ۳۰۵

(مولانا) فضل حق خیرآبادی ۲۵۰،۲۸۵

(حضرت مولانا) فضل رحمن گنج مرادآبادی
۳۵۹

(بابا) فضل شاہ ۱۲۲

(شیخ مخدوم) فقیہ علی مہائمی ۱۹۹

(مسٹر) فریر ۳۱۳

(شیخ) فیروز ۷۱

(ق)

(میر) قاسم ۵۶

(میر) قاسم علی ۴۲

قاسم بن حسین (امام حسن) ۷۵

www.ahlehaq.org

(شیخ) قاضی خان ظفرآبادی ۶۳
(شیخ) قرہ بن خالد السدوسی ۱۹۱
(شیخ) قطب الدین ۶۹
(نواب) قطب الدین دہلوی ۳۵۱
(شیخ) قطب الدین احمد ۳۹۳
(خواجہ) قطب الدین بختیار کاکی ۹۸
(شیخ) قطب الدین عباسی گجراتی ۱۷۹
(امیر کبیر سید) قطب الدین محمد المدنی ۹۲
(علامہ) قطب الدین نہروالی (مکی) ۲۵، ۹۹
(شیخ) قطب العالم ۶۳
(مولانا سید) قطب الہدیٰ حسنی عرف رائے بریلوی
۱۴۴، ۳۲۸، ۳۵۸، ۳۹۳، ۴۰۰
(نواب) قمر الدین خان ۵۷، ۹۲
(سید) قمر الدین سونی پتی ۳۲۸

ک گ

(شہزادہ) کامران ۳۷۰
(مولانا) کرامت علی جونپوری ۳۷۶
(سلطان) کریم خان زند ۴۸
(شاہ) کلیم اللہ جہان آبادی ۶۰
(شیخ) کمال الدین مفتی ۶۹
C. COLLIN DAVIES ۴۱۳
(ڈاکٹر) گنڈا سنگھ ۳۱۳
گنگا رام (شاعر) ۲۷۸
گوبند رائے بندیلہ ۲۷۶، ۲۸۳

ل

(سلطان) لطف علی ۴۸
(استاذ العلماء مولانا) لطف اللہ علیگڑھی
۲۵۹
(ڈاکٹر) لوتھروپ اسٹاڈرڈ
(LOTHROP STODDARD) ۳۹
(مولانا) لیاقت علی الٰہ آبادی ۳۴۲
(لارڈ) لیک ۵۸

م

سیدنا حضرت مسیح علیہ السلام ۱۲۵
(امام) مالک ۲۰۳، ۲۹۹، ۳۱۲، ۴
ماوردی دیکھئے ابوالحسن علی
مادت احمد ابن النقشی دیکھئے النقشی
(قاضی) مبارک گوپاموی ۵۹
(میاں) مٹھا ۲۸۵
(امام ربانی) مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی
۱۰، ۱۵۳، ۱۸۴، ۱۸۸، ۱۸۷، ۱۹۷، ۲۲۱، ۲۳۱، ۲۴۲، ۲۶۲
۴۱۲
(نواب) مجد الدولہ بہادر ۳۰۵
(قاضی) محب اللہ بہاری ۵۹، ۳۲۱
(مولانا سید) محبوب علی جعفری ۳۸۹
(علامہ) محسن بن یحییٰ ترہتی ۱۰۰، ۲۱۵، ۲۵۲
۳۹۱، ۳۸۳، ۳۸۹
(امام) محمد ۱۱۲
(مولانا) محمد احسن صدیقی ۲۳۱، ۳۷۳
(مولانا شاہ) محمد اسحاق محدث دہلوی ۱۹۱، ۳۴۸
۳۴۹، ۳۵۵، ۳۵۸، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۹

www.ahlehaq.org

(م)

(قاضی) محمد اسلم ہروی کابلی ۳۷
(مولانا شاہ) محمد اسماعیل شہید ۱۶۱، ۱۷۲، ۲۴۲، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۲۵، ۳۲۷، ۳۴۲، ۳۴۷، ۳۵۰، ۳۵۹، ۳۷۶
(سلطان) محمد اعظم شاہ ۴۷
(میاں) محمد اعظم خان نصیر آبادی ۱۴۲
(مولانا) محمد اعلیٰ تھانوی ۵۹
(حضرت شاہ) محمد آفاق دہلوی ۳۵۱
(الملا) محمد افضل ۳۰۹
(شیخ) محمد افضل سیالکوٹی ۱۱۳، ۳۰۹
(مولانا شاہ) محمد افضل عمری ۳۶۹
(پروفیسر) محمد اقبال ۳۵۵
(مولوی) محمد اکرم سندی ۳۰۳
(حضرت مولانا) محمد الیاس کاندھلوی ۱۱
(ابوالفرج) محمد امام الدین ۳۵۱
(خواجہ) محمد امین ولی اللہی کشمیری (جان الامین شاہ)
۳۲، ۱۳۶، ۱۴۰، ۲۴۹، ۲۷۳، ۲۷۸، ۲۸۰، ۲۸۸، ۲۹۹، ۳۰۹، ۳۲۹
(مولانا) محمد اویس ندوی نگرامی ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴
(ڈاکٹر) محمد باقر ۱۰۶
(مولانا) محمد برہان الدین سنبھلی ۱۲
(مولانا) محمد بشیر سہسوانی ۳۶۰
(مولوی) محمد بشیر الدین صدیقی ۱۱۷
(حضرت) محمد بن ابی بکر الصدیق رضہ ۲۸۸
(شیخ) محمد بن احمد السفارینی ۴۳
(الامیر) محمد بن اسماعیل الحسنی الصنعانی ۳۵، ۳۲۳
(شاہ) محمد بن حسن غوثی مندوی ۶۵
(امیر) محمد بن سعود ۳۹۵
(شیخ) محمد بن شاہ ولی اللہ ۱۸۵، ۲۲۲، ۲۹۵، ۳۰۲، ۳۵۸
(علامہ) محمد بن عبدالباقی الزرقانی ۴۳
(امیر) محمد بن عبداللہ ۲۲
(شیخ) محمد بن عبدالوہاب النجدی ۱۹۲، ۲۷۵، ۲۹۹، ۳۰۹
(حضرت سید) محمد بن شاہ علم اللہ ۱۱۰
(علامہ) محمد بن علی الشوکانی ۳۰۳، ۳۵
(سلطان) محمد بن قلاوون ۲۹۳
(شیخ) محمد بن ناصر جہنی ۳۲۰
(سردار) محمد بیگ (ابن الذہب) ۴۲
(شیخ) محمد تحسین صدیقی ۱۵، ۲۲، ۲۸، ۸۸، ۲۹۶، ۲۹۷
۳۰۶، ۳۱۰، ۳۰۴
(شیخ سید) محمد ترمذی ۸۲
(شیخ) محمد جعفر پھلتی ۱۲۳، ۱۲۷، ۳۴۷
(مولانا) محمد حسن فرنگی محلی (قدحسن) ۵۹
(مولوی) محمد حسین آزاد ۳۵۱
(مولانا) محمد حسین بٹالوی ۳۶۰
(مولانا) محمد حیات سندی ۳۲، ۱۹۹
(نواب) محمد خان عالم خان بہادر نصرت جنگ ۳۳۷
(مولانا حافظ) محمد رحیم بخش دہلوی ۶۹، ۳۰۲
(ڈاکٹر) محمد روحی الخولی ۳۵۱
(شیخ الحدیث مولانا) محمد زکریا صاحب زید مجدہ ۱۹۲، ۳۳۰
۳۲۰
محمد زکی سعد خان ۴۳
(پروفیسر) محمد سرور ۳۰۴
(خواجہ) محمد سعید ۳۴۳

(علامہ) محمد سعید اسمٰعیل ۳۳
(سلطان) محمد شاہ عرف جہانگیر شاہ ۱۳۶، ۱۵۳، ۱۶۱، ۱۸۰، ۲۹۶، ۳۰۲
(سید) محمد صابر چشتی ۲۹۱
(خواجہ) محمد صادق ۳۴۳
(مولانا) محمد صادق مدراسی ۲۱۱
(علامہ) محمد طاہر پٹنی ۱۶۳، ۱۷۶، ۱۷۹
(شیخ) محمد عابد سندھی ۹۰
(شیخ) محمد عاشق پھلتی ۱۲۲، ۱۸۵، ۲۴۶
۳۲۴، ۳۳۲، ۳۴۰، ۳۴۲، ۳۴۵، ۳۳۷، ۳۳۸
۳۸۱، ۳۸۴، ۳۸۶، ۳۹۱، ۳۹۲
(شیخ) محمد عاقل ۶۵
(میر) محمد عتیق ۱۳۲
(حضرت سید) محمد عدل (شاہ مدار) ۱۱۹
(مولانا سید) محمد علی واعظ رامپوری ۳۶۲
(حجۃ الاسلام امام ابو حامد) محمد الغزالی ۱۳۸، ۱۶۵
۲۱۹، ۲۲۶، ۲۵۲، ۳۳۳
(شاہ) محمد غوث قادری لاہوری ۹۰
(شیخ) محمد غوث گوالیاری ۱۶۳
(مولانا) محمد فاخر زائر الہ آبادی ۱۹۸
(شیخ) محمد فاکہی حنبلی ۱۶۹
(مولوی) محمد فائق پھلتی ۱۰۶، ۱۲۲
(استاد) محمد فرید المحامی ۲۱
(حضرت مولانا) محمد قاسم نانوتوی ۳۲۶
(مفتی) محمد قلی خاں کنتوری ۳۶۳
(حکیم مرزا) محمد کامل دہلوی ۳۹۲
(شیخ) محمد کامل مصری ۱۶۹
(استاد) محمد البابک ۲۱۲
(خواجہ) محمد معصوم ۳۴۴-۳۴۹
(سید) محمد مسکین (ابن سید محمد ضیاء) ۱۲۸
(مولانا) محمد معین سندھی ۱۴۰
(استاد) محمد المغربی ۱۱۲
(شیخ) محمد سعید داؤد انصاری ۳۹۳
(خواجہ) محمد ناصر عندلیب ۹۰
(مولانا سید) محمد نعمان مکی ۱۱۸، ۳۷۲
(مولانا) محمد واضح حسنی رائے بریلوی ۳۸۳، ۳۸۵، ۳۹۴
(شیخ) محمد وفا الشرباصی ۱۱۲، ۱۱۹
(مولوی) محمد ہارون ندوی ۱۳
(خواجہ) محمد یحییٰ ۳۴۳
(مولانا) محمد یحییٰ کاندھلوی ۳۲۰
(مولانا شاہ) محمد یعقوب دہلوی ۳۵۰، ۳۵۲، ۳۵۹، ۳۸۰
(شیخ) محمود ۹۹
(سلطان) محمود اول ۲۰، ۲۲
(شیخ الہند مولانا) محمود حسن دیوبندی ۳۲۰
(سلطان) محمود خاں غلزئی ۲۶
محمود خلجی محمود بیگڑہ ۳۲۶
(سلطان) محمود غزنوی ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۰۹
(سلطان) محی السنۃ محمد کام بخش ۳۴۶، ۴۶
(شیخ اکبر) محی الدین ابن عربی ۳۸۳، ۳۸۴
مختار زراوی ۲۴۰
المرادی ۲۳، ۳۴

www.ahlehaq.org

(مولوی سید) مرتضیٰ لقوی ۱۴
(علامہ سید) مرتضیٰ بلگرامی زبیدی ۱۴۰
(فاضل) مرزا جان ۳۶، ۳۸
مرشد قلی خاں (فوجدار) ۲۸۸
(خلیفہ) مروان بن محمد (مروان الحمار) ۳۰۳
(خلیفہ) مسترشد باللہ ۲۶۰
(خلیفہ) مستعصم باللہ ۲۶۰، ۲۷۱، ۳۰۳
مسعود انور علوی علیگ ۳۹۱
(امیر) مسعود بن سعید ۲۳
(سلطان) مسعود غزنوی ۲۶۰، ۲۷۹
(مولانا) مسعود عالم ندوی ۲۹۵
(سید سالار) مسعود غازی ۲۳۰
(امام) مسلم ۲۵
(سلطان) مصطفیٰ ثانی ۳۰
(سلطان) مصطفیٰ ثالث ۳۰، ۳۱
مصطفیٰ خاں ۳۱
(سید) المطہر ۲۵
(خلیفہ) المطیع للہ ۲۳
(حضرت مرزا) مظہر جان جاناں ۱۹، ۱۰۰، ۲۰۲، ۲۰۹، ۲۳۸، ۲۵۸، ۳۰۹، ۳۰۴
(حضرت) معاویہؓ ۲۲۵، ۲۶۰
(سلطان) معز الدین جہاندار شاہ ۲۲، ۲۴
(شیخ) معظم ۷۱ - ۹۹
(شیخ) معمر ابراہیم بن داؤد نیشاپوری ۱۲۹
(مخدوم) معین الدین سندھی ۱۱۳
معین الملک (میر منو) ۲۹۳
قلانادہ ۱۰۰
ملا داؤد بکر ۲۷۶، ۳۰۷، ۳۱۹
(مولانا سید) مناظر احسن گیلانی ۳۲۶
(الملک) منصور محمد ۳۱۱
(شیخ) منصور ۶۹، ۷۰
(شاہ) منیب اللہ پانی پوری ۶۰
(ملکہ) مہر پرور ۵۴
(امیر قاضی) میر ناصر دیکھئے زاہد
(خواجہ) میر درد ۹۰

(ن)

(سلطان) نادر شاہ افشار ۱۷، ۲۹، ۳۶، ۵۱، ۵۵، ۵۶، ۲۹۱، ۲۹۳
(قاضی) ناصر الدین بیضاوی ۱۰۰
(مولوی سید) ناصر حسین ۳۶۲
(امام) ناصر الدین محمد حنفی ۱۰۶، ۱۰۷
(گرو بابا) نانک ۲۸۱، ۲۸۵
(مولوی) نثار الحق ندوی ۱۳
(نواب) نجابت علی خاں ۳۶۳
(نواب) نجیب الدولہ ۲۵۸، ۲۶۷، ۲۸۰، ۲۸۹، ۲۹۷، ۳۰۵، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۲، ۳۱۵، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰
(مولانا سید) نذیر حسین محدث دہلوی (میاں صاحب) ۱۱۱، ۳۵۹
(امام) نسائی ۳۵، ۲۰۷

www.ahlehaq.org

(شاہ) نصیر ۳۵۱
(مولوی) نصیر الدین صاحب تحریک اتحاد ملی ۳۰۳
(حضرت سید) نصیر الدین چراغ دہلی ۳۰۲
(امیر الممالک) نصیر الدین ۱۰۶
(خواجہ) نصیر الدین طوسی ۳۴، ۳۳، ۳۵
(سلطان المشائخ خواجہ) نظام الدین اولیاء ۶۵، ۳۰۲، ۲۷۷
(استاذ علماء ہند) نظام الدین سہالوی فرنگی محلی ۹۰، ۱۰۲، ۱۸۲
(وزیر) نظام الملک طوسی ۲۵۶
(ملا) نظام الدین برہانپوری مرتب فتاوی عالمگیری ۸۴، ۸۵
(علامہ سید) نعمان خیر الدین آلوسی بغدادی ۱۱۱، ۲۸۵
(سید) نور الحبیب رسول نگری ۷۱
(مولوی) نور الحسن راشد کاندھلوی ۱۲۰، ۱۰۳، ۱۲۰، ۲۶۳
(علامہ مفتی) نور الحق دہلوی ۱۸۰، ۱۸۱
(امیر) نور الاسلام ۸۲، ۸۳
(مولوی) نور محمد ۱۱۵
(شاہ) نور محمد بدایونی ۹۰
(مولانا) نور الحسن جھانوی ۳۳۲، ۳۴۰، ۳۶۴
(امام) نووی ۲۴۳
(میاں) نیاز گل خان ۳۰۵
(سلطان) نیکو سیر ۲۶

(و)

(شیخ) وجیہ الدین شہید ۱۰۲، ۱۰۹، ۱۱۷، ۲۰۴، ۳۰۶، ۲۱۲، ۲۱۹
(حکیم الاسلام قاسم) ورثاء مولوی ... کتاب
(مولانا) ولایت علی عظیم آبادی ۲۶۳، ۲۶۲، ۲۳۰
ولایتی بیگم ۳۴۸
ولیم ایل ینگر ۲۸
(شیخ) ولی محمد نارنولی ۸۲

(ہ)

(مرزا) ہادی رسوا لکھنوی ۳۹۲
(جنرل) ہارس (HARRIS) ۳۷۶
(خواجہ) ہاشم نقشبندی ۸۰
(سید) ہاشمی فرید آبادی ۲۸، ۸۳، ۱۲۸، ۱۲۱، ۲۲
ہرچرن داس ۲۸۸
ہرہر دیو ۱۰۶
ہرگوبند ۲۸۳، ۲۸۴
(شہنشاہ) ہمایوں ۱۸
ہمر (HEMER) ۲۱
(مہاراؤ) ہولکر دیکھئے لیار
ہندو راؤ ۳۶۹

(ی)

یار محمد ۲۸۷
(امام) یحییٰ بن یحییٰ مصمودی ۱۹۲
(مولانا) یحییٰ علی صادق پوری ۳۷۳
(خلیفہ) یزید بن معاویہ ۲۷۰، ۲۷۳، ۲۷۴
(شیخ) یعقوب بن حسن کشمیری ۱۷۹
یعقوب علی خان (قلعہ دار) ۲۷۷

www.ahlehaq.org

کتابیات

قرآن مجید

(الف)

آبِ حیات ۳۵۱

وفیات الاعیان ۳۵۶

ابن کثیر (البدایہ والنہایہ) ۲۶۱

اتحاف السادۃ المتقین شرح احیاء علوم الدین ۱۹۰

آثار الصنادید ۱۲۸

الاحکام السلطانیہ والولایات الدینیہ ۲۸۵، ۲۸۶

احیاء علوم الدین ۳۴۳، ۳۴۲، ۳۳۲

اخبار الاخیار ۶۵

الاربعین ۳۱۸

ارجوزۃ الاصمعی ۳۵۲

الارشاد الی مہمات علم الاسناد ۱۰۰، ۱۰۵، ۳۷۸، ۳

ارشاد الطالبین ۳۱۳

ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء ۱۲۵، ۵۵، ۵۶، ۲۳۹، ۲۳۱، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۴۳، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۹۹، ۲۱۱، ۲۶۳، ۲۷۶، ۳۱۶، ۳۹۹

اسرار المحبۃ (رسالہ) ۳۸۳

الاسفار الاربعہ ۳۶

اشاعت علوم و فنون ہندوستان میں ۱۸۰، ۱۸۱، ۳۳۸، ۳۴۱، ۳۹۹

اسلامی ثقافت و اصول کی تشکیل و حفاظت میں حدیث کا بنیادی کردار (رسالہ) ۹۶، ۱۶۹، ۲۱۹

اشراق مع اکمال التوضیح ۳۶

اصول بزدوی ۱۰۰

اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ ۳۰۵

اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم ۳۹۹

الاعلام (زرکلی) ۳۳، ۱۱۰

الافق المبین ۳۶

الطاف القدس ۱۲۵، ۳۹۹

الامداد فی مآثر الاجداد ۲۹۲، ۳۴۳، ۳۹۹، ۴۰۰

الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ ۳۹۲، ۳۹۹

انسان العین فی مشائخ الحرمین (رسالہ) ۹۹، ۹۶، ۱۴۰، ۱۹۹، ۲۰۰

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ۳۰۳

انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا ۲۴، ۲۸

الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف ۹۰، ۱۳، ۱۴۵، ۳۰۱، ۲۰۰

انفاس العارفین ۷۷، ۸۰، ۸۶، ۸۴، ۸۵، ۴۰۰، ۹۱، ۳۰۰، ۳۴۰، ۳۹۹، ۴۰۰، ۲۰۰، ۳۴۳، ۳۰۲

الاوائل السنیہ فی اوائل کتب الحدیث ۳۳

اوجز المسالک ۱۹۲، ۳۱۰

اہل السنة والجماعة (رسالہ) ۱۲۸

آیات اللہ الکاملہ ۲۲۱

ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح ۲۶۸

AURANGZEB ۳۳ – ۳۸

AURANGZEB AND HIS AGE ۳۳

AHMAD SHAH DURRANI ۳۱۳

A HISTORY OF THE SIKHS GUARD ۲۸۲

ORME COLLECTIONS ۲۸۸

(ب) (پ)

البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع ۳۴

البدور البازغة ۳۰۰

بذل المجہود ۳۴۰

البرق الیمانی فی الفتح العثمانی ۲۵

برہان (رسالہ) ۱۲۸، ۳۹۱

بستان المحدثین ۳۵۳، ۲۸۸

البعث الاسلامی (مجلہ) ۴۰۳

بلوغ المرام ۳۳

بوارق الولایة (رسالہ) ۳۰۰، ۳۹۶

بوستان ۱۳۵

البیان فی علوم القرآن (مقدمہ تفسیر حقانی) ۲۷۵

بخاری شریف ۶۶، ۹۹، ۲۵۲

PARTIES AND POLITICS IN THE MUGHAL COURT ۳۸

PORTUGUESES ۲۶۹

(ت)

تاج العروس ۱۹۰

تاریخ اخبار و آثار ۳۵

تاریخ اورنگ زیب ۲۸۸

تاریخ دعوت وعزیمت ۱۱۵، ۱۹۷، ۲۰۱، ۳۲۰، ۳۳، ۴۸، ۹۳، ۱۲۳، ۱۳۲، ۲۲۸، ۲۸۸، ۳۹۴، ۲۹۳، ۳۳۳، ۳۳۶

تاریخ الدولة العلیة العثمانیہ ۲۱

تاریخ سلطنت خداداد میسور ۳۶۷

تاریخ فیروز شاہی ۲۸

تاریخ المذاہب الاسلامیہ ۳۳

تاریخ نثر اردو ۱۳۸

تاریخ ہند ۵۳، ۱۵۳، ۹۲، ۲۶۹

تاریخ ہندوستان ۴۵، ۵۲، ۵۵–۵۸، ۵۹، ۷۵، ۸۵، ۲۶۷، ۲۸۰، ۲۸۲، ۲۸۹، ۳۰۲، ۳۰۶، ۳۱۸–۴۰

تاویل الاحادیث ۴۰۱

تعلیق المصفی شرح المؤطا ۲۸۹

تحفہ اثنا عشریہ ۲۵۳، ۲۹۱، ۳۳۳، ۳۶۲

تحفة الاحوذی ۳۹۰

تحفة للموحدین ۱۳۲، ۱۳۳، ۴۰۳

تحقیق و اضافات کی صورت میں ایک نظم صحیح کا

مقدمہ (رسالہ) ۳۷۶

تذییل شفاء الغرام باخبار البلد الحرام ۳۳۳

تراجم البخاری (رسالہ) ۱۹۳

تراجم ابواب البخاری (رسالہ) ۳۴، ۲۰۹

تعبیر رؤیا (رسالہ) ۳۵۳

www.ahlehaq.org

التعلیق الممجد علی موطا الامام محمد ۲۵۱
التفسیرات الاحمدیہ ۵۹
تفسیر تبصیر الرحمن و تیسیر المنان ۱۹۹
تفسیر حقانی ۱۳۵، ۲۲۸
تفسیر روح المعانی ۳۲۹
تفسیر زہراوین ۳۰۵
تفسیر فتح الرحمن [illegible]
۳۱۳
تفسیر فتح العزیز (تفسیر عزیزی) دیکھئے [illegible]
۳۵۳، ۳۵۷
تفسیر کشاف ۱۰۰
تفسیر مدارک ۹۹
تفسیر مظہری ۱۹۰
التفہیمات الالہیہ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] ۳۴۵
تقویۃ الایمان ۳۴۸
تکملہ تفسیر فتح الرحمن ۳۵۴
تکمیل الصناعۃ ۳۸۳
تلبیس ابلیس ۳۲۳
التمہید ۳۹۰
تنبیہ الغافلین ۸۴
تنقیح الانظار و توضیح الافکار ۳۳
التوحید الذی ہو حق اللہ علی العبید ۳۹۹
توضیح و تلویح ۱۰۰

ج ج

جامع الترمذی ۲۸۳، ۲۹۴
جائزہ تراجم قرآنی ۲۳۵، ۲۳۹
الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف
[illegible]
۳۰۲، ۳۰۹
جلاء العینین فی محاکمۃ الاحمدین ۱۱۱
۱۴۳، ۱۲۸
جلالین ۲۵۳، ۲۸۵
جواہر خمسہ ۱۴۲
چہار گلزار شجاعی ۲۸۸
چہل حدیث [illegible] ۳۴۰

ح خ

حاشیہ خیالی ۸۱، ۸۲
حاشیہ شرح عقائد ۸۱
حاشیہ ملا زادہ ۱۰۰
حاشیہ [illegible] ۳۵۴
حاضر العالم الاسلامی ۳۹
حجۃ اللہ البالغہ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
حسام الاسلام ۳۶۵
حمائل ۱۰۰

www.ahlehaq.org

حسرۃ العالم بوفاۃ مرجع العالم (رسالہ) ۴۸

حسن العقیدہ دیکھئے العقیدۃ الحسنہ

حفظ الایمان (رسالہ) ۲۱۹

حصن حصین ۳۳۷

الحکومۃ الاسلامیۃ ۲۵۲

حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی ۱۸۱

حیات ولی ۹۶، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۲۰، ۳۰۲-۳۰۳، ۳۰۷

خلاصۃ الکلام ۲۳

خیالی ۱۰۰

الخیر الکثیر ۲۰۳

(د) (ذ)

دار الحکومت دہلی ۱۱۵

دائرہ معارف اسلامیہ ۲۸۵

دراسات اللبیب فی الاسوۃ الحسنۃ بالحبیب ۱۴۰

الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین ۴۴

در مختار ۳۶۸

الدرر المنتثرات فی الاحادیث الموضوعات ۳۳

دستور الانشاء ۲۸۷

دستور حیات ۱۲۳، ۱۹۵

دمغ الباطل ۳۸۳

دور الحدیث فی تکوین المناخ الاسلامی وتنمیتہ ۱۴۰

دہلی اور اس کے اطراف ۱۱۶، ۱۱۷

دیوان اشعار ۳۰۴

الذکر الجلی فی کرامات السید محمد علی ۳۷۶

ذوالفقار (کتاب) ۳۶۵

(ر) (ز)

الرحیم ۴۰۴

ردّ روافض ۴۰۲

رسالہ ۴۰۴

رسالہ دانشمندی ۴۰۴

رسالہ تطبیق ۳۷

رسائل نقشبندیہ ۱۰۰

روح البیان فی تفسیر القرآن (تفسیر حقانی) ۳۳

روح المعانی دیکھئے تفسیر روح المعانی

ROLE OF HADITH IN THE PROMOTION OF ISLAMIC CLIMATE & ATTITUDES ۱۴۰

زاد المعاد ۱۲۳

زعماء الاصلاح فی العصر الحدیث ۲۹۶

زواہر ثلاثہ ۳۷

(س)

سبل السلام ۲۵، ۳۳

سبیل الرشاد ۲۸۹

السراج المبین فی مسئلۃ التفضیل ۲۵۳

سرّ الشہادتین (رسالہ) ۳۵۲

سرود محزون ۴۰۶

سطعات ۲۰۵
سلالۃ الدرر فی اعیان القرن الثانی عشر ۳۳-۳۵
سلم العلوم ۳۶، ۵۹
سنن ابن ماجہ ۱۹۳، ۳۴۶
سنن ابی داؤد ۸۳، ۳۴۶
سنن بیہقی ۲۳۳، ۲۴۳
سنن نسائی ۳۴۶
سوانح احمدی ۳۲۹
سید احمد شہید (مہر صاحب) ۳۲۲
السیاسۃ الشرعیۃ فی اصلاح الراعی والرعیۃ ۲۵۷
سیر الاولیاء ۲۵
سیرت سید احمد شہید ۱۱، ۳۰، ۴۱، ۴۲، ۹، ۲۸۲
۳۲۲-۳۲۳، ۲۷۱-۳۲۹، ۲۷۵، ۲۷۷
سیر المتاخرین ۲۹-۳۴، ۴۲، ۵۳، ۲۸۱
سیف ناصری ۳۲۵

(ش)

شافیہ ۱۳۳
شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۹۶، ۳۰۱، ۳۰۶-۳۰۷، ۳۱۴-۳۱۷
۳۱۹، ۳۲۰
شرح اشارات ابن سینا ۳۵
شرح تراجم ابواب صحیح البخاری ۱۹۳، ۲۰۶
شرح تہذیب ۳۷
شرح جامی ۳۵، ۱۰۰
شرح دعائے اعتصام ۲۸۹
شرح رباعیات جامی ۱۰۰
شرح سلم (حمد اللہ) ۵۹
شرح سلم (ملا حسن) ۵۹
شرح سلم (قاضی) ۵۹
شرح نخبہ ۱۰۰
شرح عقائد ۸۱، ۱۰۰
شرح مطالع ۱۰۰
شرح مواقف ۳۷، ۸۲، ۱۰۰
شرح وقایہ ۳۷، ۳۸، ۱۰۰
شرح ہدایۃ الحکمۃ ۳۶، ۱۰۰، ۳۵۳
شفاء العلیل ۲۲۸، ۳۱۰، ۳۱۱
شفاء القلوب ۳۰۹
شمائل ترمذی ۹۹، ۱۰۵، ۱۱۸، ۳۴۶
شمائل نبوی ۱۱۰
شوارق المعرفۃ (رسالہ) ۳۰۰، ۳۰۲، ۳۰۳

(ص)

صحاح ستہ ۳۰، ۱۱۲، ۱۳۴، ۱۸۳، ۱۹۳، ۲۳۴، ۲۵۸
صحیح بخاری ۹۵، ۱۱۲، ۱۲۹، ۱۸۲، ۱۸۵، ۱۹۳، ۲۱۸، ۲۳۷، ۲۵۹، ۳۰۶
صحیحین ۱۱۳
صحیح مسلم ۹۶، ۱۲۹، ۱۸۳، ۱۸۷، ۳۴۶
صدرا (شرح ہدایۃ الحکمۃ) ۳۶، ۳۷

صراط مستقیم ۳۳۰
صوارم الالٰہیات ۳۶۵
صیانۃ الناس عن وسوسۃ الخناس ۳۴۵، ۳۴۶

ط ظ

طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۴۸/ ۲۵۲
طریق النجاۃ ۳۶۰
ظفرنامہ شاہجہاں ۳۴

ع غ

عبقات الانوار فی امامۃ الائمۃ الاطہار ۳۴۱/ ۳۴۸
العجالۃ النافعۃ ۲۵۳، ۲۵۸، ۳۹۰
عرب و دیار ہند ۱۹۹
عزیزیہ (حاشیہ) ۲۵۴
العطیۃ الصمدیۃ فی الانفاس المحمدیۃ ۴۵، ۳۰۰، ۳۰۹
عقائد الاسلام ۲۳۸
عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید ۱۹۵، ۲۱۲، ۳۰۹
العقیدۃ الحسنۃ (حسن العقیدۃ) ۱۴۳، ۱۲۵، ۳۰۳، ۳۰۶
العقیدۃ السنیہ ۱۶۳، ۳۰۳
العقیدۃ والعبادۃ والسلوک ۱۶۳
علم الکلام ۲۳۸
عنوان المجد ۲۳
عوارف ۱۰۰
غایۃ المقصد ۳۶۰
غرائب القرآن ۱۳۵
غنیۃ الطالبین ۸۶
غیاث الکرم فی اثبات الظلم (الخیالی) ۲۵۹

ف

فتاویٰ عالمگیریہ (الفتاویٰ الہندیہ) ۳۴۲، ۳۴۳، ۸۴
فتاویٰ عزیزی ۳۲۹
الفتاویٰ فی المسائل المشکلۃ ۳۵۲
فتح الباری ۱۱۰، ۳۸۰
فتح الخبیر ۳۰۶
فتح الرحمٰن دیکھیے ترجمۂ فتح الرحمٰن
فتح المبین ۱۹۹
فتح الودود لمعرفۃ الجنود ۳۰۶
فتوحات مکیہ ۳۵
الفرقان (رسالہ) ۱۴۲، ۲۹۳، ۳۲۴، ۳۳۲، ۳۴۱، ۳۴۲
فصوص الحکم ۳۵، ۸۳
الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین (رسالہ) ۱۹۳، ۳۰۶
الفوائد المکیۃ ۱۰۰
الفوز الکبیر فی اصول التفسیر ۱۳۹، ۳۰۱، ۳۵، ۱۵۰، ۱۵۶، ۱۵۸، ۲۹۹، ۳۰۶
فیوض الحرمین ۳۳، ۱۳۵، ۱۹۸، ۳۰۶
فال آف دی مغل امپائر ۳۵، ۲۸۰، ۳۰۶

(ق)

قاموس ۱۹۰

قرۃ العین ۲۰۳

قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین ۲۰۶

قصر عارفاں ۲۰۴

قوت القلوب ۲۰۵

القول الجلی فی مناقب الولی ۸۸، ۹۸، ۹۸، ۱۰۸، ۱۰۹-۱۱۱، ۱۱۳، ۲۹۲، ۲۹۹، ۳۸

القول الجمیل فی بیان سواء السبیل ۲۹۳، ۲۰۸-۲۰۳، ۲۰۹، ۲۰۴

(ک)

کاروان ایمان و عزیمت ۲۲۰، ۲۲۴، ۲۸۰

کافیہ ۹۹-۱۰۰، ۱۲۳

کتاب الآثار ۲۱۲

کتاب الخراج ۲۵۵

کشاف اصطلاحات الفنون ۵۹

کشف الخفاء ومزیل الالباس عما اشتہر من الاحادیث علی السنۃ الناس ۳۲

کشف الغطاء عن السنۃ البیضاء ۲۶۳

کلکتہ گزٹ ۲۱۶

کلمات طیبات ۲۰، ۱۸۲، ۱۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۳۴۳

کمالین ۱۸۱

کنز العمال ۱۴۷، ۱۴۹

کیمبرج ہسٹری آف انڈیا ۴۲

کیمبرج ہسٹری آف ورلڈ ۴۲

گزٹیر ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۵

گلزار ابرار ۹۵

گلستان ۱۲۵

(ل)

لب الالباب ۱۰۰

لسان العرب ۲۲۵

لمعات ۲۱۲

لوائح ۱۰۰

LATER MUGHALS ۲۸۶

(م)

مآثر الاجداد، دیکھئے الامداد فی مآثر الاجداد

مآثر عالمگیری ۴۳

مآثر الکرام ۹۱، ۹۲

ما لا بد منہ ۱۹۰

مجمع بحار الانوار ۱۴۷، ۱۴۹

مجموعہ خمسہ رسائل شاہ ولی اللہ ۱۹۹، ۲۳۰، ۲۴۰، ۲۱۲

مجموعہ رسائل اربعہ ۱۴۳، ۲۰۲

مجموعہ رسائل شاہ ولی اللہ ۱۹۶، ۲۳۰، ۲۴۰، ۵، ۱۲۵

مجموعہ کشف الاستار عن رجال معانی الآثار ۱۱۰

مجموعہ مکتوبات شاہ عبدالرحیم و شاہ ولی اللہ ۳۰۵

محلی ۱۸۱

محمد بن عبدالوہاب ایک مظلوم اور بدنام مصلح ۳۹۵
مختارات ۳۳۵
مختصر المعانی ۳۵، ۱۰۰
المرآۃ الوضیۃ فی النصیحۃ والوصیۃ (المقالۃ الوضیۃ فی النصیحۃ والوصیۃ) (وصیت نامہ) ۱۹۳، ۱۹۴، ۲۷۵، ۱۹۳، ۴۱۲
مرقاۃ ۱۷۹
مسلسلات (رسالہ) ۱۹۳، ۱۹۲، ۳۴۳، ۳۴۸، ۴۰۰، ۴۰۷، ۴۱۳، ۴۱۴
مسلم الثبوت ۵۹، ۳۶۱
مسند امام احمد ۱۱۰
مسند دارمی ۱۱۲
المسوّی فی احادیث المؤطا ۱۹۴، ۲۳۷، ۴۱۲
مشارق الانوار ۱۰۱، ۱۸۸
مشکوٰۃ المصابیح ۷۲، ۷۷، ۸۷، ۹۹، ۱۷۹، ۲۷۲، ۳۸۷
مصابیح ۲۱۳
مصابیح السنۃ ۱۷۸
مصباح ۱۰۰
مصفّٰی ۱۹۲، ۲۰۳، ۲۱۳، ۲۱۳، ۴۱۲
مضامین عالمگیر ۴۳
مطول ۱۰۰
مظاہر حق ۳۵۹
مفتاح کنوز السنۃ ۱۸۴
مقاصد الشریعۃ الاسلامیہ ومکارمہا ۴۲۶
مقالات سلیمانی ۹۴
مقالات طریقت ۲۰۵، ۲۲۹، ۳۴۴، ۲۵۷، ۳۶۵
مقامات حریری ۱۰۱، ۱۰۲
مقدمہ ابن خلدون ۲۳۶، ۲۹۹
المقدمۃ السنیۃ فی الانتصار للفرقۃ السنیۃ ۴۱۳
مقدمہ شرح اللمعات ۱۰۰
المقدمۃ فی قوانین الترجمۃ ۴۱۲
مقدمۃ نقد النصوص ۱۰۰
مکتوبات امام ربانی ۹۵
مکتوبات مع مناقب امام بخاری وفضیلۃ ابن تیمیہ ۴۱۳
المکتوب المدنی ۴۱۲
مکتوب المعارف ۱۰۵، ۱۰۹، ۱۲۷، ۳۹۴
ملفوظات عزیزی ۳۸، ۹۱، ۹۴، ۱۱۱، ۱۱۵، ۱۱۸، ۱۲۸، ۲۹۱، ۳۵۶
منار (رسالہ) ۱۰۰
المنار (مجلہ) ۱۸۳
مناقب حیدریہ ۳۵۰
منتہی الکلام ۳۵۷، ۳۸۱
منصب امامت ۳۶۸

منصب نبوت اور امام کے عالی مقام حاملین ۳۵
منصور ۱۲۵
منہاج السنہ ۲۵۸
موجز ۱۰۰
موسوعۃ فقہ عمر بن الخطاب ۲۷۱
موضح القرآن ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۹
۳۸۸، ۴۰۶، ۴۰۷
مہر جہاں تاب ۳۸۶
مؤطا امام مالک ۱۱۲، ۱۲۶، ۱۹۴، ۲۲۴، ۲۴۹، ۲۴۲، ۲۰۲
۳۳۴، ۳۱۲
مؤطا یحیٰی بن یحیٰی ۱۱۲، ۱۹۲
MACAUFFE ۲۸۵
مسلم رول ان انڈیا ۳۲
میزان بد (رسالہ) ۳۵۴
میزان شرح مواقف ۳۵۴
میزان حق جلال ۳۵۴
میزان البلاغۃ (رسالہ) ۳۵۴
میزان الکلام (رسالہ) ۳۵۴

(ن)

النبذۃ الابریزیۃ فی اللطیفۃ العزیزیۃ
۳۷۲، ۴۰۰، ۴۱۲
نجوم السماء (کتاب) ۳۲۲
نخبۃ التواریخ ۳۰۵
نزہۃ الخواطر ۴۹۰، ۳۷۹، ۴۶۸، ۳۷۸
۱۰۵، ۲۱۴، ۲۲۱، ۲۲۶، ۲۲۹، ۲۴۰، ۲۴۸، ۲۵۸
۲۶۵، ۲۶۶، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۸۱، ۲۸۵، ۲۹۵
۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۵، ۳۰۸، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۲۹
نصب الرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ
۱۹۵
نظام الملک طوسی ۲۵۶
نعمۃ اللہ السابغۃ ۲۲۱، ۲۲۸
النوادر من احادیث سید الاوائل
والاواخر ۴۰۳، ۴۱۳
نور الانوار ۵۱
نور العیون فی سیر الامین المامون
۴۰۹
نیل الاوطار ۲۵، ۲۳۳
نیرنگ سیدیس (اقبال) ۲۸۳
نیو ورلڈ آف اسلام
(NEW WORLD OF ISLAM) ۲۶۴

(و)

(رسالہ) وصایا۔ یا۔ وصیت نامہ
دیکھئے المرآۃ الوضیہ
وصیت نامہ (فارسی) ۴۰۲، ۳۴۱
وقائع احمدی ۳۷۲

(ک) (ی)

ہدایہ ۱۰۰
الہواش الستہ ۳۲
ہواش شرح کتب المغزیٰ ۴۱۵

جمعات ۱۲۵، ۴۱۳

ہندوستان کا نظامِ درس اور اس کے تغیرات (رسالہ) ۱۰۱

ہسٹری آف دی افغانس (HISTORY OF THE AFGHANS) ۳۱۴

ہیاکل النور ۳۶

ہسٹری آف اورنگ زیب (HISTORY OF AURANGZEB) ۴۳

الیانع الجنی فی اسانید الشیخ عبد الغنی ۱۰۰–۱۰۳، ۲۵۰، ۳۸۱، ۳۸۳، ۳۹۱، ۳۸۲

مقامات

(الف)

اٹک ۲۷۷

اجمیر ۳۸۷

احمد آباد ۱۷۹

آرہ ۴۰۳

اڑیسہ ۵۲، ۵۷، ۳۹۹

آسام ۴۲

استنبول ۸۲

اسلام آباد ۴۰۹

اصفہان ۲۶

اعظم گڑھ ۱۸۳، ۳۹۱

افغانستان ۱۶، ۱۸، ۱۹، ۲۳، ۲۹، ۳۰، ۳۲، ۳۸، ۳۷، ۵۳، ۱۷۵، ۱۹۹

افریقہ ۱۷۹، ۱۸۶

اکبر آباد ۱۷۹، ۱۸۲

آگرہ ۱۵، ۷۵، ۱۲۴، ۱۸۲، ۱۸۷–۸۹، ۱۹۹

الور ۲۸۹

الہ آباد ۵۸، ۲۲۰، ۳۹۷

امرتسر ۲۸۱، ۲۸۳

امروہہ ۲۷۷

اناطولیہ ۴۳

اندلس ۱۷۲

انڈونیشیا ۳۴

اورنگ آباد ۱۳۹، ۶۲

اودھ ۵۷، ۹۲، ۲۷۹، ۳۳۲، ۳۹۳، ۳۹۳

ایران ۱۷–۱۹، ۲۹–۳۵، ۳۷، ۴۵–۴۸، ۱۳۳، ۱۵۸، ۱۷۸، ۱۰۹، ۳۴۷، ۳۲۳، ۱۷۶، ۲۲۷، ۲۵۳، ۳۶۳

ایشیائے کوچک ۱۹

(ب)

بارہ بنکی ۷۵

بابل ۵۱
بارتھیا (TOBULAHIN) ۴۱
باقر ۱۳
بجنور ۳۲۵
بحر احمر ۱۰۸
بحر روم ۴۲
بحر ہند ۱۰۸
بحیرۂ خزر (CASPIAN SEA) ۲۷
بخارا ۱۰۰، ۹۰، ۴۹، ۲۸
بحر اسود ۳۰
برہانپور ۷۳
بڑھانہ ۳۶۲، ۱۲۱، ۱۰۵
بریلی ۲۵۳، ۲۲۱
بغداد ۲۸، ۱۴۴-۱۵۶، ۳۳، ۳۱
بکسر ۳۶۰، ۵۶
بلخ ۲۷
بلوچستان ۲۹، ۲۷
بمبئی ۴۰، ۹۰، ۱۳
بنگال ۳۱۱، ۳۴۲، ۲۷۸، ۵۶، ۵۱، ۴۹
بنگلور ۷۳، ۵۰، ۱۴۷
بہار ۳۹۹، ۳۹۲، ۵۵، ۵۶، ۴۹
بھٹکل ۱۹۸
بہرائچ ۳۳۰
بھوپال ۳۱۱، ۲۸۱، ۲۵۵، ۲۷۳، ۳۳۱
بیانہ ۲۹۷
بیروت ۱۹۵، ۴۴، ۴۱

(پ)

پاک پٹن ۲۸۱
پاکستان ۴۰۹، ۴۰۱، ۳۹۸
پانی پت ۲۸۰، ۲۷۷، ۵۸، ۵۰، ۱۷
۳۲۰، ۳۱۳، ۲۸۳
پشاور ۲۷
پلاسی ۳۶۷
پنجاب ۲۸۳-۲۸۵، ۲۸۱، ۲۷۹، ۲۹
۳۷۰، ۳۵۹
پٹنہ ۹۰، ۷۶، ۷۵

(ت) (ٹ)

ترکستان ۱۴۲، ۱۲۷، ۹۱، ۹۸، ۳۵، ۱۸
۳۶۵، ۱۱۷
ترکی ۳۳۸، ۳۳، ۳۱، ۳۲، ۲۴، ۲۱
توران ۵۱
تونس ۱۴۷، ۱۳۳
ٹونک ۳۰۲، ۲۰۲، ۳۴۱

(ج) (چ)

جدہ ۱۰۹
الجزائر ۱۷۶
جزیرۃ العرب ۳۹۵، ۹۳، ۲۱
جیند ۳۹۸-۲۷۳
جنۃ المعلاۃ ۳۸۰
جنگلی قبرستان ۱۱۶

چاٹگانگ ۴۲
چنیوٹ ۲۸۷
چوک سعد اللہ خاں (دہلی) ۱۲۲

(ح) (خ)

حجاز مقدس ۱۷، ۲۵-۲۱، ۲۲۲، ۲۵۸، ۹۱
۹۳، ۹۷، ۱۰۲، ۱۰۷، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۰، ۱۴۲
۱۳۲، ۱۴۵، ۱۴۳، ۱۶۵، ۱۷۶، ۱۷۶، ۱۸۶
۱۹۱، ۱۹۲، ۲۰۰، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۹
۲۹۵، ۲۹۸، ۳۰۷-۲۰۳، ۳۰۹، ۳۱۲
حفر حبیر ۱۷۶، ۲۹۴
حرمین شریفین ۱۲، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۰
۱۰۷-۱۲۶، ۱۳۴، ۱۷۶، ۱۷۹، ۱۸۲
۱۹۱، ۱۹۲، ۲۰۰، ۲۰۲، ۲۸۱، ۲۹۴، ۳۰۴
حرم مکی ۱۷۵
حضر موت ۱۷۶
حلب ۳۲
حیدرآباد دکن ۳، ۵، ۱۲، ۴۰، ۷۳، ۹۱، ۱۲۶
۲۷۴، ۲۸۰، ۲۹۸، ۲۷۶، ۲۹۵، ۳۰۶
حیدرآباد (پاکستان) ۱، ۳، ۲، ۲۰
خراسان ۱۰۹، ۱۷۸
خوارزم (خیوہ) ۲۷
خیبر ۲۷۶، ۲۹۳

(د) (ڈ)

درجیہ ۳۹۵
درۂ بولان ۱۷
درۂ خیبر ۱۷
درگاہ حضرت نظام الدین ۲۷۷
دریائے سندھ ۲۷
دریائے شور ۵۱
دمشق ۳۲، ۳۳، ۵۸، ۹۳
دوآبہ ۲۷۶
دہلی ۷، ۱۱، ۲۷، ۲۲، ۲۹، ۳۰، ۴۱، ۵۱، ۵۲، ۵۵
۵۸-۶۳، ۶۶، ۶۸، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۶، ۹۱
۹۳، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۵-۱۲۳، ۱۲۸
۱۳۲، ۱۳۶، ۱۵۰، ۱۶۲، ۱۸۰-۱۸۸، ۱۹۰
۲۶۷، ۲۷۷، ۲۸۳-۲۸۲، ۲۸۷، ۲۹۰، ۲۸۷
۲۹۶، ۲۹۸، ۳۰۷، ۳۱۱، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۲
۳۵۷، ۳۵۹، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۷، ۳۶۷
۳۸۰، ۳۸۵، ۳۹۶، ۴۰۰، ۴۰۲، ۴۰۳
۴۰۷، ۴۱۲، ۴۱۳
دیوبند ۱۱۰، ۱۳۵
ڈابھیل ۲۴۳، ۲۵۳، ۳۰۴، ۴۰۳

(ر)

راجپوتانہ ۵۷، ۱۰۸
رامپور ۳۹۸
رام گنگا ۲۷۷
رائے بریلی ۱۱۸
روس ۲۰، ۲۱، ۲۹
روم ۲۷
روہیلکھنڈ ۲۷۹

زنجبار ۲۹ — ۶۵

(س)

ساؤتھ افریقہ ۹۵
ستوھو ۷۵
سرحد ۳۷۰
سرنگاپٹم ۳۶۷
سرہند ۲۸۳، ۲۸۷
سکندرآباد ۳۷۳
سکندریہ ۲۸۸
سمرقند ۲
سندھ [illegible]
سورت [illegible]
سومنات ۶۹، ۱۰۳
سیوانا ۷۳

(ش)

شام [illegible]
[illegible]
۳۹۳
شاہ ولی اللہ بازار ۱۰۲
شاہجہاں آباد ۱۲۸
شکوہ آباد ۳۹۲
شکوہ پور ۷۰
شیراز [illegible]
شیخ [illegible] روڈ ۱۴۳

(ص) (ط)

صادق پور ۳۷۲
صالحی ۳۹۳
طہران ۳۵

(ع)

عالم اسلام ، ممالک اسلامیہ [illegible]
[illegible]
[illegible]
عرب ، ممالک عربیہ [illegible]
[illegible]
[illegible]
۳۱۳
عراق [illegible]
[illegible]
علی گڑھ ۱۰۸، ۲۷۹
عینیہ ۳۹۵

(غ) (ف)

غزنی [illegible]
غزہ ۳۲
فاس ۳۳
فیروزآباد ۲۹۲

(ق)

قبرص ۴۲
قصر شریعت [illegible] ۲۷۷
قسطنطنیہ [illegible]

قطر ۲۵۶

قلعۂ آگرہ ۲۸۸، ۲۸۹

قلعۂ معلّٰی ۲۷۷، ۳۰۰

قندھار ۲۱، ۲۷، ۲۹، ۳۰، ۳۷، ۳۱۲، ۳۱۳،
۳۱۹، ۳۲۰

قنوج ۹۲، ۱۰۶

ک گ

کابل ۱۶، ۲۷، ۴۷، ۱۷۵

کابلی دروازہ (دہلی) ۳۰۲

کاکوری ۹۸، ۱۰۸، ۱۶۹

کالپی ۸۲

کانپور ۴۸

کروہ ۹۳

کراچی ۲۲۱

کرناٹک ۳۴، ۱۹۸

کرنال ۲۷

کشمیر ۲۹، ۶۳، ۱۹۰

کلاں محل (دہلی) ۱۱۶

کلکتہ ۳۳، ۳۶۷، ۳۹۸، ۴۰۷

کھمبات ۱۰۸

کوچہ فولادخاں ۱۱۶

کویت ۲۷۱

کیرالا ۱۹۸

گجرات ۱۰۸، ۱۴۳، ۱۶۷، ۱۶۹، ۱۸۱

گوالیار ۲۸۲، ۳۶۹، ۳۷۰

ل

لاہور ۲۷، ۳۸، ۳۹، ۴۷، ۶۹، ۱۱۳، ۱۳۳،
۱۹۳، ۲۲۱، ۲۵۰، ۲۶۰، ۲۷۶، ۲۸۳،
۳۱۱، ۳۰۶، ۳۰۹

لدھیانہ ۲۸۴، ۳۹۱

لکھنؤ ۱۱۸، ۱۲۸، ۱۷۹، ۱۸۲، ۲۷۳،
۳۶۱، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۷۲، ۳۹۸

م

مالابار (بلاد المعبر) ۱۹۸، ۱۹۹

مالوہ ۲۶، ۷۲، ۱۰۸، ۱۹۹، ۳۱۹

مانڈو ۶۵

مانکپور ۹۳

ماوراء النہر ۱۷۸

متھرا ۲۸۸

مدراس ۱۹۸، ۳۹۳

مدینۃ الخلیل ۱۱۹

مدینہ طیبہ ۲۶، ۱۰۹، ۱۱۱، ۱۱۳، ۱۱۷، ۱۲۰،
۲۶۵، ۲۷۲، ۳۶۵، ۳۹۳

مراکش ۱۷۶

مشہد ۳۹

مصر ۲۲-۲۳، ۲۴، ۳۲، ۳۳، ۴۳، ۱۵۶،
۱۳۶، ۱۴۳، ۱۷۶، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۹۳،
۱۹۵، ۲۱۱، ۲۹۳، ۳۸۰، ۴۰۸، ۴۱۱

مظفر نگر ۹۷

مکہ معظمہ ۱۹، ۳۳، ۱۰۹، ۱۱۲، ۱۳۳، ۱۴۰

۲۲۰، ۲۲۶، ۲۵۵، ۲۷۵، ۲۸۰، ۲۸۶،
۳۹۳، ۳۹۵، ۴۱۲
ملتان ۱۰۰، ۱۰۲، ۳۱۳
منصورہ ۱۰۶
مہدیان (محلہ) ۱۱۵، ۱۱۷، ۱۲۸
میوات ۲۸۹، ۲۹۲

(ن) (و)

نابلس ۲۲
نجد ۲۹، ۳۹۷
نصیرآباد ۱۱۸
نوبیا ۴۳
نیشاپور ۲۵۶
واسط ۱۰۶

(ہ) (ی)

ہرات ۱۳۷، ۱۵۵
ہرگوبندپور ۲۸۲
ہمالیہ ۵۳، ۲۷۶
ہندوستان۔ تقریباً پوری کتاب
ہنڈیا ۴۳
یافہ ۲۲
یمن ۱۲، ۱۴، ۲۲، ۳۲، ۳۳، ۱۷۳، ۱۰۹، ۱۹۹
یونان ۱۳۷، ۱۹۷، ۱۸۷